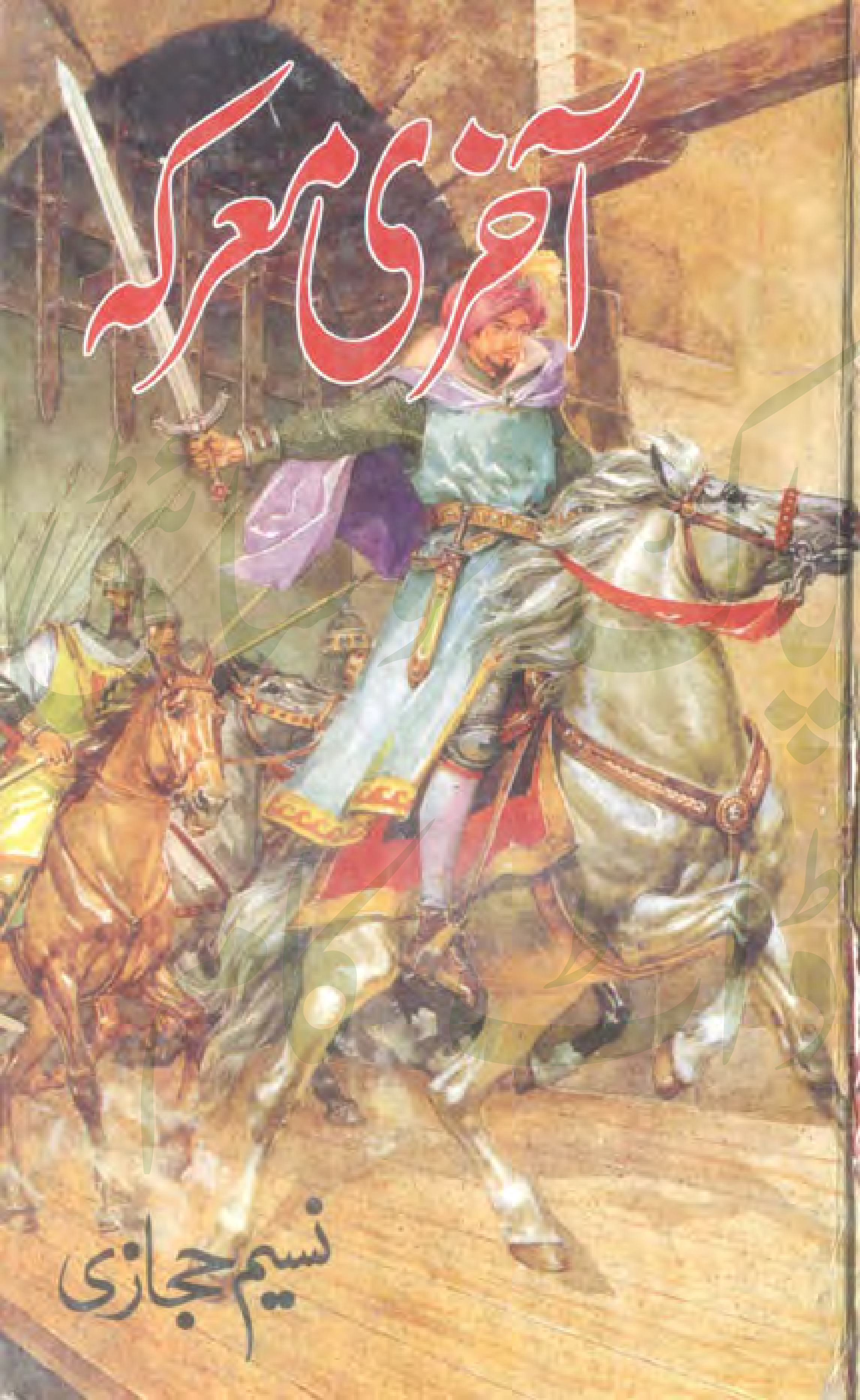

آخری معرکہ
نسیم حجازی

فہرست

نئے دَور کے مشعل بردار

وہ جاہل تھے اور اپنی جہالت پر فخر کرتے تھے۔ اُن کے ماضی کی تاریخ نہ ختم ہونے والی قبائلی جنگوں تک محدود تھی اور ان کے سامنے ان جنگوں کو جاری رکھنے کے سوا کوئی مستقبل نہ تھا۔ جو ظلم کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے، ظلم سہنے پر مجبور کر دیے جاتے تھے لیکن جب اسلام آیا تو یہی لوگ ایک نئے دور کے مشعل بردار بن گئے۔ کارسازِ فطرت نے اپنی رحمت کے نزول کے لیے ایک بے آب و گیاہ صحرا کو منتخب کیا۔ عرب کے ظلم کدے سے نور کا ایک سیلاب نمودار ہوا اور مختلف قبائل اور اقوام کو اپنے آغوش میں لیتا ہوا اطراف عالم پر چھا گیا۔

اسلام تپتے ہوئے صحرا میں ٹھنڈے اور میٹھے پانی کا ایک چشمہ تھا اور خلق خُدا اس کی پیاسی تھی۔ دنیا جہالت کی تاریکیوں میں بھٹک رہی تھی اور اسلام ایک نئی صبح کا آفتاب تھا۔ انسانیت ظلم و استبداد کی چکی میں پس رہی تھی اور اسلام اس کے لیے عدل و مساوات کا پیغام لے کر آیا تھا۔

بدر و حنین کے معرکوں میں اسلام کی ابتدائی فتوحات دراصل صدیوں کی روندی، پسی اور سسکتی ہوئی انسانیت کی فتوحات تھیں۔ مؤرخ جنھوں نے روم اور ا

کے شہنشاہوں کا جاہ و جلال دیکھا تھا، اب ان بوریانشینوں کو اقوام و ملل کی قسمت کا فیصلہ کرتے دیکھ رہے تھے جو اپنی پھٹی ہوئی قباؤں کو اپنے ہاتھ سے پیوند لگایا کرتے تھے۔

وقت کے فرعون، خدا اور اس کے بندوں کے درمیان ناقابلِ عبور دیواروں کی طرح حائل تھے۔ جب یہ دیواریں ٹوٹ گئیں تو ہمسایہ ممالک کے باشندوں نے دیکھا کہ عرب کے صحرانشین ان کے دشمن نہیں بلکہ دوست اور محافظ بن کر آئے ہیں۔ چنانچہ وہ لوگ جو اپنی نسلی اور وطنی عصبیتوں کے باعث کبھی اسلام کے خلاف صف آرا ہو گئے تھے۔ اب کفر و اسلام کی رزمگاہوں میں عربوں کے دوش بدوش لڑ رہے تھے۔

خلافت راشدہ اسلامی نظامِ حکومت کا ایک مثالی دور تھا لیکن اس کے بعد جب خلافت کی جگہ ملوکیت نے لے لی تو اسلامی سلطنت کا تدریجی زوال شروع ہو گیا۔ حکومت کے ایوانوں میں اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات کی حیثیت سے حاوی نہ رہ سکا اور بعض دور تو ایسے بھی تھے۔ جب برسرِ اقتدار طبقہ کھلے بندوں احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرتا رہا۔

تاہم اس انحطاط کے دور میں بھی ہمیں کبھی کبھی اسلام کے ابتدائی دور کی مثالی ریاست کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔

قرنِ اوّل کے مسلمانوں نے انسانی سیرت و کردار کا جو نمونہ پیش کیا تھا، اس کا تصور مختلف ادوار میں ملت بیضا کے قافلوں اور قافلہ سالاروں کو ان کامیابیوں اور کامرانیوں کی راہیں دکھاتا رہا جن کا تصور اغیار کو بھی یہ سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ جس باغ کی خزاں کا یہ عالم تھا اس کی بہار کیا رہی ہو گی۔

عامۃ المسلمین کے دلوں میں، مختلف زمانوں میں اس مثالی دور کی طرف رجوع کرنے کی تڑپ پیدا ہوتی رہی۔ اگر انھیں کوئی اچھا حکمران یا راہنما مل گیا تو انھوں نے مشرق و مغرب کی رزمگاہوں میں ایک بار پھر گزرے ہوئے زمانے کی یاد تازہ کر دی کبھی ان کی اذانیں فرغانہ کی وادیوں میں گونجتی تھیں اور کبھی ان کے اقبال کے پرچم اندلس کے مرغزاروں میں لہراتے تھے۔

(۲)

اموی حکمرانوں کے زوال کے بعد زمامِ حکومت عباسیوں کے ہاتھ میں آئی تو ملوکیت کی خرابیوں کے ساتھ عجمی تصورات کی برائیاں بھی شامل ہو گئیں اور قبائلی اور قومی عصبیت نئی شدّت کے ساتھ جاگ اٹھی۔ دین کا وہ رشتہ جس نے اطراف عالم کے مسلمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ منسلک کر رکھا تھا، کمزور پڑ گیا اور عباسی خلفاء دور افتادہ ممالک کو مرکز کے ساتھ وابستہ نہ رکھ سکے۔

۱۳۸ھ میں عبدالرحمن الداخل نے ہسپانیہ میں اموی خاندان کی خود مختار سلطنت قائم کر لی اور اس سے چند سال بعد علوی خاندان کے ایک فرد ادریس نے مراقش میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ قریباً اسی زمانے میں طولنس بھی عباسی سلطنت سے کٹ گیا۔ تیسری صدی ہجری کے آغاز میں محمد بن زیاد نے اپنی حکومت قائم کر لی۔ اسی صدی کے وسط میں مصر کے گورنر احمد ابن طولون نے عباسی اقتدار کے خلاف بغاوت کی اور مصر بھی علیحدہ ہو گیا۔ ۳۵۸ھ میں مصر پر فاطمیوں کی حکومت قائم ہو گئی اور انھوں نے چند سال کے عرصہ میں شام پر بھی تسلط جما لیا۔

انحطاط کے اس دور میں فارس، خراساں اور شمال کے ممالک پر بھی عباسی خلفاء کا اقتدار برائے نام تھا۔ ان ممالک کی گورنریاں چند خاندانوں کی میراث بن چکی تھیں۔ بنی عباس کے عروج کے زمانے میں اقتدار کی مسندوں پر عربوں کی بجائے ایرانی اُمراء قابض تھے لیکن زوال کے دور میں ایرانیوں کی جگہ ترک اُمراء نے لے لی۔

چوتھی صدی میں ہر ملک کا گورنر ایک خود مختار بادشاہ تھا اور حکومت کے شوق میں
نئے نئے قسمت آزما میدان میں آ رہے تھے۔ عباسی خلفاء بے بس تماشائیوں کی حیثیت
میں حکومت کے پرانے اور نئے دعویداروں کی زور آزمائی دیکھا کرتے تھے جو غالب آ
جاتا وہ اس کی برائے نام سرپرستی قبول فرما لیتے تھے اور اُسے ایک آدھ خطاب
سے نواز دیتے تھے۔

سامانی خاندان جس کے عروج کی ابتدا خلیفہ مامون الرشید کے عہد میں ہوئی
تھی۔ تیسری صدی کے وسط تک ایک ایسی عظیم الشان سلطنت پر قابض ہو چکا تھا
جو خراسان سے لے کر کاشغر، خوارزم اور طبرستان تک پھیلی ہوئی تھی۔ عباسی خلفاء
جن کے اسلاف نے سامانیوں کو خراسان کی امارت عطا کی تھی۔ اب اس خاندان کے
مُربّی اور سرپرست نہ تھے بلکہ مجبور اور بے بس دُعاگو بن کر رہ گئے تھے۔ چوتھی صدی
کے وسطِ آخر میں اس سلطنت کا زوال شروع ہوا اور اس کے آخر تک سامانی تاجدار
قصّہ ماضی بن کر رہ گئے۔ پھر یہ سلطنت اقتدار کے نئے دعویداروں کی رزمگاہ بن گئی۔
لیکن غزنی کی وادیوں سے وہ عظیم الشان شخصیت نمودار ہوئی جس کی ہمہ گیر قوت کے
سامنے ان قسمت آزماؤں کے حوصلے ٹھنڈے پڑ گئے۔ جن فضاؤں میں کرگس پرواز
کر رہے تھے وہاں ایک عقاب نمودار ہوا۔ جن شکارگاہوں میں بھیڑیے اور گیدڑ
چیخیں مارتے تھے وہاں اب ایک شیر کی گرج سنائی دینے لگی۔

محمود غزنوی کا ظہور سمندر کی اس اٹھتی ہوئی لہر کی طرح تھا جو اپنی راہ کی ہر
موج کو اپنے آغوش میں لے لیتی ہے۔ وہ ایک ایسا فاتح تھا جس کی تلوار کی جھنکار
کبھی ترکستان اور کبھی ہندوستان کے میدانوں میں سنائی دیتی تھی۔ جس کے گھوڑے
کبھی جیحوں اور کبھی گنگا کا پانی پیتے تھے۔ وہ شاہراہ حیات کے ان مسافروں میں
سے تھا جو کسی منزل پر قیام کرنے کی بجائے ہر منزل سے آگے گزر جاتے ہیں اور جن

کا ذوق سفر کسی سرحد کو تسلیم نہیں کرتا۔ پہاڑ دریا اور صحرا اس کی راہ کے سنگ میل تھے۔
غزنی جسے الپتگین کے زمانے میں معمولی شہرت حاصل تھی۔ محمود کی فتوحات کے
باعث وسط ایشیا کی اس عظیم الشان سلطنت کا صدر مقام بن چکا تھا جو خراسان، کرمان،
سیستان، مکران، طبرستان، آذربائیجان، خوارزم اور فرغانہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ شمالی
ممالک کی فتوحات نے محمود کو تاریخ کے عظیم ترین فاتحین کے دوش بدوش کھڑا
کر دیا تھا لیکن ہماری داستان کا تعلق محمود غزنوی کی ان فتوحات کے ساتھ ہے
جو ہندوستان میں ایک نئے دور کا پیش خیمہ ثابت ہوئیں۔

بظاہر اس کے سامنے اطراف عالم میں اپنی فتح و نصرت کے پرچم لہرانے کے سوا
کوئی اور مقصد نہ تھا لیکن ہندوستان میں قدرت اسے اس سے کہیں زیادہ اعلیٰ و ارفع
مقصد کی تکمیل کی راہیں ہموار کرنے کے لیے منتخب کر چکی تھی۔ قدرت جو خزاں رسیدہ
چمن کے خشک پتے جھاڑ کر نئی بہار کے شگوفوں کی جگہ پیدا کرنے کے لیے شمال
کی خنک اور تند و تیز ہواؤں کو حرکت میں لاتی ہے اور جھلسے ہوئے صحراؤں کی پیاس
بجھانے کے لیے دور افتادہ پہاڑی ندیوں میں چٹانوں کے سینے چیر کر اپنی گزرگاہیں
بنانے کی قوت پیدا کر دیتی ہے۔ اُسے ایک کارِ عظیم کے لیے منتخب کر چکی تھی۔

ہندوستان پر صدیوں سے اس فلسفۂ حیات کی حکومت تھی۔ جس کا اوّلین مقصد
انسانوں میں اونچ اور نیچ، چھوت اور اچھوت کی تفریق پیدا کرنا اور اُسے قائم رکھنا تھا
جب وسط ایشیا کے آرین فاتحین اس ملک میں داخل ہوئے تو انھوں نے اپنی بستیاں
بسانے کے لیے زرخیز زمینوں اور سرسبز چراگاہوں کو منتخب کیا اور اس ملک کے قدیم
باشندوں کے لیے صرف وہ جنگلات، پہاڑ اور بنجر علاقے رہ گئے جنھیں آرین حکمران
اپنے تصرف میں نہیں لا سکتے تھے۔ پھر اپنی مفتوح اقوام پر دائمی تسلط قائم رکھنے
اور ان کی نشاۃ ثانیہ کے امکانات ختم کرنے کے لیے انھوں نے مذہب کے نام

سے ایک ایسے سماجی نظام کو جنم دیا جس نے مغلوب اقوام کو ہمیشہ کے لیے غلامی کی زنجیروں میں جکڑ دیا۔ اس سماجی نظام کے نگہبان ہندو مذہب کے وہ مقدس دیوتا تھے جن کی نگاہ میں ایک برہمن ہر لحاظ سے قابلِ تعظیم تھا اور ایک شودر ہر لحاظ سے قابلِ نفرت۔ اونچی ذات کے ہندو کے بدترین اعمال بھی اس سے اس کی پیدائشی برتری نہیں چھین سکتے تھے اور نیچ ذات شودر کے بہترین اوصاف بھی اس کے مقدر کی سیاہی نہیں دھو سکتے تھے۔

ہندو سماج کے قانون کی نگاہ میں اونچی ذات کے فرد کا کوئی گناہ اگر ناقابلِ معافی تھا تو یہ کہ وہ نیچ ذات کے کسی فرد کو انسان سمجھنے لگے اور نفرت حقارت کی اس دیوار کو پھاندنے پر آمادہ ہو جائے جو چھوت اور اچھوت کے درمیان کھڑی کی گئی تھی۔ منوجی کے چیلوں نے جس مسلک کو مذہب قرار دیا تھا اس کا نصب العین انسانوں کے درمیان مساوات قائم کرنا نہ تھا بلکہ مساوات کے تصور کی جڑیں کاٹنا تھا۔ اس کا مقصد کسی ضابطۂ اخلاق کی اشاعت نہ تھا۔ بلکہ اونچی ذات کے انسانوں کے مفاد کی ترجمانی تھا۔ شودروں کو ہندو سماج کا قابلِ نفرت حصہ بنا کر اس ملک کے زرخیز علاقوں سے دستبردار ہونے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔ کسی بستی کو شودروں سے خالی کرانے کے لیے انھیں ہر وقت تلوار اٹھانے کی ضرورت نہ تھی۔ شودر کے اعصاب پر اُن کی تلواروں سے زیادہ ان کے دیوتاؤں کی مورتیوں کا خوف سوار ہو چکا تھا۔ یہ مورتیاں جس مقام پر نصب کر دی جاتی تھیں وہاں شودر کا رہنا ناممکن بنا دیا جاتا تھا جس کنوئیں سے ان مورتیوں کے پجاری پانی پیتے تھے وہ مقدس بن جاتا تھا اور ایک شودر کا ان کے قریب پھٹکنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ جن مندروں میں ان مورتیوں کے لیے بھجن گائے جاتے تھے ان کے آس پاس کے راستے شودروں کے لیے بند ہو جاتے تھے۔ پجاری اپنے دیوتاؤں سے سنسکرت کی مقدس زبان میں ہمکلام

ہوتے تھے۔ اگر اس مقدس زبان کا ایک لفظ بھی شودر تک پہنچ جاتا تھا تو اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال دیا جاتا تھا۔ اونچی ذات کے ہندو کا دھرم اچھوت کو چھونے اور اس کے ساتھ بات کرنے سے بھرشٹ ہو جاتا تھا۔ ان حالات میں شودر کسی حکم کے بغیر ہی اپنی جھونپڑیاں ہندو سماج کے خوشنما ایوانوں کی بھینٹ کر دیتے تھے۔

صدیوں ظلم و استبداد کی اس چکی میں پسنے کے بعد جس کی نظیر تاریخِ انسانی میں نہیں ملتی، ایک شودر صرف ایک برہمن کی نگاہ میں ہی رذیل نہ تھا بلکہ خود اپنی نگاہوں میں بھی رذیل ہو چکا تھا۔ وہ سماج کا دشمن ہونے کی بجائے سماج کا ایک قابلِ نفرت حصہ بن جانے پر قانع ہو چکا تھا۔ جابر و ظالم برہمن سے اس کی نفرت خوف اور خوف نیازمندی کے جذبات میں تبدیل ہو چکا تھا۔ وہ دور دور سے ان ایوانوں کو سلام کرتا تھا جو اس کے اسلاف کی جھونپڑیوں پر تعمیر ہوئے تھے اور ان مندروں کی تقدیس اور عظمت کا اعتراف کرتا تھا جن کی مورتیوں کے سامنے برہمن اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کے لیے اچھوتوں کا بلیدان دیا کرتے تھے۔ وہ مقصد جس کے لیے آریہ قوم کے فاتحین نے منوجی کا فلسفۂ حیات قبول کیا تھا پورا ہو چکا تھا۔ ہندوستان کے مغلوب اقوام کے لیے دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے یا اپنے کھوئے ہوئے حقوق کے لیے لڑنے کے امکانات ختم ہو چکے تھے۔

لیکن انسانوں کی تقسیم صرف یہیں تک محدود نہ رہی۔ بلکہ خود اونچی ذات کے ہندو بھی ادنیٰ اور اعلیٰ ذاتوں میں تقسیم ہو گئے۔ برہمن سب سے اعلیٰ تھے۔ اس لیے سب پر اُن کی تعظیم فرض تھی۔ وہ مذہب کے اجارہ دار تھے اور مذہب میں دیوتاؤں کی پوجا کے ساتھ برہمنوں کی اطاعت بھی فرض تھی۔ کھشتری ہندو سماج کا سپاہی تھا اور برہمن نے اپنی سہولت کے لیے سیاسی اختیارات اُسے سونپ

رکھے تھے۔ کھشتری اپنی تلوار کی طاقت سے حکومت حاصل کرتا تھا اور برہمن اس کے مشیر کی حیثیت سے حکومت کا کاروبار اپنی مرضی کے مطابق چلاتا تھا۔ حکومت کا اولین مقصد ان حد بندیوں کو قائم رکھنا تھا جو برہمن اور اس کے بعد کھشتری کی برتری منوانے کے لیے ضروری تھیں۔

ملک کے محنت کش لوگ ویش کہلاتے تھے۔ انھیں برہمن اور کھشتری کے مقابلے میں کم تر سمجھا جاتا تھا۔ ان کے خون اور پسینے کی کمائی سے کھشتری حکمرانوں کے محل اور برہمن پیشواؤں کے مندر تعمیر ہوتے تھے۔ تاہم برہمن جو نذرانہ وصول کرتا تھا۔ وہ حکمرانوں کے خراج سے کہیں زیادہ ہوتا تھا۔ حکمران صرف ویش کی آمدنی کا ایک حصہ لے سکتا تھا لیکن برہمن کے مندر کا خزانہ پر کرنے کے لیے ویش کی طرح کھشتری حکمران بھی اپنی آمدنی کا ایک حصہ مندروں پر وقف کرنے پر مجبور تھے۔

برہمن اور کھشتری کی دوہری حکومت میں ملک کا محنت کش طبقہ بری طرح پس رہا تھا لیکن کسی کو سسکنے، کراہنے یا شکایت کرنے کی اجازت نہ تھی۔

بدھ مت اس سماجی نظام کے خلاف ایک بغاوت تھا۔ یہ ایک سیلاب تھا جس کی لہریں ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پھیل گئیں اور کچھ مدت کے لیے اس نے ان بلند چٹانوں کو بھی اپنے آغوش میں لے لیا جن پر برہمن کے اقتدار کے محل کھڑے تھے لیکن اس کی طغیانی کا زور کم ہوتے ہی یہ چٹانیں پھر نمودار ہونے لگیں اور ہندوستان کی سرزمین ایک بار پھر منوجی کے چیلوں کی شکار گاہ بن گئی۔ بدھ مت نے انسان کو اچھے اور برے اعمال کی روشنی میں دیکھنے کی کوشش کی تھی اور یہ برہمن کی نسلی برتری کے خلاف ایک اعلان جنگ تھا۔ چنانچہ اپنا کھویا ہوا اقتدار دوبارہ حاصل کرنے کے بعد بدھ کے چیلوں کے خلاف برہمن کے ہاتھ میں انتقام کا خنجر اس خنجر سے کہیں زیادہ تیز تھا جو اس نے کسی زمانے میں شودر کے خلاف اٹھایا۔ دیوتاؤں کی سرزمین میں دیوتاؤں کے مقدس بیٹوں کو عام انسانوں کی طرح اعمال کی کسوٹی پر

پرکھنے والے مذہب کے لیے کوئی جگہ نہ تھی۔ بدھ مذہب کی مسخ شدہ صورت کو صرف اس حد تک ہندو مذہب میں جذب ہونے کی اجازت دی گئی جس حد تک کہ وہ اونچی ذات کے اقتدار کے لیے خطرناک ثابت نہیں ہو سکتا تھا۔

پہلی صدی ہجری کے آخر میں لس بیلا سے لے کر ملتان تک محمد بن قاسم کی فتوحات نے اس ملک میں ایک نئی روشنی کے دروازے کھول دیے۔ یہ دور اگرچہ اسلام کا مثالی دور نہ تھا لیکن ابتدائی دور کی بہت سی خصوصیات ابھی تک باقی تھیں۔ وہ لوگ جنھوں نے مسلمانوں کو اپنا دشمن سمجھ کر ان کا راستہ روکنے کے لیے تلوار اٹھائی تھی، ان کی اکثریت اسلام کو اپنی نجات کا واحد ذریعہ سمجھ کر اسلام کے علمبرداروں کی جماعت میں شامل ہو گئی۔ مسلمانوں کے سترہ سالہ سپہ سالار کی فتوحات نے ہندوستان کے طول و عرض میں ان ایوانوں پر لرزہ طاری کر دیا جن کی بنیادیں چھوت اور اچھوت کی تفریق پر رکھی گئی تھیں لیکن محمد بن قاسم کی بے وقت موت کے باعث یہ گھٹا جو ہندوستان کے لیے نئی بہاروں کا پیغام لے کر آئی تھی، ملتان سے آگے نہ بڑھ سکی۔

اموی خاندان کے عہد حکومت تک مرکز کے ساتھ سندھ کا تھوڑا بہت تعلق قائم رہا لیکن عباسیوں کے زمانے میں یہ رشتہ عملی طور پر منقطع ہو چکا تھا۔ عباسی سلطنت کے اختیارات کی حدود سے باہر ہونے کے باعث سندھ عالم اسلام کے تخریبی عناصر کے لیے ایک جائے پناہ بن گیا۔ ہر وہ خطرناک تحریک جس کے لیے اسلامی دنیا میں بڑھنے اور پھولنے کے امکانات ختم ہو جاتے تھے۔ سندھ میں پناہ لیتی تھی۔ فتنہ پروروں اور انتشار پسندوں کے وہ گروہ جنھیں عباسی حکومت کچلنے کی کوشش کرتی تھی، چاروں طرف سے فرار ہو کر سندھ کو اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنا لیتے تھے۔ سندھ میں اسلام کے نظریات کو عجمی اور ہندی تصورات کی آمیزش نے پہلے ہی کافی حد تک مسخ کر رکھا تھا۔ اب نئی بدعتوں نے اس کی رہی سہی صورت بھی بگاڑ کر رکھ دی۔

چوتھی صدی ہجری کے آخر میں غزنی کے افق سے جو طوفان نمودار ہو رہا تھا، وہ قدرت کی طرف سے ہندوستان کے برصغیر میں بسنے والے ان گنت انسانوں کی صدیوں کی پکار کا جواب تھا۔

(۳)

وہند کی سلطنت کے ہندو حکمران کے ساتھ مسلمانوں کی جنگ کی ابتدا سلطان محمود غزنوی کے باپ سبکتگین کے عہد میں ہوئی تھی۔ راجہ جے پال کے عہدِ حکومت میں اس سلطنت کی حدود لمغان سے دریائے چناب تک پھیلی ہوئی تھیں۔ جے پال کو اپنی فوجی قوت کی برتری پر اس قدر اعتماد تھا کہ اس نے شمال کی سرحد پر سبکتگین کے حملے سے غضب ناک ہو کر غزنی کی سلطنت کو ہمیشہ کے لیے نابود کر دینے کا فیصلہ کر لیا اور ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ غزنی پر چڑھائی کر دی۔ سبکتگین نے لمغان اور غزنی کے درمیان حملہ آوروں کا مقابلہ کیا۔ ہندو بہادری کے ساتھ لڑے لیکن مسلمانوں کے پے در پے حملوں اور اس کے ساتھ برفباری کے طوفانوں نے ان کے حوصلے توڑ دیے۔ جے پال نے اپنی سرحد کی چند بستیاں اور قلعے سبکتگین کے حوالے کرنے اور خراج ادا کرنے کی شرط پر صلح کر لی لیکن واپسی پر اپنی سلطنت کی حدود میں داخل ہوتے ہی اپنے عہد سے پھر گیا اور اس نے سبکتگین کے ان افسروں کو قید کر لیا جو خراج وصول کرنے کے لیے اس کے ہمراہ آئے تھے۔ سبکتگین نے اس عہد شکنی کی سزا کے طور پر فوج کشی کی اور سرحد کے چند علاقوں پر قبضہ کر لیا۔

جے پال نے شمالِ ہند کے کئی راجاؤں کو اپنی مدد کے لیے بلا لیا اور ایک لاکھ فوج کے ساتھ دوبارہ غزنی پر چڑھائی کر دی لیکن سبکتگین نے قلیل فوج کے باوجود پشاور اور لمغان کے درمیان جے پال اور اس کے حلیفوں کے لشکرِ جرّار کو تتر بتر کر دیا۔

محمود اپنے باپ کے ساتھ ان جنگوں میں شریک ہوا تھا اور وہ یہ اندازہ کر چکا

تھا کہ غزنی اور ہندوستان کے درمیان فیصلہ کن معرکے ابھی باقی ہیں۔ وہ یہ دیکھ چکا تھا کہ ہر نئے معرکے میں جے پال کی فوج تعداد میں پہلے سے زیادہ ہوتی تھی اور اگر اس کے حکمران اسی طرح جے پال کی حمایت پر میدان میں آتے رہے تو کسی دن غزنی کی سلطنت کو اس برصغیر کی ان گنت افواج کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔ اس لیے جب تک ہندوستان میں یہ لامحدود قوت موجود ہے۔ کوئی دریا یا کوئی پہاڑ غزنی کے لیے خطِ دفاع نہیں بن سکتا۔ چنانچہ محمود اپنی مدافعت کے لیے بھی ان خطرناک عناصر کو منتشر اور مغلوب رکھنا ضروری سمجھتا تھا۔ جن کا اتحاد کسی وقت بھی نہ صرف غزنی بلکہ شمال اور مغرب کے کئی ممالک کے لیے خطرے کا باعث ہو سکتا تھا۔

ہندوستان میں وہند کی ہم پلہ کئی اور سلطنتیں تھیں اور محمود نے وہند کی طاقت سے متاثر ہو کر یہ عہد کیا تھا کہ وہ ان سلطنتوں کی طاقت کو کھوکھلا رکھنے کے لیے ہر سال کم از کم ایک بار کسی نہ کسی سلطنت کے ساتھ ضرور ٹکر لیتا رہے گا۔

سبکتگین کی وفات کے بعد غزنی کی مسندِ حکومت پر رونق افروز ہوتے ہی محمود نے ہندوستان پر حملے شروع کر دیے۔ ۳۹۰ھ میں محمود نے لمغان کے آس پاس جے پال کی سلطنت کے چند علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اگلے سال اس نے پھر چڑھائی کی جے پال محمود کے پندرہ ہزار سواروں کے مقابلے کے لیے تیس ہزار پیادہ فوج، بارہ ہزار سواروں اور تین سو ہاتھیوں کے ساتھ آگے بڑھا۔ پشاور کے قریب ۸؍ محرّم ۳۹۲ھ کے دن فریقین کے درمیان ایک گھمسان کی جنگ ہوئی۔ دوپہر کے قریب غزنی کے تیر کمان نیزہ بازوں کے تند و تیز حملوں کے باعث جے پال کی افواج میں سراسیمگی پھیل گئی اور ہندو لشکر میدان میں پانچ ہزار لاشیں چھوڑ کر بھاگ نکلا۔ جے پال اپنے پندرہ بیٹوں اور پوتوں سمیت گرفتار ہوا اور اڑھائی لاکھ دینار اور پچاس ہاتھی بطور فدیہ ادا کر کے رہائی حاصل کی لیکن وہند واپس پہنچنے کے بعد اس نے پے در پے

شکستوں کی ذلت سے تنگ آکر خودکشی کر لی۔ اس کی جگہ اس کا بیٹا انند پال
تخت نشین ہوا اور اس نے کچھ عرصہ سلطان محمود کے ساتھ مصالحانہ تعلقات قائم
رکھے۔

محمود غزنوی کی ان کامیابیوں کے بعد ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے
سرے تک بے چینی کی لہر دوڑ گئی۔ ان فتوحات کے ساتھ ساتھ اس دین کی تبلیغ و
اشاعت کے دروازے کھل رہے تھے جو ہر لحاظ سے ہندومت کی ضد تھا۔ نسلی
اور قبائلی عصبیتوں کی جڑیں کاٹ کر تمام انسانوں میں اخوت اور مساوات کے
رشتے جوڑنے والا دین ہندو سماج کے ان مقدس بیٹوں کی نگاہ میں ایک عظیم خطرہ
تھا جو ذات پات کی تمیز میں اپنا مفاد دیکھتے تھے۔ برہمن بیدار ہو چکا تھا اور وہ اس
خطرے کے مقابلے کے لیے ہندوستان کے طول و عرض میں راجپوت حکمرانوں کو متحد
اور منظم کر رہا تھا۔ ہندوؤں کی طاقت کے اصلی مراکز وہ سلطنتیں تھیں جو ستلج، گنگا اور
نربدا کے درمیان پھیلی ہوئی تھیں۔ راج پال کی شکستوں نے ان سلطنتوں میں جو ہلچل
پیدا کر دی تھی۔ وہ محمود غزنوی کی عقابی نگاہوں سے پوشیدہ نہ تھی۔ ان سلطنتوں
کے ساتھ قوت آزمائی کا فیصلہ کرنے کے بعد اس کے سامنے اوّلین مسئلہ
اپنے راستے میں بھٹنڈہ کی سلطنت کو مسخر کرنا تھا۔

۳۹۵ھ میں محمود نے ملتان کے قریب دریائے سندھ عبور کرکے بھٹنڈہ کا
رُخ کیا۔ بھٹنڈہ کے راجہ باجی رائے کو اپنی قوت پر اس قدر اعتماد تھا کہ اس نے
قلعہ بند ہو کر لڑنے کی بجائے شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کیا۔ تین دن تک اس جنگ
کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ باجی رائے کو قرب و جوار سے کمک پہنچ رہی تھی اور ہندوؤں
کی طرف سے بہادری کا ایسا مظاہرہ محمود نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ چوتھے دن
باجی رائے کی فوج کے حملے مسلمانوں کو ہر محاذ سے پیچھے ہٹا رہے تھے لیکن محمود

نے انھیں غیرت دلائی اور خود گھوڑے کو ایڑ لگا کر دشمن کی اگلی صفوں پر ٹوٹ پڑا۔
جانبازوں کے گروہ آن کی آن میں اپنے امیر کے دائیں بائیں جمع ہو گئے اور اس
کے ساتھ دشمن کی صفوں کو چیرتے ہوئے قلب تک جا پہنچے۔ محمود کی اس شجاعت
نے تمام فوج میں ایک نئی روح پیدا کر دی۔ میمنہ اور میسرہ کے نیزہ باز دشمن کے دائیں
بائیں بازو پر ٹوٹ پڑے اور دشمن جو اپنی فتح کے متعلق پر اُمید ہو چکا تھا۔ اب تیزی
سے پیچھے ہٹنے لگا۔ غروب آفتاب سے قبل باجی رائے میدان چھوڑ کر قلعے میں پناہ
لے چکا تھا۔

بھٹنڈہ کے قلعے کی خندق اس قدر چوڑی اور گہری تھی کہ کسی حملہ آور کے لیے
براہِ راست فصیل پر یلغار کرنا ممکن نہ تھا۔ محمود نے خندق کے ایک حصّے کو درختوں
اور پتھروں سے بھر دینے کا حکم دیا۔ باجی رائے کو یہ یقین ہو چکا تھا کہ مسلمانوں کو
خندق پھاندنے اور فصیل پر یلغار کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ چنانچہ اس
نے مایوسی کی حالت میں ایک رات قلعہ سے بھاگ کر جنگل میں پناہ لینے کی کوشش
کی لیکن محمود کے چند دستوں نے جنگل میں اس کا محاصرہ کر لیا۔ باجی رائے نے ہتھیار
ڈالنے کی بجائے اپنے سینے میں خنجر گھونپ کر خودکشی کر لی۔ بھٹنڈہ کے قلعے پر
قبضہ کرنے کے بعد محمود نے اس سلطنت کے دور افتادہ مقامات کو فتح کیا۔

اس معرکے سے فارغ ہو کر محمود نے ملتان کے راستے غزنی کا رُخ کیا۔ ملتان
کا قرمطی حکمران ابو الفتح داؤد ہندوستان میں محمود غزنوی کی فتوحات کو اپنے لیے کم
خطرناک نہیں سمجھتا تھا۔ دریائے سندھ میں قبل از وقت بارشوں کے باعث شدید
طغیانی آگئی تھی اور اسے عبور کرتے ہوئے غزنوی لشکر کے بہت سے سپاہی لہروں
کا شکار ہو گئے۔ اس کے علاوہ ملتان کے قرمطی حکمران ابو الفتح داؤد کی غیر مصالحانہ
روش نے محمود کی مشکلات میں اور اضافہ کر دیا۔

۳۹۶ھ میں محمود نے قرامطہ[1] کے استیصال کے لیے ملتان پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا لیکن انند پال جس کے ساتھ اس کے تعلقات مصالحانہ تھے۔ ملتان کے ترک حکمران ابوالفتح داؤد کا طرفدار بن گیا اور اُس نے محمود کو پشاور کے قریب دریا عبور کرکے اپنی حدود سے گزرنے کی اجازت نہ دی اور اس کا راستہ روکنے کے لیے پیش قدمی کی۔ محمود نے اُسے عبرتناک شکست دی اور دریائے چناب تک اس کا تعاقب کیا۔ انند پال نے اپنی رہی سہی فوج کے ہمراہ کشمیر کی پہاڑیوں میں جاکر پناہ لی۔ محمود غزنوی نے اس کا تعاقب کرنے کی بجائے ملتان کا رُخ کیا لیکن ابھی اس

[1] عباسیوں کے انحطاط کے زمانے میں عالمِ اسلام میں جن فتنوں نے سر اٹھایا تھا اُن میں قرامطہ سب سے زیادہ خطرناک تھے۔ اعتقادات کے لحاظ سے قرامطہ کا اسلام کے ساتھ دور کا واسطہ بھی نہ تھا۔ وہ صرف حکومت ہی کے دشمن نہ تھے بلکہ عام مسلمانوں کو بھی گردن زدنی سمجھتے تھے۔ تیسری صدی ہجری کے وسط میں انھوں نے عراق اور شام میں مسلمانوں کا قتلِ عام شروع کر دیا۔ ۲۸۷ھ میں خلیفہ مکتفی نے ان کی سرکوبی کے لیے ایک فوج روانہ کی لیکن قرمطیوں نے اس فوج کو بصرہ کے قریب عبرتناک شکست دی اور سپہ سالار کے سوا کسی کو بھی بچ نکلنے کا موقع نہ دیا۔ اس کے بعد وہ پھر شام کی طرف متوجہ ہوئے اور دمشق سے لے کر انطاکیہ تک ہزاروں انسانوں کو قتل کرنے کے بعد اُن کے راہنما ذکروی کے ایک بیٹے نے شام پر اپنی حکومت کا اعلان کر دیا۔

خلیفہ نے اپنے مصری جرنیل محمد کی قیادت میں فوج روانہ کی اور اُس نے قرمطیوں کو شکست دی۔ ذکروی کا بیٹا مارا گیا لیکن قرمطیوں کے حوصلے نہ ٹوٹے۔ ایک سال کے بعد ذکروی پھر گمنامی کے پردوں سے نمودار ہوا اور اس نے یہ اعلان کیا کہ اُس کی اعانت کے لیے مہدی کا ظہور ہونے والا ہے اور خدا نے اُسے کوفہ اور اُس کے بعد

نے ملتان کے چند سرحدی علاقے فتح کیے تھے کہ اُسے خراسان میں ایلک خان کے حملوں کی مدافعت کے لیے اچانک واپس جانا پڑا۔ محمود نے ملتان میں مکمل فتح پانچ سال کے بعد حاصل کی۔

(۴)

یہ وہ زمانہ تھا جب وسط ایشیا کے ممالک میں محمود کا تسلّط ابھی پوری طرح قائم نہیں ہوا تھا اور اسے قریباً ہر سال کسی نہ کسی قسمت آزما کی سرکوبی کے لیے ایک

شام میں فتوحات حاصل کرنے اور اپنے نائب کی حیثیت سے حکومت کرنے کی بشارت دی ہے۔ اس اعلان نے قرمطیوں کے حوصلے پھر تازہ کر دیے اور انھوں نے ایک بہت بڑی تعداد میں عراق پر چڑھائی کر دی۔ کوفہ سے کچھ دور خلیفہ کی فوج کو پسپا کرنے کے بعد انھوں نے کوفہ اور بصرہ کے درمیان پڑاؤ ڈال دیے اور مکّہ سے حاجیوں کے جو قافلے واپس آرہے تھے، ان کے متوقع راستوں پر پہرے بٹھا دیے۔ ایک قافلہ کسی بستی کے لوگوں کے انتباہ پر بچ کر نکل گیا۔ اس پر قرمطیوں نے اس بستی کو جلا کر راکھ کر دیا۔ دو قافلے ان کے نرغے میں آگئے اور انھوں نے بیس ہزار انسانوں کو تہِ تیغ کر ڈالا۔ بربریت اور وحشت کے اس طوفان نے بغداد پر لرزہ طاری کر دیا۔ خلیفہ نے ایک آزمودہ کار ترک جرنیل کی سرکردگی میں ایک بہت بڑی فوج روانہ کی۔ دو دن کی خونریز لڑائی کے بعد قرامطہ کو شکست ہوئی۔ ذکروی مارا گیا۔ اور یہ فتنہ کچھ دیر کے لیے ٹھنڈا پڑ گیا لیکن چوتھی صدی کے آغاز میں قرمطی پھر نمودار ہوئے اور ۳۱۱ھ میں انھوں نے اچانک بصرہ پر قبضہ کرکے چند روز تک قتل و غارت کا بازار گرم رکھا۔ بغداد سے حکومت کی افواج کی آمد کی اطلاع پاکر انھوں نے شہر خالی کر دیا لیکن ہزاروں عورتوں کو لونڈیوں کی حیثیت میں اپنے ساتھ لے گئے۔ اس کے بعد انھوں نے قافلوں پر حملے شروع کر دیے۔ حاجیوں کے ایک قافلے کے سات ہزار

نئے محاذ پر جانا پڑتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ باقاعدگی کے ساتھ ہندوستان کی تسخیر کا
کام جاری نہ رکھ سکا۔ ہر سال شمال کے ممالک اور ہندوستان کی فتوحات اُس کی
سلطنت کی حدود میں اضافہ کر رہی تھیں۔ لیکن اس نسبت سے اس کی مشکلات
میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔ ان دو محاذوں کے درمیان کئی پہاڑوں، میدانوں اور

آدمی انھوں نے کوفہ کے قریب موت کے گھاٹ اتار دیے اور پھر اچانک کوفہ پر قبضہ کر لیا۔
اور یہاں بھی بصرہ کی تاریخ دہرائی گئی۔

قرامطہ کے نزدیک مسلمان عورتوں اور بچوں کو بھی بدترین عذاب دے کر قتل کرنا
ایک کارِ ثواب تھا۔ عراق میں ان کی دہشت کا یہ عالم تھا کہ دوسرے شہروں کی طرح بغداد
کے لوگ بھی اپنے گھروں سے بھاگ کر دریا کے پار پناہ لے رہے تھے۔ چار سال ان وحشیوں نے
قتل و غارت جاری رکھی۔ بالآخر بغداد کی فوج نے انھیں شکست دی اور وہ عرب میں
پناہ لینے پر مجبور ہو گئے لیکن یہاں بھی ان کی بربریت میں کوئی فرق نہ آیا۔ انھوں نے مکہ معظمہ
میں بھی کوفہ اور بصرہ کے مظالم کی یاد تازہ کر دی۔ ان کی درندگی کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے خانہ کعبہ
میں پناہ لینے والوں کو بھی قتل کرنے سے دریغ نہ کیا۔ شہیدوں کی لاشیں چاہِ زمزم میں پھینکی گئیں۔
قرامطہ خانہ کعبہ سے حجرِ اسود اٹھا کر لے گئے اور یہ بیس سال تک ان کے پاس رہا۔

ان واقعات کے بعد تمام اسلامی ممالک میں قرمطیوں کے خلاف غصہ اور نفرت
کی آگ بھڑک اٹھی اور ان کی سرگرمیاں ایک مدت کے لیے ٹھنڈی پڑ گئیں۔ عراق، شام
اور دوسرے ممالک سے جو قرمطی حکومت اور عوام کے انتقام سے خوفزدہ ہو کر بھاگے ان کی
جائے پناہ سندھ تھی۔ چوتھی صدی ہجری کے وسط آخر میں ملتان پر قرمطیوں کی حکومت تھی۔
عالم اسلام کی ہزاروں بستیاں جلانے اور ان گنت انسانوں کو انتہائی بیدردی سے قتل کرنے کے
بعد شاید یہی ایک بدنصیب خطہ تھا جہاں ان جنونیوں کو اپنی سلطنت قائم کرنے کا موقع ملا تھا۔

صحراؤں کی وسعتیں حائل تھیں اور محمود کی فوجی قوت کا بیشتر حصہ ان وسعتوں میں
بکھرا ہوا تھا۔ وہ دریا سندھ عبور کرتا تو جیحوں کے کنارے کوئی فتنہ جاگ اُٹھتا۔ وہ پنجاب
کے میدانوں میں پڑاؤ ڈال کر گنگا اور جمنا کا رُخ کرنے کا ارادہ کرتا تو مکران سے لے
کر خوارزم تک کسی نہ کسی ملک میں ایسے حالات پیدا ہو جاتے کہ اُسے اپنا کام
ادھورا چھوڑ کر واپس جانا پڑتا۔ تاریخ کا کوئی زمانہ اولوالعزم فاتحین کے تذکروں
سے خالی نہیں لیکن ایسے شہسوار بہت کم ہوں گے جنھوں نے اپنی زندگی کے بیشتر
دن گھوڑے کی پیٹھ پر زمین کی وسعتیں ناپنے میں گزارے ہوں۔ اسے مرمریں ایوانوں
کی بجائے جنگ کے میدان پسند تھے۔ اسے پھولوں کی سیج پر سونے کی بجائے
چٹانوں کا روندنا مرغوب تھا۔ غزنی کے عقاب کا ذوقِ پرواز ہر نشیمن سے دور رہنا
پسند کرتا تھا۔ قدرت نے ایک انسان کے وجود میں اُن عناصر کو جمع کر دیا تھا۔ جو
ہمیشہ متحرک رہنا پسند کرتے ہیں؛

(۵)

ملتان سے واپسی کے بعد خراسان میں محمود غزنوی کی مصروفیات کے باعث
انند پال کو اپنی فوجی قوت از سرِ نو منظم کرنے کا موقع مل گیا۔ اس نے مسلمانوں کے
حملوں کو ایک اجتماعی خطرہ ثابت کر کے پڑوس کے راجاؤں سے مدد کی درخواست
کی۔ اس دفعہ شمالی ہندوستان کے حکمرانوں نے محمود کے خلاف ایک متحدہ محاذ
بنانے میں پہلے کی نسبت زیادہ سرگرمی کا مظاہرہ کیا۔ چنانچہ ایک بہت بڑی
فوج انند پال کے بیٹے برہمن پال کی قیادت میں پشاور کی طرف کوچ کرنے کے لیے
تیار ہو گئی۔

سلطان محمود نے ان حالات سے باخبر ہوتے ہی ۳۹۹ھ میں غزنی سے کوچ
کیا اور یلغار کرتا ہوا وہبند کے قریب جا پہنچا۔ ایک شدید معرکے کے بعد ہندو افواج

میدان چھوڑ کر بھاگ نکلیں۔ سلطان محمود نے کانگڑہ تک انند پال کے حلیفوں کی
افواج کا تعاقب کیا اور کانگڑہ کے پاس نگر کوٹ کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ تین دن کی
سخت مدافعت کے بعد اہلِ قلعہ نے ہمت ہار دی اور سلطان کی فوج قلعہ پر قابض
ہو گئی۔ اس قلعے کے اندر وہ مشہور مندر تھا جس کے پجاری نہ صرف ہندو عوام بلکہ
شمالی ہند کے راجاؤں سے بھی خراج وصول کرتے تھے۔ مندر کے دروازے کھولے
گئے تو وہاں سونے اور چاندی کے انبار پڑے تھے۔ برہمنوں کا یہ عشرت کدہ ان گنت
انسانوں کی صدیوں کی محنت کا پھل تھا۔ یہ ان لوگوں کی کمائی تھی جو سماج کے دیوتاؤں
کا بوجھ اُٹھانے کے لیے پیدا ہوئے تھے۔ اس مندر سے سات کروڑ درم کی مالیت
کے سکے اور قریباً سات ہزار من چاندی اور سونا برآمد ہوا۔ نگر کوٹ کے مندر کی
دولت کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ صرف قیمتی جواہرات کا
وزن بیس من کے قریب تھا۔

سلطان محمود کی واپسی کے بعد انند پال نے نندنہ کو اپنی راجدھانی بنا کر کوہستان
نمک کے آس پاس کے علاقوں پر اپنا تسلط قائم کر لیا لیکن وہ جلد ہی مر گیا اور اس
کی جگہ ترلوچن پال تخت نشین ہوا۔ سلطان محمود نے اس خاندان کا رہا سہا اقتدار ختم
کرنے کے لیے نندنہ پر حملہ کیا۔ ترلوچن پال نے سلطان کی پیش قدمی کی اطلاع پا
کر قلعے کی حفاظت اپنے بیٹے بھیم پال کو سونپ دی اور خود کشمیر کے راجہ کو اپنی اعانت
پر آمادہ کرنے کے لیے وہاں کا رُخ کیا۔

بھیم پال نے پہاڑیوں کے درمیان سے نندنہ کے قلعے کی طرف جانے والی
تنگ گزرگاہ کو بند کرنے کے لیے ہاتھیوں کی صفیں کھڑی کر دیں اور سلطان کی فوج
کئی دن پے در پے حملوں کے باوجود قلعے کے پہنچنے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ اس
عرصہ میں کشمیر کے علاوہ جنوبی ہند کی کئی ریاستوں سے بھیم پال کو برابر کمک پہنچتی

رہی۔ بالآخر بھیم پال اپنی کمین گاہ سے نکلا اور اس نے کھلے میدان میں سلطان محمود کی افواج
پر حملہ کر دیا۔ اس کی فوج کے آگے ہاتھیوں کی قطاریں تھیں لیکن محمود کی صفِ اوّل
میں ترکمان دستے تھے جن کے تیروں کی بارش نے ہاتھیوں کے منہ پھیر دیے۔ اس
کے ساتھ ہی میمنہ اور میسرہ کے سوا دونوں پہلوؤں سے دشمن کی صفیں درہم برہم کرتے
ہوئے عقب تک جا پہنچے۔ بھیم پال اَن گنت لاشیں میدان میں چھوڑ کر بھاگا۔ اس
کے بعد محمود نے نندنہ کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ میدان جنگ میں بھیم پال کی شکست
کے باعث قلعے کے محافظوں کے حوصلے ٹوٹ چکے تھے۔ چنانچہ انھوں نے بلا شرط
ہتھیار ڈال دیے۔

نندنہ کی فتح کے بعد سلطان محمود ترلوچن پال کی طرف متوجہ ہوا جس کی اعانت
کے لیے کشمیر کی مزید افواج جہلم کے شمال کی وادیوں میں جمع ہو رہی تھیں۔ کشمیر کے
لشکر کا سپہ سالار محمود کے ایک گشتی دستے کو شکست دینے کے بعد اپنی قوت کے
متعلق سخت غلط فہمی میں مبتلا ہو چکا تھا لیکن جنگ کے پہلے معرکے ہی میں وہ بدحواس
ہو گیا۔ اس نے اپنے لشکر کو دوبارہ منظم کر کے حملہ آوروں کے سامنے کھڑا کرنے کی
کوشش کی لیکن وہ اپنی شکست کو فتح میں نہ بدل سکا۔

ان شکستوں کے بعد ترلوچن پال کا آخری مستقر مشرقی پنجاب میں شوالک کی
پہاڑیاں تھیں۔ ویہند کی سلطنت کا عملی طور پر خاتمہ ہو چکا تھا۔

نندنہ کا قیدی

نندنہ کے قلعے میں ایک جنگی قیدی کی حیثیت سے رنبیر کے لیے زندگی اب صبح و شام کے لیے ایک بے کیف تسلسل کے سوا کچھ نہ تھی۔ قید کے ابتدائی ایّام اس کے لیے بے حد تلخ اور صبر آزما تھے۔ وہ ہر وقت فرار ہونے کی تدبیریں سوچا کرتا تھا کبھی وہ تصور میں جنوبی ہند کے راجاؤں کے بے شمار لشکر کو قلعے پر حملہ کرتے دیکھتا، کبھی خواب کی حالت میں اس کے لیے قلعے کے دروازے کھل جاتے اور وہ گھوڑے پر سوار ہو کر سینکڑوں میل دور دریائے گنگا کے کنارے اپنے گاؤں میں پہنچ جاتا اور پھر کبھی یہ دیکھتا کہ وہ اپنے گھر میں ہے اور زمانہ وہی ہے جو چار سال پہلے تھا۔ اس کے دوست اس کے گرد جمع ہیں۔ وہ ان کے ساتھ تیر اندازی یا تیغ زنی کی مشق کر رہا ہے اور اس کا باپ محل کے ایک کونے میں کھڑا ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کے کمالات کی داد دے رہا ہے۔ شکنتلا اس کی ننھی بہن اپنی ہم عمر سہیلیوں کے ساتھ باغ میں جھولا جھول رہی ہے لیکن حال کے تلخ حقائق ہر بار اُس کے حسین خیالوں اور رنگین سپنوں کی دنیا درہم برہم کر دیتے۔

جوں جوں وقت گزرتا گیا رنبیر کا کرب و اضطراب مایوسی اور بے حسی میں تبدیل ہوتا گیا۔ ایک لامتناہی قید کا بھیانک تصور ماضی کی ہر یاد اور مستقبل کی ہر اُمید پر حاوی ہو چکا تھا۔

رنبیر قنوج کے ایک راجپوت سردار موہن چند کا بیٹا تھا۔ قنوج کے حکمران راجیہ پال کے دربار میں اس کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ اپنی جوانی کے ایّام میں موہن چند نے راجیہ پال کی فوج کے ایک افسر کی حیثیت سے گراں قدر خدمات سرانجام دی تھیں۔ جب شمالی سرحد کے ایک با اثر جاگیر دار جے کرشن نے پڑوس کے چند راجاؤں کی شہ پر قنوج کے حکمران کے خلاف بغاوت کی تو اس نے جے کرشن کی سرکوبی کے لیے موہن چند کو روانہ کیا۔ موہن چند کا حملہ اس قدر اچانک تھا کہ جے کرشن کو اپنے حلیفوں کی طرف سے کوئی مدد نہ پہنچ سکی اور اس نے معمولی جھڑپ کے بعد راہ فرار اختیار کی اور مہابن کے راجہ کے پاس پناہ گزین ہوا۔ راجیہ پال نے اُس کی جاگیر ضبط کر کے اپنے چند سرداروں میں تقسیم کر دی۔ اس جاگیر کا ایک بڑا حصہ اور جے کرشن کا محل موہن چند کو ملے۔ اس عالی شان محل میں موہن چند کی خوشی کے دن بہت مختصر تھے قریباً تین سال کے بعد اس کی بیوی ایک چار سالہ لڑکے رنبیر اور چھ ماہ کی لڑکی شکنتلا کو چھوڑ کر چل بسی۔

یہ دو بچے موہن چند کی تمام آرزوؤں اور تمنّاؤں کا مرکز تھے۔ وہ رنبیر کو راجہ کے بعد قنوج کی سب سے بڑی شخصیت دیکھنے کا متمنّی تھا۔ اور شکنتلا کو کسی سلطنت کی رانی دیکھنا چاہتا تھا۔

اٹھارہ سال کی عمر میں رنبیر ایک خوبصورت جوان تھا۔ ایک سپاہی کے خصائل اُسے اپنے باپ سے ورثہ میں ملے تھے۔ تعلیم و تربیت کے لحاظ سے بہت کم نوجوان ایسے تھے جو اس کی ہمسری کا دعویٰ کر سکتے تھے۔ راجہ کے کانوں تک فنونِ سپہ گری میں رنبیر کے کمالات کی خبریں پہنچیں تو اُس نے اُسے بلا کر محل کے محافظ دستے کا افسرِ اعلیٰ بنا دیا۔

اپنے بچّوں کے متعلق موہن چند کے سپنوں کی تعبیر کے دن قریب آ رہے تھے لیکن

پنجاب میں محمود غزنوی کی فتوحات کے باعث جو اضطراب ہندوستان کے راجاؤں، سرداروں اور پنڈتوں کے دلوں میں پیدا ہو رہا تھا۔ وہ آئے دن بڑھ رہا تھا۔ دھرم کی رکھشا کے لیے قنوج کے جن با اثر لوگوں نے ترلوچن پال کی حمایت کے لیے آواز اٹھائی اُن کے ساتھ موہن چند بھی شامل تھا۔ قنوج کا حکمران اپنی ہمسایہ ریاستوں کی دیکھا دیکھی ترلوچن پال کی مدد کے لیے ایک ہزار سپاہی بھیجنے کے لیے تیار ہو گیا۔ جب ان سپاہیوں کی قیادت کا مسئلہ پیش آیا تو راجہ کی نگاہ رنبیر پر پڑی۔ موہن چند خود اس مہم میں شریک ہونا چاہتا تھا لیکن جوڑوں کے درد کے باعث اُسے رکنا پڑا۔

قنوج سے روانہ ہوتے وقت رنبیر کی عمر کوئی بیس سال تھی اور اس کی خود اعتمادی کا یہ عالم تھا کہ جب راجہ کے دربار کے نجومی نے اس کا ہاتھ دیکھ کر یہ مژدہ سنایا کہ تم نندنہ سے فتح کے پھریرے اڑاتے ہوئے واپس آؤ گے تو رنبیر نے مسکرا کر کہا۔ "ہم نندنہ نہیں غزنی جا رہے ہیں۔" اس پر جب ایک بوڑھے سپاہی کے منہ سے یہ الفاظ نکل گئے کہ غزنی بہت دور ہے تو رنبیر کے باپ کا چہرہ غصے سے تمتما اُٹھا اور اُس نے چلا کر کہا "غزنی دور نہیں تم ہی بے غیرت ہو گئے ہو۔"

قنوج کی سرحد عبور کرنے سے پہلے رنبیر اپنی بستی سے گزرا۔ جب وہ اپنے محل کے قریب پہنچا تو شکنتلا بھاگتی ہوئی باہر نکلی۔ اس نے جلدی سے رنبیر کی کمر کے ساتھ لٹکا ہوا خنجر نکالا اور اُس کی نوک سے اپنے ہاتھ کی انگلی چیر کر اُس کی پیشانی پر خون کا تلک لگا دیا اور اپنے آنسو ضبط کرتے ہوئے بولی۔ "بھیا! دیوتا تمھاری رکھشا کریں۔ جلد واپس آنے کی کوشش کرنا۔" رنبیر نے کہا۔ "میں بہت جلد آجاؤں گا۔ لیکن میری ننھی بہن نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ میں آتی دفعہ اُس کے لیے کیا لاؤں؟"

"کچھ نہیں۔ ایک بہن کو اپنے بھائی کے سوا کچھ نہیں چاہیے۔" ان الفاظ کے ساتھ شکنتلا کی کٹورے جیسی آنکھوں میں چھلکتے ہوئے آنسو ٹپک پڑے۔ رنبیر نے ایک

ثانیہ توقف کے بعد کچھ کہے بغیر گھوڑے کی باگ موڑ لی۔

(۳)

نندنہ کی جنگ میں بھیم پال کی مدد کے لیے قنوج کے علاوہ جنوبی ہند کی کئی اور ریاستوں نے بھی امدادی دستے بھیجے تھے۔ اپنی اپنی ریاست کے سپاہیوں کے جوہر دیکھنے اور ان کا حوصلہ بڑھانے کے لیے برہمنوں کی ٹولیاں بھی ان کے ساتھ آئی تھیں اور ان میں سے کئی برہمن میدان کارزار میں ہندو دھرم کے لیے لڑنے والے سپاہیوں کا جوش و خروش زندہ رکھنے کے لیے اپنے ساتھ مورتیاں بھی لے آئے تھے۔ چنانچہ نندنہ کے قلعے میں جو چیز سب سے زیادہ ناقابل تسخیر سمجھی جاتی تھی، وہ ان دیوتاؤں کی مورتیاں تھیں جن کی کرامات کے افسانے بیان کرکے برہمنوں نے سماج کے بیٹوں کو یقین دلایا تھا کہ اُن کی موجودگی میں مسلمان سپاہی نندنہ کے قلعہ میں پاؤں رکھتے ہی بھسم ہو جائیں گے۔

چنانچہ جب قلعہ سے باہر ایک کھلے میدان میں بھیم پال اور محمود غزنوی کی قیادت میں لڑنے والی افواج مردانگی کے جوہر دکھا رہی تھیں تو برہمن قلعہ کی چار دیواری کے اندر ناقوس اور گھنٹیاں بجا کر اپنے دیوتاؤں کو خواب غفلت سے جگانے کی کوشش کر رہے تھے لیکن وہ مدافعانہ قوت جو ان سونے چاندی اور پتھر کی مورتیوں میں پوشیدہ تھی بروئے کار نہ آئی۔

میدان میں شکست کھانے کے بعد بھیم پال کی فوج کے بعض دستوں نے قلعے میں پناہ لینے کی کوشش کی اور باقی فوج اِدھر اُدھر منتشر ہو گئی۔ بعض راجاؤں اور سرداروں نے اپنی اپنی فوج کو از سر نو منظم کر کے جوابی حملہ کیا لیکن بھیم پال کے فرار ہو جانے سے ہندوستانی سپاہیوں کے حوصلے ٹوٹ چکے تھے اور وہ کسی جگہ

جم کر لڑائی نہ کر سکے۔ غزنی کے شہسواروں کے طوفانی حملوں نے انھیں پھر ایک بار
میدان سے دھکیل کر آس پاس کی پہاڑیوں میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ سلطان نے
اپنے لشکر کا ایک حصہ ان لوگوں کے تعاقب کے لیے چھوڑ دیا اور باقی فوج کے ساتھ
آگے بڑھ کر نندنہ کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔

دوپہر کے قریب ایک طرف سلطان کی فوج کے سوار اور پیادہ دستے قلعے کے
اردگرد پہاڑیوں اور وادیوں میں میلوں تک بکھرے ہوئے دشمن کا تعاقب کر رہے
تھے اور دوسری طرف قلعے کی مکمل ناکہ بندی ہو چکی تھی۔

رنبیر زخمی ہونے کے باوجود آخری وقت تک میدان میں ڈٹا رہا۔ جب میدان
خالی ہونے لگا تو اس نے اپنے سپاہیوں کے ساتھ ایک ٹیلے پر پاؤں جمانے کی
کوشش کی لیکن تھوڑی دیر میں دوسروں کی دیکھا دیکھی قنوج کے سپاہی بھی بھاگ
نکلے۔ رنبیر کے ساتھ صرف پندرہ جاں نثار رہ گئے۔ فاتح لشکر نے جو بھاگتے ہوئے
دشمن کی بڑی بڑی ٹولیوں کا دور دور تک پیچھا کر رہا تھا، ان مٹھی بھر سرفروشوں کو
اہمیت نہ دی۔ ترک اور افغان سواروں کے کئی دستے آئے اور اس ٹیلے سے کترا
کر آگے نکل گئے۔ بالآخر سلطان کی فوج کے ایک دستے نے ٹیلے کا محاصرہ کر لیا۔
رنبیر کے ساتھی اپنی کمانیں سیدھی کر کے پتھروں کی آڑ میں بیٹھ گئے لیکن ٹیلے کا
محاصرہ کرنے والے سپاہی چوٹی پر یلغار کرنے کی بجائے اطمینان سے چاروں طرف
کھڑے تھے۔

رنبیر نے اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا ”بھائیو! ہمارے لیے یہاں
سے بچ نکلنا آسان نہیں لیکن سورج غروب ہونے والا ہے۔ اگر ہم تھوڑی دیر اور
مقابلہ کر سکیں تو ممکن ہے رات کی تاریکی میں سے بعض کو جان بچا کر بھاگنے کا
موقع مل جائے۔ اس ٹیلے کی چوٹی سے حملہ کرنے والے دشمن پر ہمارا کوئی

رائیگاں نہیں جائے گا اور دشمن اتنا بے وقوف نہیں کہ اپنی فتح کے بعد صرف چند آدمیوں
کو قتل یا گرفتار کرنے کے شوق میں اپنے کئی سپاہیوں کی جانیں خطرے میں ڈالنے پر
آمادہ ہو جائے اور اگر وہ ایسا کرنے کے لیے تیار بھی ہو تو ایک راجپوت کے لیے
دھرم کے دشمنوں کی قید میں چلے جانے کی بجائے موت کہیں بہتر ہے۔ میں اپنے اُن
ساتھیوں کو بزدلی کا طعنہ نہیں دیتا جو ہمیں چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں لیکن وہ بیوقوف
ضرور تھے۔ دشمن نے ہماری شکست کے آثار دیکھتے ہی اپنے محفوظ دستوں کے
تازہ دم سواروں کو چاروں طرف پھیلا دیا تھا۔ اس وقت تک ان میں سے اکثر
اگر قتل نہیں ہو چکے تو قید ضرور ہو گئے ہوں گے۔ دشمن اُن کے فرار ہونے سے
بہت پہلے قلعہ کے دروازوں تک پہنچ چکا تھا۔ کاش وہ سورج غروب ہونے
تک ہمارا ساتھ دیتے۔“

تھوڑی دیر بعد محاصرہ کرنے والے گھوڑوں سے اُتر کر پتھروں کی آڑ لیتے
ہوئے ٹیلے پر چڑھنے لگے۔ رنبیر کے ساتھیوں نے پریشان ہو کر اس کی طرف دیکھا
اور اُس نے مغموم لہجے میں کہا ”معلوم ہوتا ہے کہ دیوتاؤں کو ہمارا بچ نکلنا منظور
نہیں لیکن وہ ہمیں بہادری کی موت سے محروم نہیں کر سکتے۔ اپنے مورچوں میں ڈٹے
رہو اور اس وقت تک انتظار کرو جب تک کہ وہ ہمارے تیروں کی زد میں نہ آجائیں۔“

کسی نے ٹیلے کی چوٹی سے کوئی پچاس گز کے فاصلے پر ایک پتھر کی اوٹ
سے سر نکالا اور ہندی زبان میں بلند آواز میں کہا ”تم اگر جانیں بچانا چاہتے ہو
تو ہتھیار ڈال کر نیچے آجاؤ۔“

اس کے جواب میں رنبیر کی کمان سے ایک سنسناتا ہوا تیر نکلا لیکن بولنے والے
نے اچانک اپنا سر پتھر کے پیچھے چھپا لیا۔ محاصرہ کرنے والوں نے چاروں طرف
سے تیروں کی بارش شروع کر دی۔ اتنے میں رنبیر اور اس کے ساتھیوں کو ہتھیار

ڈال دینے کی ترغیب دینے والا اجنبی تیزی کے ساتھ پتھروں کی آڑ لیتا ہوا پندرہ بیس گز اور اوپر آگیا اور بلند آواز میں بولا۔ "تم میری توقع سے زیادہ بیوقوف ثابت ہوئے ہو لیکن میں تمھیں ایک بار پھر سوچنے کا موقع دیتا ہوں۔" اس مرتبہ اس نے اپنا سر پتھر کی آڑ سے نکالنے کی کوشش نہ کی۔ ہندی زبان میں اس کا لب و لہجہ یہ گواہی دے رہا تھا کہ وہ یا تو اسی ملک کا باشندہ ہے اور یا اس نے اپنی زندگی کا بیشتر حصّہ اس ملک میں گزارا ہے۔ زنبیر اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے کوئی جواب نہ پاکر اس نے کہا۔ "میں یہ عہد کر چکا ہوں کہ ہم سورج غروب ہونے سے پہلے اس ٹیلے کی چوٹی پر پہنچ جائیں گے۔ اگر تم خودکشی پر آمادہ نہیں ہو چکے تو ہتھیار ڈال دو، میں تمھاری جان بچانے کی ذمہ داری لیتا ہوں۔ ممکن ہے کسی دن تم اپنے گھر بھی جا سکو۔"

زنبیر اور اس کے ساتھیوں کے لیے بظاہر یہ الفاظ سراب تھے لیکن تھوڑی دیر کے لیے اس سراب کی دلکشی اُن کے تصورات پر چھا گئی۔ کسی دن آزاد ہو کر اپنے گھروں کو دوبارہ دیکھنے کی موہوم امید نے مایوسی کی تاریکیوں میں وہ چراغ روشن کر دیے جن کی روشنی میں انھیں موت کا چہرہ پہلے کی نسبت کہیں زیادہ بھیانک نظر آنے لگا۔ اس آواز کی بازگشت انھیں سینکڑوں کوس کے فاصلے پر سنائی دے رہی ان کے والدین، ان کے بال بچے، اُن کے دوست اور عزیز سب یہ کہتے ہوئے سنائی دے رہے تھے۔ "ممکن ہے کہ تم کسی دن ہمیں دیکھ سکو۔"

بولنے والا دیر تک خاموش رہا۔ اچانک زنبیر کا ایک ساتھی ہتھیار پھینک کر اٹھا اور دونوں ہاتھ بلند کرکے ٹیلے سے اترنے لگا۔ ایک ثانیہ توقف کے بعد تین اور اس کے پیچھے چل دیے۔ باقی زنبیر کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اس نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔ "میری طرف اس طرح نہ دیکھو۔ تم میں سے جو چاہے جا سکتا ہے۔ میں خوشی

سے اجازت دیتا ہوں۔"

چار آدمی اور اُٹھ کر چل دیے۔ ان میں سے ایک قدم چلنے کے بعد مڑ کر زنبیر کی طرف دیکھا اور کہا۔ "ممکن ہے کہ وہ جھوٹ نہ بولتا ہو۔ وہ ہماری زبان بولتا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ ان راجپوتوں میں سے ہو جو دشمن کے ساتھ مل چکے ہیں اور اس کا مقصد ہماری جانیں بچانا ہو۔"

زنبیر کرب انگیز لہجے میں چلایا۔ "بھگوان کے لیے جاؤ، مجھے تمھارے مشوروں کی ضرورت نہیں۔" اور وہ بھاگ کر دوسروں کے ساتھ جا ملا۔ ٹیلے پر کچھ دیر خاموشی طاری رہی۔ پھر پتھر کی اوٹ سے آواز آئی۔ "سورج غروب ہونے والا ہے۔ میں تمھیں تھوڑی دیر اور سوچنے کا موقع دیتا ہوں۔ بہادری اور حماقت میں بہت فرق ہے۔"

تھوڑی دیر اور جب زنبیر کے باقی ساتھیوں میں سے کسی نے جنبش نہ کی تو خطاب کرنے والے نے کہا۔ "میں تنہا اوپر آتا ہوں اور تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ تم میرا راستہ نہیں روک سکو گے۔"

ایک دراز قامت انسان پتھر کی آڑ سے نکل کر اطمینان سے قدم اٹھاتا ہوا ٹیلے کی چوٹی کی طرف بڑھنے لگا۔ زنبیر نے اس کی طرف کمان سیدھی کرتے ہوئے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "یہ دھوکا ہے۔ وہ تنہا اوپر نہیں آئے گا۔ تم چاروں طرف خیال رکھو۔" لیکن انھیں کسی طرف حملے کے آثار دکھائی نہ دیے۔ محاصرہ کرنے والوں میں سے بعض پتھروں کی آڑ سے نکل کر اپنی جگہ اطمینان سے کھڑے چوٹی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ زنبیر کے دو ساتھی بھی جو ہتھیار پھینک کر نیچے اترے تھے، اُن کے قریب جاکر اوپر کی طرف دیکھ رہے تھے۔

بلند قامت آدمی کوئی پندرہ قدم آگے بڑھا تھا کہ زنبیر اپنے مورچے سے نکلا اور اس کی طرف کمان سیدھی کر کے کھڑا ہو گیا۔ اس کے جواب میں نیچے سے کئی آدمیوں

نے زنبیر کی طرف اپنی کمانوں کا رُخ پھیر دیا لیکن بلند قامت آدمی نے جلدی سے
ان کی طرف دیکھا اور ہاتھ کے اشارے سے اُنھیں تیر چلانے سے منع کر دیا۔ پھر
زنبیر کی طرف متوجہ ہوا اور چوٹی کی طرف اس کے پاؤں اسی وقار اور تمکنت کے
اُٹھنے لگے۔ اس کے قد و قامت کی طرح اس کا چہرہ بھی جاذب نگاہ تھا۔ تیکھے
نقوش، سیاہ اور چمک دار آنکھیں، کشادہ پیشانی، جرأت، اولوالعزمی اور عالی
کی شہادت دے رہے تھے۔ اس کا انداز فاتحانہ تھا لیکن اس کی مُسکراہٹ
ظاہر کر رہی تھی کہ وہ اپنے مفتوح کو قتل کرنے کے لیے نہیں بلکہ سینے سے لگا
رہا ہے۔ زنبیر کے ساتھی مبہوت ہو کر اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ زنبیر نے تیر
کی کوشش کی لیکن اس کی ہمت جواب دے گئی۔ اس نے دو تین قدم پیچھے ہٹ
دوبارہ تیر کھینچنے کی کوشش کی لیکن اس کا ایک ساتھی بھاگ کر اُس کے آ
ہو گیا اور چلایا "نہیں، زنبیر نہیں۔"

اجنبی نے کہا "تمھاری شکل و صورت کے نوجوان کو زندگی سے اس قدر بے
نہیں ہونا چاہیے۔ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ اس وقت تک تمھارے کانوں میں کسی کی
نہ پہنچی ہو اور تمھارے دل میں کسی سے دوبارہ ملنے کی امید پر زندہ رہنے کی خوا
پیدا نہ ہوئی ہو؟"

زنبیر نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے ہاتھ سے کمان گر چکی تھی اور وہ سینکڑوں
دور سے کسی کے یہ الفاظ سن رہا تھا۔ "بھیا! دیوتا تمھاری رکشا کریں جلد واپس
کی کوشش کرنا۔ ایک بہن کو اپنے بھائی کے سوا کچھ نہیں چاہیے۔"

"تم زخمی ہو۔" دراز قامت آدمی نے زنبیر کی خون سے بھیگی ہوئی آستین دیکھ
کہا۔ زنبیر کی خاموشی پر اس نے آگے بڑھ کر زنبیر کا ہاتھ پکڑ لیا اور اطمینان سے
کے زخم کا معائنہ کرنے کے بعد اس پر اپنا رومال باندھتے ہوئے کہا "جوانی میں

زخم بہت جلد مندمل ہو جاتے ہیں لیکن تمھیں تھوڑی بہت احتیاط ضرور کرنی چاہیے۔"
اتنی دیر میں چند اور سپاہی اوپر پہنچ گئے اور انھوں نے اپنے سالار کے اشارے
پر زنبیر کے دو اور ساتھیوں کے زخموں پر پٹیاں باندھ دیں۔

ان کا یہ سلوک زنبیر اور اس کے ساتھیوں کی توقع کے برعکس تھا۔ ان کی پریشان
نگاہیں اپنے دشمنوں کے چہروں سے اس سوال کا جواب ڈھونڈ رہی تھیں کہ اب کیا
ہو گا؟ ٹیلے کے ارد گرد کوسوں دور تک گرد و غبار کے بادل یہ ظاہر کر رہے تھے کہ ابھی
تک شکست خوردہ لشکر کی منتشر ٹولیوں کا تعاقب جاری ہے۔ تھوڑی دیر بعد یہ سات
آدمی قیدیوں کی حیثیت سے نیچے اترے اور اپنے اُن رفیقوں کے ساتھ جا ملے جنھوں
نے ہتھیار ڈالنے میں سبقت کی تھی۔

سالار نے اپنے چند ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ قیدیوں کو حفاظت سے پڑاؤ میں
لے جائیں اور خود گھوڑے پر سوار ہو کر باقی سپاہیوں کے ہمراہ ایک طرف چل دیا۔

"یہ کون تھا؟" زنبیر بار بار اپنے دل سے اس سوال کا جواب پوچھ رہا تھا۔

پڑاؤ کی طرف جاتے ہوئے قیدی اپنے پہرے داروں میں سے بعض کو ہندی میں
باتیں کرتے ہوئے سُن رہے تھے۔ ایک سپاہی نے کہا "اس شکست کے بعد ہندوستان
کے تمام راجاؤں کو یہ یقین ہو جانا چاہیے کہ اب ویہند کے حکمرانوں کو مدد دینے سے
کوئی فائدہ نہیں۔ اب ترلوچن پال اور اس کے بیٹے کے لیے پنجاب میں کوئی جگہ
نہیں رہی۔"

دوسرا بولا "لیکن مجھے یقین ہے کہ برہمن اس ملک کے باشندوں کو آخری وقت
تک لڑائیں گے۔ ترلوچن پال اگر ختم بھی ہو جائے تو کئی اور راجے میدان میں آ جائیں
گے۔"

تیسرے نے کہا "لیکن مجھے یقین ہے کہ اس جنگ میں کسی برہمن کو خراش تک

نہیں آئی ہوگی۔ انھوں نے قلعے کے اندر کئی مورتیاں جمع کی تھیں اور کئی دلو
انھیں جگانے کے لیے گھنٹیاں اور ناقوس بجا رہے تھے لیکن تم دیکھو گے کہ گ
کی طرح اس قلعہ کو چھوڑ کر بھاگتے ہوئے بھی وہ ان مورتیوں کا خیال تک نہیں
گے۔"

"تمھارا کیا خیال ہے کہ وہ اب تک قلعہ چھوڑ کر بھاگ نہیں گئے ہوں گے؟"
سپاہی یہ کہہ کر رنبیر کی طرف متوجہ ہوا۔ "آپ کا وطن کہاں ہے؟"
رنبیر کی خاموشی پر اس کے ایک عمر رسیدہ ساتھی نے جواب دیا۔ "ہمارا و
قنوج ہے۔"

سپاہی بولا۔ "تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں قنوج بھی جانا پڑے گا۔"
ایک ترک نے جو باقی سپاہیوں کا افسر معلوم ہوتا تھا۔ ٹوٹی پھوٹی ہندی میں
کہا۔ "تمھیں قیدیوں سے مذاق کرنے کی اجازت نہیں۔"

سپاہی نے جواب دیا۔ "یہ مذاق نہیں، میں انتہائی سنجیدگی کے ساتھ اس
مسئلہ پر غور کر رہا ہوں۔ مجھے یقین ہے وہ جنگیں جو ہمارے ملک کی قسمت کا فی
کرنے والی ہیں، گنگا اور جمنا کی وادیوں میں لڑی جائیں گی۔ وہاں کے لوگ ہمار
نسبت زیادہ مظلوم ہیں۔ اگر سلطان محمود قدرت کی طرف سے مظلوم لوگوں کی پکا
جواب ہے تو وہ وہاں ضرور جائے گا۔"

اگر ایسی باتیں کوئی ترک، ایرانی یا افغانی کہتا تو رنبیر شاید اس قدر متاثر نہ
لیکن ایک ہندوستانی کے منہ سے یہ الفاظ رنبیر کے لیے ناقابلِ برداشت تھے۔ تاہم
انتہائی بے بسی کے احساس نے اُسے زبان ہلانے کی اجازت نہ دی۔ وہ اپنے دل
میں کہہ رہا تھا۔ "بھگوان کرے کہ ایسے نادان دوستوں کے مشورے محمود کے دل
میں گنگا اور جمنا کی وادیوں کی فتوحات کا شوق پیدا کر دیں اور دیوتاؤں کی مقدس

دھرتی پر پاؤں رکھتے ہی وہ یہ محسوس کرے کہ بھیڑوں کے شکار کا شوق اُسے شیروں
کے کچھار میں لے آیا ہے۔" تھوڑی دیر کے لیے وہ اپنے گرد و پیش کو فراموش کر کے
اس دن کا تصور کر رہا تھا جب گنگا یا جمنا کے کنارے وسطی ہندوستان کے راج پوت
حکمرانوں کی ان گنت افواج محمود کے مقابلے میں کھڑی ہوں گی اور ان کی اگلی صفوں
میں صرف ہاتھیوں کی تعداد اس قدر ہوگی کہ دشمن دہشت زدہ ہو کر بھاگ نکلے گا
اور یہ لوگ جو آج دشمن کی فتوحات سے مرعوب ہو کر اس کے ساتھ مل گئے ہیں اور
اپنے دیوتاؤں کا مذاق اڑانے سے بھی دریغ نہیں کرتے، محمود کی شکست یقینی سمجھ
کر جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی پھر ہمارے ساتھ آملیں گے۔

ہندی سپاہی کے خلاف رنبیر کا غم و غصہ نفرت اور حقارت میں تبدیل ہو
چکا تھا۔ نندنہ کا قلعہ فتح ہونے کے بعد تمام قیدی پڑاؤ سے وہاں منتقل کر دیے گئے۔
اور محمود کی فوج نے کشمیر کا رُخ کیا۔ رنبیر کو قید ہونے کے بعد چند دن تک محمود کی
فوج کے اس افسر کے متعلق جستجو رہی جو اپنی شکل و شباہت اور جرأت و ہمت
کے باعث اس کے دل پر نہ مٹنے والا نقش چھوڑ گیا تھا لیکن وہ اُسے دوبارہ نظر
نہ آیا۔

(۳)

رنبیر نے ایک قیدی کی حیثیت سے چار سال نندنہ کے قلعے میں گزار دیے اور
اس عرصے میں وہ ہندوستان کے مختلف حصوں اور ہندوستان سے دور شمال کے
ممالک میں محمود کی فتوحات کی خبریں سنتا رہا۔

قلعہ میں قیدیوں کی تعداد بہت کم ہو چکی تھی۔ بہت سے ایسے تھے جو مُسلمان
علماء کی تبلیغ کے باعث اسلام قبول کر کے آزادی حاصل کر چکے تھے۔ بعض ایسے
تھے جنھیں فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا تھا۔ جو عمر رسیدہ، مفلس یا نادار تھے اُنھیں کسی

معاوضہ یا شرط کے بغیر رہا کر دیا گیا تھا۔ قبولِ اسلام کے بعد آزاد ہونے والے قیدیوں کی اکثریت یہ سمجھ کر کہ ہندوستان میں صرف اسلام کی فتح ان کے مستقبل کی ضامن ہو سکتی ہے، محمود کی فوج میں شامل ہو چکی تھی۔

چوتھے سال نندنہ کے قلعے میں صرف ڈیڑھ سو ایسے قیدی باقی رہ گئے تھے جو ابھی تک اپنے مذہب پر قائم تھے اور جنھیں صاحب حیثیت ہونے کے باوجود فدیہ ادا کرنے کی شرط پر آزادی حاصل کرنا منظور نہ تھا۔

رنبیر کی طرح یہ لوگ اس دن کے منتظر تھے جب ہندوستان کے جنوب اور مشرق سے بیسیوں راجاؤں کی ان گنت افواج مسلمانوں کو روندتی ہوئی آگے بڑھیں گی اور وہ قلعے کے دروازے کھول کر "دھرم کی جے" کے نعرے لگاتے ہوئے اُن کے ساتھ جا ملیں گے اور پھر غزنی ہی نہیں بلکہ وسط ایشیا تک ان لوگوں کا تعاقب کیا جائے گا۔"

یہ قلعہ اب قید خانے کی بجائے غزنی کے لشکر کے لیے اگلی چوکی کا کام دے رہا تھا۔ فالتو گھوڑے اور ہاتھی یہاں رکھے جاتے تھے۔ جن زخمیوں کو زیادہ دیر آرام کی ضرورت ہوتی، وہ بھی اس قلعے میں بھیج دیے جاتے تھے۔ اگر کوئی ایسا راجہ یا با اثر سردار میدان جنگ میں قید ہو جاتا جسے کسی زیادہ محفوظ مقام پر رکھنے کی ضرورت محسوس کی جاتی تو اُسے اس قلعے میں بھیج دیا جاتا۔

محمود کی تازہ فتوحات کے متعلق رنبیر کے کانوں تک جو خبریں غیر ملکی یا ہندوستان کے نومسلم سپاہیوں کی وساطت سے پہنچتی تھیں وہ ان پر اعتماد کرنے کا عادی نہ تھا لیکن جب کوئی نیا قیدی ان اطلاعات کی تصدیق کرتا تو وہ کلیجہ مسوس کر رہ جاتا۔

قید سے چند ماہ بعد جب اس قلعے میں قیدیوں کی تعداد دو ہزار سے زیادہ تھی۔ رنبیر نے یہ خبر سنی کہ محمود نے ڈیرہ گوپی پور کے راجہ کو شکست دینے کے بعد تھانیسر کی

طرف پیش قدمی کی ہے۔ وہ اس خبر پر سراسیمہ ہونے کی بجائے خوش تھا۔ قیدیوں میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جس نے تھانیسر کے مندر میں چکر سوامی کے بت کی کرامات کے اَن گنت افسانے نہیں سنے تھے۔ وہ آپس میں یہ کہا کرتے تھے کہ محمود کو اس کی موت نے تھانیسر کی طرف بلایا ہے۔ مسلمانوں کی فوج چکر سوامی کے مندر کے قریب پہنچتے ہی تباہ ہو جائے گی۔ چنانچہ یہ خبر سنتے ہی بہت سے قیدی اس عالم دین کے گرد جمع ہو گئے جو اُنھیں ہر روز اسلام کی تبلیغ کیا کرتا تھا۔ ایک قیدی نے کہا "آپ کہتے تھے کہ ہمارے دیوتا مسلمانوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے لیکن آپ کے بادشاہ نے اب تک صرف ہمارے چھوٹے چھوٹے دیوتاؤں کی مورتیاں توڑی ہیں۔ اب وہ ایسی جگہ جا رہا ہے جہاں سے ہمارے دھرم کا کوئی دشمن زندہ بچ کر واپس نہیں آ سکتا اور اگر آپ کے خدا نے اُسے چکر سوامی کے غصّے سے بچا لیا تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔"

اسلام کے مبلغ نے مسکرا کر جواب دیا "تم چکر سوامی کے بت کو خدا کا شریک بناتے ہو لیکن چند دن تک تم پر یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ وہ صرف پتھر کا ٹکڑا ہے۔"

چند دنوں کے بعد تھانیسر کے راجہ کا ایک رشتہ دار جنگی قیدی کی حیثیت سے اس قلعہ میں لایا گیا اور اس نے یہ بتایا کہ مسلمان چکر سوامی کے بُت کو مندر سے اُٹھا کر لے گئے ہیں تاکہ غزنی کے چوراہوں پر اُس کی نمائش کی جائے تو بہت سے قیدیوں نے کلمہ توحید پڑھ لیا۔ لیکن رنبیر ان لوگوں میں سے تھا جو دیوتاؤں کی کرامت پر شبہ کرنے کی بجائے اُن کے پجاریوں کو بزدلی اور بے غیرتی کا طعنہ دیتے تھے۔

پھر وہ دن آئے جب محمود غزنوی کی افواج گنگا اور جمنا کی وادیوں میں گھوڑے دوڑا رہی تھیں اور رنبیر آئے دن اُن کی کامیابیوں کی تازہ خبریں سنتا اور اس کا یہ یقین متزلزل ہو رہا تھا کہ دیوتاؤں کی اس مقدس زمین کے پہریداروں کی ہمت و غیرت محمود غزنوی کی فتوحات کے سیلاب کا رُخ پھیر دے۔ اُسے توقع تھی کہ سرسوا کا

راجہ آخری دم تک لڑے گا لیکن وہ میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اُسے بارن کے راجہ
سے امید تھی کہ وہ دیوتاؤں کا نام بلند کرے گا لیکن اس نے اپنے ایک لاکھ رفقاء کے
ساتھ کلمۂ توحید پڑھ لیا۔

پھر جب مہابن کا حکمران کل چند محمود غزنوی کے مقابلہ پر آیا تو رنبیر نے اپنی ا
اس کے ساتھ وابستہ کرلیں لیکن چند دن کے بعد یہ خبر آئی کہ کل چند نے چاروں طرف
سے محصور ہونے کے بعد خودکشی کر لی ہے۔

مہابن کی فتح کے بعد محمود غزنوی متھرا کی طرف بڑھا۔ چند دن کے بعد رنبیر
نے سنا کہ متھرا نے اپنے سوئے ہوئے دیوتاؤں کو جگانے کی ناکام کوشش کے بعد
ہتھیار ڈال دیے ہیں اور مختلف مندروں سے پانچ سو سونے کی اور دو سو چاندی کی
مورتیاں جو صدیوں سے اپنی تقدیس کا خراج وصول کر رہی تھیں اُن لوگوں کے
قبضے میں آگئی ہیں، جو صرف اُن کے وزن سے اُن کی قیمت کا اندازہ کر سکتے ہیں
اور پھر اُس خطۂ زمین کی باری آئی جس کا ہر ذرّہ رنبیر کو اپنی جان سے زیادہ
عزیز تھا۔ چار سال قبل وہ اپنے ساتھیوں سے کہا کرتا تھا کہ جو قنوج جائے گا وہ
واپس نہیں آسکتا۔ قنوج کے راجپوت پنجاب کے راجپوتوں سے مختلف ہیں، وہ
دشمن کا راستہ روکنے کے لیے اپنی لاشوں کی دیواریں کھڑی کر دیں گے۔ وہ اپنے دیار
کو چھوڑ کر نہیں بھاگیں گے۔ بلکہ ان کے قدموں میں اپنی جانیں دے دیں گے لیکن
اب اس کے احساسات مختلف تھے۔ گزشتہ چار سال کے واقعات کے پیش نظر وہ
انتہائی اضطراب اور بے چینی کے بغیر قنوج کے متعلق نہیں سوچ سکتا تھا۔ وہ
صبح و شام دُعا مانگا کرتا تھا "میرے وطن کے مقدس دیوتاؤ! میری قوم کی

؎ موجودہ بلند شہر

رکھشا کرو۔" اور جب اس نے سُنا کہ قنوج فتح ہو چکا ہے اور راجہ میدان چھوڑ کر
باری کی طرف بھاگ گیا ہے تو دنیا اس کی نگاہوں میں تاریک ہو گئی۔ شام کے وقت
جب قلعے کے پہرے دار قنوج کی فتح کی خبر سن کر مسرت کے نعرے بلند کر رہے
تھے وہ ایک کونے میں بیٹھا اس کمسن بچے کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا جس
کے تمام کھلونے ٹوٹ چکے ہوں۔

اس کے بعد اس نے یکے بعد دیگرے آسی کے راجہ چندر پال اور سروا کے
راجہ چندر رائے کی شکستوں کی خبریں سنیں لیکن اب اُسے ان خبروں کے ساتھ
کوئی دلچسپی نہ تھی۔ قنوج کی شکست کے بعد کسی کی ہار جیت اس کے لیے بے معنی
تھی۔ اب اس کی تمام دلچسپیاں اپنے بوڑھے باپ اور کمسن بہن کی یاد تک محدود
ہو کر رہ گئیں تھیں۔ "وہ کہاں ہیں؟ وہ کس حال میں ہیں؟ قنوج کی فتح کے بعد
اُن پر کیا گزری ہو گی؟" وہ صرف ان سوالات کے جواب جاننا چاہتا تھا۔

(۴)

قرب وجوار کے بعض ہندو اور نومسلم قیدیوں کے حالات دریافت کرنے
قلعے میں آیا کرتے تھے۔ قیدیوں کو ان لوگوں کی وساطت سے اپنے عزیز و اقارب
کو پیغام بھیجنے کی اجازت تھی۔ کئی قیدیوں کے رشتہ دار ان کے متعلق اطلاع
پا کر آتے اور اُن کا فدیہ ادا کر کے اُنھیں آزاد کرا لیتے۔ چھ ماہ قبل رنبیر کے پانچ
ساتھیوں کے رشتہ دار فدیہ ادا کر کے اُنھیں رہا کرا چکے تھے۔ تین مسلمان ہو جانے
کے باعث رہا ہو چکے تھے اور چار کو اس لیے چھوڑ دیا گیا تھا کہ ان کا فدیہ ادا کرنے
والا کوئی نہ تھا۔

رنبیر کے لیے فدیہ ادا کرنا معمولی بات تھی لیکن وہ ایک شکست خوردہ سپاہی

کی حیثیت سے گھر لوٹنا ایک راجپوت کی غیرت کے منافی سمجھتا تھا۔ اس نے اس
امید پر قید کو ترجیح دی کہ کسی دن اس کے وطن کے سپاہی دشمن کا تعاقب کرتے ہوئے
یہاں تک پہنچ جائیں گے۔ اپنے باپ کے نام اس نے اپنے رہا ہونے والے ساتھیوں
کو صرف یہ پیغام دیا تھا کہ میرا فدیہ ادا کرنے کی بجائے یہ بہتر ہوگا کہ آپ اپنی دولت
سے قنوج کی فوج میں چند سپاہیوں کا اضافہ کر دیں۔

لیکن اپنے راجہ کے فرار ہونے کی خبر سن کر اس کی دنیا بدل چکی تھی۔ اب وہ محسوس
کر رہا تھا کہ اس کے تصورات کے پہاڑ تنکوں کے ڈھیر کے سوا کچھ نہ تھے۔ اس کا پیغام
سن کر اس کا باپ یقیناً خوش ہوا ہوگا اور اس نے اسی وقت راجہ کے پاس جا کر
کہا ہوگا "مہاراج! اپنے بیٹے کی خواہش پر آپ کی فوج کے لیے اتنے ہاتھی، اتنے
گھوڑے اور اتنی تلواریں پیش کرتا ہوں۔ میرا بیٹا فدیہ دے کر یہاں آنے کی بجائے
نندنہ کے قلعے کے دروازے پر آپ کا استقبال کرنا چاہتا ہے۔" لیکن اب شاید
میری طرح اس کی دنیا بھی بدل چکی ہوگی۔ وہ اپنے دل میں بار بار یہی کہتا ہوگا۔
"مجھے قنوج یا اس کے حکمران سے کوئی واسطہ نہیں۔ مجھے اس بات سے کوئی سروکار
نہیں کہ دیوتاؤں کی مورتیوں کا مقام قنوج کے مندر ہیں یا غزنی کے بازاروں کے
چوراہے۔ مجھے صرف اپنا بیٹا چاہیے۔"

کبھی کبھی دیوتاؤں کی طاقت و عظمت کے متعلق رنبیر کے دل میں شکوک پیدا
ہونے لگتے لیکن اس کا ضمیر فوراً پکار اٹھتا۔ "نہیں رنبیر، تمہیں دیوتاؤں کے متعلق
ایسی باتیں نہیں سوچنی چاہئیں۔ وہ صرف اپنے پجاریوں کا امتحان لے رہے ہیں۔
وہ ضرور بیدار ہوں گے اور دھرم کی رکھشا کریں گے۔ محمود نے صرف ہندوستان
کے راجوں اور مہاراجوں کو شکست نہیں دی بلکہ ان دیوتاؤں کو للکارا ہے جو زمین
پر بھگوان کی مرضی پوری کرتے ہیں اور بھگوان کی مرضی یہ نہیں ہو سکتی کہ اس کے

دیوتاؤں کی مورتیوں کی تضحیک کرنے والے اس پوتر دھرتی پر دیر تک من مانی کرتے
رہیں۔ اس زمین سے کسی دن یقیناً وہ عظیم الشان قوت نمودار ہوگی جو ان دیوتاؤں
کی مورتیوں کے ساتھ کھیلنے والے گستاخ ہاتھوں سے تلوار چھین لے گی اور تمہیں
اس دن کا انتظار کرنا چاہیے۔" اس قسم کے خیالات سے رنبیر کے دل کو قدرے تسکین
ہو جاتی اور وہ انتہائی عجز و انکسار سے دعا کرتا۔ "میرے بھگوان اور میرے بھگوان کے
دیوتاؤ! مجھے ہمت دو کہ میں انتہائی مصیبت میں بھی اپنے دھرم پر قائم رہ سکوں۔
میرے ڈگمگاتے ہوئے یقین کو سہارا دو۔"

لیکن ایسی دعاؤں کے بعد اس کے دل کی تسکین کے لمحات بہت مختصر ہوتے۔
گنگا اور جمنا کے میدانوں میں محمود غزنوی کی فتوحات کے بعد رنبیر کی حالت اس
شخص کی سی تھی جو طوفان میں کھڑا ہو کر چراغ روشن کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔
وہ قیدی جنہوں نے چار سال تک انتہائی صبر و استقلال کا مظاہرہ کیا تھا۔ ان
فتوحات کے بعد دیوتاؤں سے بددل ہو چکے تھے۔ چوبیس قیدیوں نے متھرا کی
تسخیر کی خبر سنتے ہی کلمۂ توحید پڑھ لیا تھا۔ باقی قیدیوں میں سے بھی اکثر ایسے تھے
جو اسلام کی تبلیغ پہلے کی نسبت زیادہ توجہ سے سنا کرتے تھے۔

حال کی بے بسی اور مستقبل کے متعلق بڑھتی ہوئی مایوسی آہستہ آہستہ رنبیر
کی صحت پر اثر انداز ہونے لگی۔ اس کے ساتھ ہی اسے موسمی بخار لے آیا
اور وہ کئی دن تک بستر پر پڑا رہا۔

(۵)

ایک دن رنبیر بخار میں اپنے بستر پر لیٹا ہوا تھا اور قلعے کا طبیب جس کی
دوائی پینے سے اس نے انکار کر دیا تھا، اس کے بستر کے گرد جمع ہونے والے

قیدیوں سے کہہ رہا تھا "تم اس نوجوان کو سمجھاؤ۔ کل سے اس نے میری کوئی دوا نہیں پی۔ پہریداروں نے مجھے بتایا ہے کہ اس نے کھانے کو بھی ہاتھ نہیں لگایا۔ آج قید خانے کے ناظم شاید خود اُسے دیکھنے آئیں۔ تم سب میرے گواہ ہو کہ میں اپنی طرف سے اس کی جان بچانے کے لیے تمام جتن کر چکا ہوں۔"

ایک قیدی نے آگے بڑھ کر طبیب کے ہاتھ سے دوا کی پیالی پکڑتے ہوئے کہا "آپ فکر نہ کریں ہم انھیں سمجھالیں گے۔" پھر وہ رنبیر کی طرف متوجہ ہوا "لیجیے مہاراج! آپ کا اس میں فائدہ ہے۔"

رنبیر چلایا "بھگوان کے لیے مجھے تنگ نہ کرو۔ مجھے کسی کی ہمدردی کی ضرورت نہیں۔"

دوسرے قیدی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اُٹھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "رنبیر! ہم آپ کے دشمن نہیں۔ بیماری کی حالت میں انسان اپنا نفع نقصان نہیں سوچ سکتا۔ اُٹھیے! دوا پینے سے انکار نہ کیجیے۔"

رنبیر نے غضب ناک ہو کر اس کا ہاتھ جھٹک دیا اور پہلے کی نسبت زیادہ بلند آواز میں چلا کر کہا "مجھے یہاں کسی کی دوستی کی ضرورت نہیں۔ مجھے مرنے دو۔ بھگوان کے لیے مجھے مرنے دو۔ موت میرے لیے اس زندگی سے زیادہ تکلیف دہ نہیں ہو سکتی۔"

اچانک کمرے کے دروازے کی طرف سے کسی کی آواز سنائی دی "یہ الفاظ ایک سپاہی کے نہیں ہو سکتے۔" وہ لوگ جن کی نگاہیں رنبیر پر مرکوز تھیں، اچانک مُڑ کر ایک بلند قامت اور بارعب آدمی کی طرف دیکھنے لگے جو دروازے کے پاس قلعے کے ناظم کے ساتھ کھڑا تھا۔ قیدی ایک طرف ہٹ گئے۔ اجنبی نے رنبیر کے بستر کے قریب آکر کہا "سپاہی مسکراتے ہوئے موت کے آغوش میں چلے

جاتے ہیں لیکن مایوس ہو کر اس کے آگے ہتھیار نہیں ڈالتے۔"

رنبیر نے اجنبی کی طرف دیکھا اور اضطراری حالت میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کے دل میں نفرت اور حقارت کے اُبلتے ہوئے جذبات تحیر میں تبدیل ہو کر رہ گئے۔ یہ وہی تھا جس نے اُسے چند سال قبل موت کے منہ سے چھین کر اس قلعے میں بھیجا تھا۔ یہ وہی تھا جس سے ایک ٹیلے پر مختصر سی ملاقات اس کے ذہن میں ایک دائمی جستجو چھوڑ گئی تھی۔

"یہ دوا نہیں پیتا۔" طبیب نے پہلے اس اجنبی اور پھر قلعے کے ناظم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "میں بہت کوشش کر چکا ہوں۔"

"لاؤ مجھے دو۔" یہ کہتے ہوئے اجنبی نے دوا کی پیالی قیدی کے ہاتھ سے پکڑ لی اور رنبیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "میرا خیال ہے کہ میں ایک بار تم سے پہلے بھی مل چکا ہوں۔ یہ لو۔"

رنبیر اس کے الفاظ سے زیادہ اس کی نگاہوں سے متاثر ہو رہا تھا۔ تاہم اس نے دوا کی طرف کوئی نہ دی۔

"دیکھو جب تک تم دوا نہ پیو گے میں یہی کھڑا رہوں گا۔" یہ کہتے ہوئے اجنبی نے دوا کی پیالی رنبیر کے منہ سے لگا دی۔ رنبیر نے اس کے ہاتھ سے پیالی پکڑ لی اور اس کے جی میں آئی کہ اُسے دیوار سے دے مارے لیکن اس کی ہمت جواب دے گئی۔ ایک ثانیہ توقف کے بعد اس نے اچانک دوا کے چند گھونٹ اپنے حلق سے نیچے اتار لیے۔

اجنبی نے مسکراتے ہوئے طبیب کی طرف دیکھا اور کہا "میرا خیال ہے کہ آپ کی دوا بہت کڑوی تھی۔ میں خود بھی کڑوی دوا پینے سے بہت گھبراتا ہوں۔"

قلعہ کے ناظم نے کہا "چلیے آپ کو ابھی بہت کچھ دیکھنا ہے۔"

اجنبی ناظم کے ساتھ کمرے سے باہر گیا تو طبیب نے رنبیر سے کہا "میں... کو پھر آؤں گا۔ آپ تھوڑی دیر بعد دودھ پی لیں تو بہتر ہوگا۔"

"ٹھہریئے!" رنبیر نے کہا "میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"پوچھیے!"

"یہ کون تھا؟"

"یہ سلطانِ معظم کی فوج کے ایک بڑے افسر ہیں۔ قلعہ کے ناظم کچھ عرصہ رخصت پر جا رہے ہیں اور یہ ان کی جگہ کام کریں گے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہ... کے لیے خاص اختیارات لے کر آئے ہیں۔"

"لیکن اُن کی زبان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسی ملک کے باشندے ہیں۔"

"ہاں یہ نو مسلم ہیں۔ میں نے یہ سنا ہے کہ یہ آپ کے ملک کے کسی راج... قریبی رشتہ دار ہیں۔"

(۶)

پندرہ دن بعد رنبیر اُٹھ کر چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا۔ اس عرصہ میں نیا ناظم کئی بار اُسے دیکھنے کے لیے آ چکا تھا۔ قیدیوں کو قلعے کے ایک مخصوص... کے سوا جہاں اسلحہ خانہ اور چند فوجی افسروں کے رہائشی کمرے تھے۔ ہر... گھومنے پھرنے کی آزادی تھی۔ ایک دن رنبیر علی الصباح اپنے کمرے سے... صحن میں ٹہل رہا تھا کہ اُسے قلعے کا نیا ناظم جو ہر صبح قلعہ سے باہر چند میل... پرگشت کرنے کا عادی تھا، چار سواروں کے ہمراہ اپنی طرف آتا ہوا دکھائی... رنبیر کے قریب پہنچ کر ناظم نے اپنا گھوڑا روکا اور کہا "صبح کی سیر سے آپ کی... پر بہت اچھا اثر پڑے گا۔"

رنبیر نے قدرے روکھے پن سے جواب دیا "مجھے اپنی صحت سے کوئی دلچسپی نہیں، کمرے میں میرا دم گھٹتا تھا، اس لیے باہر نکل آیا۔"

"تو میرے خیال میں آپ کے لیے باہر کی فضا زیادہ خوشگوار ہوگی۔" یہ کہہ کر ناظم ایک سپاہی کی طرف متوجہ ہوا "تم اپنا گھوڑا انھیں دے دو، یہ ہمارے ساتھ جائیں گے۔"

سپاہی نے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اپنے گھوڑے کی لگام رنبیر کے ہاتھ میں دینے کی کوشش لیکن اس نے ناظم کی طرف متوجہ ہو کر کہا "آپ کا شکریہ لیکن اس وقت سواری کو جی نہیں چاہتا۔"

"آپ کی مرضی۔ لیکن اگر آپ کے دل میں کبھی اس کی خواہش پیدا ہو تو مجھے ضرور بتائیں۔" ناظم نے یہ کہہ کر اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اس کے ساتھی اس کے پیچھے ہو لیے۔

اگلے دن ایک پہرے دار نے رنبیر کو اطلاع دی کہ ناظم قلعہ آپ کو بلاتے ہیں۔ رنبیر اُٹھ کر اس کے ساتھ چل دیا۔

ناظم اپنے دفتر کے سامنے ایک باغیچے میں ٹہل رہا تھا۔ رنبیر اس کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔ ناظم نے ایک درخت کے نیچے پڑی ہوئی کرسیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے [illegible] یہاں بیٹھ جائیے۔ میں آپ سے چند باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ آج کمرے میں بہت حبس ہے۔"

رنبیر قدرے تذبذب کے بعد ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ ناظم نے دوسری کرسی پر اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا "آپ نندنہ کی جنگ میں قنوج کے دستوں کے سردار کی حیثیت سے شریک ہوئے تھے؟"

"ہاں!"

”اور آپ کے بہت سے ساتھی رہا ہو کر جا چکے ہیں؟“

”ہاں!“

”میں پوچھ سکتا ہوں کہ رہا ہونے کے لیے آپ کے نزدیک کون سی شرط ناقابلِ قبول تھی؟“

رنبیر نے جواب دیا ”میں نے اپنے دشمنوں کی شرائط پہ غور کرنے کی کبھی ضرورت محسوس نہیں کی۔“

ناظم مسکرایا اور قدرے توقف کے بعد بولا۔ ”میں جانتا ہوں کہ آپ نے یہاں چار سال اس امید پر گزار دیے ہیں کہ کسی دن ہندوستان کے راجے اپنی قوت کے بل بوتے پر آپ کو یہاں سے چھڑا کر لے جائیں گے۔“

رنبیر نے کہا۔ ”اور آپ مجھے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اب مجھے قطعی مایوس ہو کر آپ سے آزادی کی بھیک مانگنی چاہیے۔“

ناظم نے اطمینان سے جواب دیا۔ ”میں آپ کو اس وقت صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آپ کی جنگ کی طرح آپ کی قید بھی بے مقصد ہے اور جس جرأت پر آپ کو ناز ہے میں اُسے ہٹ دھرمی سمجھتا ہوں۔ آپ تصورات کے قلعوں میں بیٹھ کر اس قوت کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔ جسے قدرت نے ایک عظیم مقصد کے لیے منتخب کیا ہے۔“

رنبیر نے کہا۔ ”اگر مندروں پر حملے کر کے دیوتاؤں کی مورتیاں توڑنا آپ کے نزدیک ایک عظیم مقصد ہے تو آپ یقیناً اپنی کارگزاری پر فخر کر سکتے ہیں۔“

ناظم نے جواب دیا۔ ”جن بتوں کو انسانوں کے ہاتھوں نے تراشا ہے، وہ انسانوں کے ہاتھوں ہی سے ٹوٹیں گے۔ کاش! آپ کو یہ علم ہوتا کہ برہمن کے ہاتھ میں ایک تراشا ہوا پتھر انسانیت کا کس قدر خطرناک دشمن بن جاتا ہے۔ آپ راجپوت

ہیں اور ان بتوں سے آپ کی محبت کی وجہ سمجھ میں آ سکتی ہے۔ انھوں نے آپ کو اَن گنت انسانوں پر برتری عطا کی ہے۔ آپ نے ان کے بل بوتے پر صدیوں سے اَن گنت انسانوں کو ان کے پیدائشی حقوق سے محروم رکھا ہے۔ یہ بت ایک انسان کو برہمن اور کھشتری کی تقدیس عطا کرتے ہیں اور دوسرے انسان کو اچھوت اور شودر ہونے کی ذلّت پر قانع رہنے کے لیے مجبور کرتے ہیں۔ اس ملک میں ان بتوں کی شکست انسانیت کی فتح ہے۔ کاش ان بتوں کے مندروں کی حفاظت کے لیے تلوار بلند کرنے سے پہلے آپ نے کسی اچھوت سے یہ پوچھا ہوتا کہ تمھاری سوکھی ہوئی ہڈیوں پر راجوں کے محلات کا بوجھ زیادہ ہے یا ان مندروں کا؟ یا ایک ویش ہی سے یہ پوچھ لیا ہوتا کہ تمھاری کمائی میں سب سے بڑا حصّہ دار کون ہے؟ تلوار کی نوک سے لگان وصول کرنے والے کھشتری یا اپنے بتوں کے لیے خراج وصول کرنے والا برہمن“

رنبیر نے انتہائی ضبط سے کام لیتے ہوئے کہا۔ ”اگر میں غلطی پر نہیں تو کسی وقت آپ بھی راجپوت تھے۔ اگر دشمن کے مقابلے میں آپ کی ہمت جواب نہ دے جاتی تو شاید دیوتاؤں کے متعلق آپ کے خیالات میں یہ تبدیلی نہ آتی۔“

”ہاں! میں راجپوت تھا لیکن حالات نے میری گردن کو انسانیت کی تعظیم کے لیے [illegible]کا دیا ہے۔“

”آپ کا مطلب ہے کہ آپ مسلمانوں کے سامنے ہتھیار ڈالنے کے بعد اچھوتوں کے طرفدار بن گئے ہیں۔“

”نہیں، میں انسانوں کے شکاریوں کے گروہ سے نکل کر انسانیت کے علمبرداروں کی صف میں شامل ہو گیا ہوں۔“

”تو آپ محمود غزنوی اور اس کے سپاہیوں کو انسانیت کا علمبردار سمجھتے ہیں؟“

"ہاں! مجھے یقین ہے کہ ان لوگوں کی فتوحات کے بعد اس دین کی تبلیغ واشاعت
کی راہیں ہموار ہو جائیں گی۔ جس کا مقصد انسانوں میں اونچ نیچ کی تفریق مٹانا ہے
جو ظالم کے ہاتھ سے تلوار چھینتا اور مظلوم کو سہارا دے کر اٹھاتا ہے۔ ایسے دین کا
مخالف ان لوگوں سے زیادہ نہیں ہو سکتا جنھوں نے اپنے تمدن کی بنیاد چھوت اور
اچھوت کی تفریق پر رکھی ہے اور جو اپنے قلعوں اور مندروں میں بیٹھ کر انسانوں پر حکومت
کرتے ہیں۔ ان مندروں اور قلعوں کا طلسم توڑے بغیر ایسے دین کی تبلیغ کا راستہ صاف
نہیں کیا جا سکتا جو برہمن اور شودر کو ایک ہی سطح پر کھڑا کرنا چاہتا ہے۔ میں جانتا
ہوں کہ اس وقت میری باتیں آپ کے کانوں کو خوشگوار محسوس نہیں ہوں گی لیکن
جس دن آپ ایک اونچی ذات کے فرد کی بجائے ایک عام انسان کی حیثیت سے
سوچیں گے تو آپ یہ محسوس کریں گے کہ محمود کی آمد ان گنت انسانوں کی پکار کا جواب
ہے۔"

رنبیر نے کہا "ایک انسان کی حیثیت میں، میں صرف یہ سوچ سکتا ہوں کہ میں
ان لوگوں کی قید میں ہوں جو آپ کی نگاہ میں انسانیت کا بہترین نمونہ ہیں۔"

"میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ محمود غزنوی کا ہر سپاہی انسانیت کا بہترین نمونہ ہے
لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ جس ضابطہ اخلاق کی صداقت پر یہ لوگ مجموعی حیثیت سے
ایمان رکھتے ہیں، اس پر دیانتداری سے عمل کرنے والا ہر شخص انسانیت کا بہترین
نمونہ بن سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ ایک قیدی کی حیثیت سے آپ کے دل میں اس قلعے
کے کسی پہریدار کی بدسلوکی کے خلاف شکایت پیدا ہوئی ہو لیکن آپ کو یہ بھی سوچنا
چاہیے کہ اس ملک کے کروڑوں انسان صدیوں پیشتر ہندو سماج کی تلوار سے مغلوب
ہونے کے بعد ہمیشہ کے لیے شودر بن چکے ہیں اور برہمن آج بھی ان دیوتاؤں پر ایمان
رکھتا ہے جو شودروں کا بلی دان دے کر خوش ہوتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ایک بدترین

ذہنیت کے مسلمان نے بھی کسی جنگی قیدی سے وہ سلوک نہیں کیا ہوگا جو آپ شودروں
کے ساتھ روا رکھتے ہیں۔ آپ کے لیے قید کے ایام یقیناً تلخ ہیں مگر میں آپ کو یہ یقین
دلا سکتا ہوں کہ آپ بہت جلد آزاد ہو جائیں گے۔ آپ کی آنکھوں کے سامنے ہزاروں
قیدی آزاد ہو چکے ہیں لیکن ان اچھوتوں کی زندگی کی تلخیوں کا تصور کیجیے جو ذلت
کی گود میں آنکھیں کھولتے ہیں اور ذلت کی گود میں مرجاتے ہیں۔ میں آپ سے صرف
ایک سوال پوچھتا ہوں، فرض کیجیے اگر جے پال یا انند پال کی افواج غزنی تک پہنچ
جاتیں اور مسلمان مغلوب ہو جاتے تو آپ لوگ جنگی قیدی تو درکنار عام مسلمانوں
کے ساتھ کیا سلوک کرتے؟ کیا یہ سلوک اس سلوک سے مختلف ہوتا جو برہمن سماج
نے کول، دراوڑ اور بھیل اقوام کے ساتھ کیا ہے؟ کیا جن مورتیوں کے سامنے اچھوتوں
کا بلی دان دیا جاتا ہے وہ غزنی میں نصب نہ کی جاتیں؟ کیا غزنی پر جے پال کی چڑھائی
کے وقت اس ملک کے برہمنوں نے یہ اعلان نہیں کیا تھا کہ مسلمان ملیچھ ہیں اور
انھیں اچھوتوں کی طرح مغلوب کرنا دھرم کی سیوا ہے؟"

رنبیر نے لاجواب سا ہو کر کہا "آخر آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟"

ناظم نے قدرے بے تکلف سا ہو کر کہا "تمھیں پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ میں
تمھیں کوئی ایسی بات تسلیم کرنے کے لیے نہیں کہوں گا جس کی صداقت کے متعلق تمھارا
اپنا ضمیر گواہی نہ دے۔ تمھارے ساتھ میری پہلی ملاقات بہت مختصر تھی۔ میں اسی
رات ان دستوں سے جا ملا تھا جو بھیم پال کی رہی سہی فوج کو کشمیر میں ترلوچن پال
کی فوج کے ساتھ شامل ہونے سے روکنا چاہتے تھے۔ اس کے بعد مجھے اس طرف
آنے کا موقع نہ ملا۔ لیکن میں تمھیں ہمیشہ یاد کرتا رہا۔ مجھے تمھاری جرأت و ہمت کا
اعتراف تھا اور میں اکثر یہ سوچا کرتا تھا کہ اگر میرے پاس وقت ہوتا تو میں تمھیں
یقیناً ایک اعلیٰ و ارفع مقصد کے لیے جدوجہد کرنے پر آمادہ کر لیتا اور اب بھی

مجھے یقین ہے کہ کسی دن میرا اور تمہارا راستہ ایک ہوگا لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ شاید مجھے تمہارے ساتھ اطمینان سے باتیں کرنے کے مواقع بہت کم ملیں۔ کل ہی مجھے اطلاع ملی ہے کہ کالنجر کا راجہ ترلوچن پال کو اس کی کھوئی ہوئی سلطنت واپس دلانے کا وعدہ کر کے گوالیار اور دوسری ہمسایہ سلطنتوں کی مدد سے ہمارے خلاف ایک متحدہ محاذ بنانے میں مصروف ہے۔ مجھے یہ بھی اطلاع ملی ہے کہ یہ حکمران قنوج کے راجہ کو ہماری گذشتہ پیش قدمی کے وقت بھاگ نکلنے پر بزدلی کا طعنہ دے کر بدنام کر رہے ہیں اور اس کے اُمراء کو اس کے خلاف مشتعل کر رہے ہیں۔ ان حالات میں سلطان شاید پیش قدمی کرنے میں تاخیر نہ کرے اور مجھے بھی اچانک یہاں سے جانا پڑے لیکن میں جانے سے پہلے تمہارے متعلق کوئی فیصلہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اگر میں تمہارے متعلق اس بات کی ضمانت دے سکوں کہ تم آزاد ہونے کے بعد سلطان کے خلاف کسی جنگ میں حصہ نہیں لوگے تو مجھے یقین ہے کہ تمہاری رہائی کے بارے میں میری یہ درخواست مان لی جائے گی۔"

"میرے وعدے پر آپ کو یقین آجائے گا؟"

"ہاں!"

"اور اگر میں ایسا وعدہ نہ کروں تو؟"

"اس صورت میں تمہیں کالنجر کے راجہ اور اس کے حامیوں کے خلاف ہماری مہم کے اختتام تک یہیں رہنا پڑے گا۔ اس مہم کے خاتمے پر گنگا اور جمنا کے میدانوں میں کوئی حکمران ہمارے خلاف سر اُٹھانے کے قابل نہیں رہے گا اور مجھے اُمید ہے کہ پھر تمام جنگی قیدیوں کو بے ضرر سمجھ کر رہا کر دیا جائے گا۔ تمہارے متعلق میں اپنی روانگی سے پہلے ہی یہ حکم تحریر کر جاؤں گا کہ تمہیں اس مہم کی کامیابی کے فوراً بعد رہا کر دیا جائے لیکن جب تک میں یہاں ہوں میری یہ خواہش ہے کہ تم مجھ سے ملتے

رہو۔ ممکن ہے کہ جس صداقت نے مجھے قائل کیا ہے وہ تمہارے اندر بھی ایک انقلاب پیدا کر دے اور تم ایک شکست خوردہ سپاہی کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک نئی زندگی کے مشعل بردار بن کر اپنے وطن واپس جاؤ۔ تم جس وقت چاہو میرے پاس آ سکتے ہو۔ میری قیام گاہ کے دروازے ہر وقت تمہارے لیے کھلے ہیں۔"

رنبیر نندنہ کی جنگ میں شریک ہونے سے پہلے کئی برہمنوں سے یہ سُن چکا تھا کہ محمود کی فوج کے ساتھ ایسے جادوگر بھی ہیں جن کی باتیں مفتوحہ علاقوں کے ہندوؤں کو ان کے مذہب سے بدظن کر دیتی ہیں۔ چنانچہ قید ہونے کے بعد وہ اپنے دل میں یہ عہد کر چکا تھا کہ وہ اسلام کی تبلیغ کرنے والوں کی باتوں سے متاثر نہیں ہوگا۔ چنانچہ جب بھی اسلام کا کوئی مبلغ قیدیوں کے پاس آتا تو وہ اس کے وعظ پر توجہ دینے کی بجائے دل ہی دل میں دیوتاؤں کے بھجن گانے لگتا لیکن آج ناظم کی گفتگو کے دوران میں ان دیوتاؤں کا تصور بھی اُسے کوئی سہارا نہ دے سکا۔ ملاقات کے بعد جب وہ اپنے کمرے کا رُخ کر رہا تھا تو ناظم کی گفتگو کے کئی فقرے اس کے کانوں میں گونج رہے تھے اور وہ اپنے ڈگمگاتے ہوئے یقین کو سہارا دینے کی کوشش کر رہا تھا۔

باقی تمام دن وہ ایک ذہنی کرب میں مبتلا رہا اور رات کا بیشتر حصہ بھی وہ اپنے بستر پر لیٹ کر سوچتا رہا۔ ناظم کے یہ الفاظ کہ تمہاری جنگ کی طرح تمہاری قید بھی بے مقصد ہے۔ ایک نشتر کی طرح اس کے دل میں اتر چکے تھے اور وہ یہ خطرہ محسوس کر رہا تھا کہ اگر اس نے غیر معمولی عزم و ثبات کا مظاہرہ نہ کیا تو ایسی چند اور ملاقاتوں کے بعد اس کے یقین کے قلعے مسمار ہو جائیں گے۔ دیر تک بے چینی اور بیقراری سے کروٹیں بدلنے کے بعد اس کا آخری فیصلہ یہ تھا کہ میں دوبارہ اس کے پاس نہیں جاؤں گا اور اگر اس نے مجھے بلانے کی کوشش کی تو میں صاف طور پر کہہ دوں گا کہ

تم میرا وقت ضائع کر رہے ہو۔ دنیا کی کوئی طاقت مجھے اپنے اسلاف کا دھرم چھوڑ
پر آمادہ نہیں کر سکتی۔

لیکن اگلے روز رنبیر کے خیالات کچھ اور تھے۔ اس نے کچھ دیر قیدیوں کے سا
دل بہلانے کی کوشش کی لیکن اُسے سکون نہ حاصل ہو سکا۔ اس کا ضمیر بار بار
کہہ رہا تھا کہ یہ بزدلی ہے۔ تمھیں اس پر یہ ثابت کرنا چاہیے کہ تمھارا دل ایک چٹان
طرح مضبوط ہے اور کسی کے الفاظ کا جادو تمھارے عقیدے پر اثر انداز نہیں ہو
اگر آج وہ بلائے تو تمھیں ضرور جانا چاہیے۔ وہ بہرحال ایک راجپوت ہے۔ اس کا
اس کی عالی ظرفی کی شہادت دیتا ہے۔ ممکن ہے کہ تم کوئی ایسی بات کہہ سکو جس
سے اس کی غیرت جوش میں آجائے اور تم توہین آمیز شرائط کے بغیر رہا کر دیے جاؤ
جب دوپہر تک اُسے کوئی بلانے کے لیے نہ آیا تو وہ مزید انتظار کیے بغیر نا
کی قیام گاہ کی طرف چل دیا۔ اُس کے دل کی گہرائیوں سے ایک اور آواز اٹھ رہی تھ
"رنبیر! تم اپنے آپ کو دھوکا دینے کی کوشش نہ کرو۔ تم اپنی جرأت کا ثبوت دی
کے لیے نہیں بلکہ اپنی بے بسی کا مظاہرہ کرنے جا رہے ہو۔ تم اُسے ایک جاد
نہیں بلکہ اپنا مونس و غمخوار سمجھتے ہو۔"

جب وہ ناظم کے دفتر میں داخل ہوا تو وہ کاتب سے کوئی مراسلہ لکھوا رہا
تھا۔ رنبیر کی طرف دیکھتے ہی اس نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا
"بیٹھیے میں ابھی فارغ ہوتا ہوں۔"

چند فقرے لکھوانے کے بعد اس نے کاتب کو رخصت کیا اور رنبیر کی طرف
متوجہ ہو کر کہا "اچھا ہوا کہ تم آگئے۔ ورنہ میں تھوڑی دیر بعد خود تمھیں بلانے وا
تھا۔"

رنبیر اس کے سامنے بیٹھ کر دل ہی دل میں اپنے آپ کو کوس رہا تھا کہ میں نے

تھوڑی دیر اور انتظار کیوں نہ کیا۔

ناظم نے قدرے توقف کے بعد کہا "کل تمھارے جانے کے بعد میرے دل
میں خیال آیا تھا کہ چند واقعات سے اگر میرے خیالات میں انقلاب نہ آگیا ہوتا
تو عین ممکن تھا کہ میں بھی تمھاری طرح اپنے راجہ یا اپنے دیوتاؤں کا بول بالا کرنے کے
لیے نندنہ کی جنگ میں شریک ہوتا اور پھر اسی قلعہ میں ایک قیدی کی حیثیت میں
تم سے متعارف ہوتا۔ اس صورت میں ہم دونوں ایک دوسرے سے جو باتیں کرتے
وہ یقیناً اُن باتوں سے مختلف ہوتیں جو کل میرے اور تمھارے درمیان ہوئی تھیں۔
ہم ایک دوسرے سے یقیناً یہ پوچھتے کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ تمھاری کتنی بہنیں
ہیں؟ کتنے بھائی ہیں؟ تمھارے والدین کس حال میں ہیں؟ اور تمھیں کس کی یاد سب
سے زیادہ ستاتی ہے؟ اور آج میں یہی سوچ رہا تھا کہ تم آؤ تو میں تم سے اسی قسم کے
سوالات پوچھوں گا۔ اس قلعے کے ناظم کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک عام آدمی کی
حیثیت سے ـــــ اور اگر میں تمھیں یہ بتاؤں کہ ایک انسان کی حیثیت سے میں بھی
قید کی وہ صبر آزما تنہائی اور بے بسی دیکھ چکا ہوں، جب کسی کی سننے اور اپنی سُنانے
کی خواہش دیواروں سے ٹکرا کر سرد ہو جایا کرتی ہے تو شاید تم مجھے اپنا راز دار بنانے
میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرو گے۔"

رنبیر نے قدرے توقف کے بعد کہا "ایک انسان کی حیثیت میں مجھے آپ
کے سوالات کا جواب دینے پر کوئی اعتراض نہیں۔ میری داستان بہت مختصر ہے۔
میرا کوئی بھائی نہیں۔ ماں مر چکی ہے۔ باپ اور ایک بہن کے سوا مجھے اور کسی کی یاد
نہیں ستاتی لیکن آپ کو غلط فہمی نہ ہو، میں آپ کے پاس فریاد لے کر نہیں آیا۔ یہ
صرف آپ کے سوالات کا جواب تھا۔" رنبیر کی آواز بیٹھ چکی تھی اور وہ اپنی آنکھوں
میں چھلکتے ہوئے آنسوؤں کو چھپانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن تھوڑی دیر بعد اُس

کے دل کا بوجھ ہلکا ہو چکا تھا اور وہ ناظم کو اپنے گھر اور اپنے گاؤں کے حالات بتا
میں تسکین محسوس کر رہا تھا۔ آہستہ آہستہ وہ اس قدر بے تکلف ہو رہا تھا تاہم
آنسوؤں کی نمی کے بغیر نہ تھے۔ بالآخر رنبیر نے کہا "اب میں آپ سے پوچھتا ہو
وہ کون سا واقعہ ہے جس کے باعث آپ کے خیالات میں انقلاب آچکا ہے۔
کون سی جنگ میں قید ہوئے تھے؟"

ناظم نے کہا "میری داستان آپ کی سرگزشت سے مختلف بھی ہے اور
بھی۔ اگر آپ بہت جلد سو جانے کے عادی نہیں تو رات کو کھانا کھاتے ہی میر
پاس آجائیں۔ ہم دیر تک باتیں کریں گے۔"

آشا

رات کے وقت ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ رنبیر نے کھانا کھاتے ہی ناظم کی
قیام گاہ کا رُخ کیا۔ ناظم کے ملازم نے اُسے یہ کہہ کر ایک کمرے میں بٹھا دیا کہ وہ نماز
سے فارغ ہو کر ابھی آتے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد ناظم کمرے میں داخل ہوا اور اُس
نے رنبیر کے سامنے بیٹھتے ہوئے اپنی سرگزشت شروع کی:۔

"عبدالواحد میرا اسلامی نام ہے۔ مسلمان ہونے سے پہلے میرا نام واسدیو تھا
کانگڑہ میری جنم بھومی ہے اور میں ایسے والدین کا اکلوتا بیٹا ہوں جو میرے ہوش
سنبھالنے سے پہلے اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے۔ میرا باپ نگر کوٹ کی فوج کا
[illegible] رہ چکا تھا اور نگر کوٹ سے چند کوس کے فاصلے پر ایک سرسبز وادی کی چند
بستیاں ہماری جاگیر تھیں۔ میرے باپ کی موت کے بعد میرے چچا نے میری پرورش کی
ذمہ داری لی۔ میرے چچا کے کوئی اولاد نہ تھی، اس لیے وہ مجھے بہت پیار کرتے تھے۔
اُن کی یہ خواہش تھی کہ میں بھی اپنے باپ کی طرح عزت اور شہرت حاصل کروں۔
نگر کوٹ کے راجہ کی طرف سے ہمیں اپنی جاگیر میں ایک سو پچاس سوار اور چار سو
پیادہ سپاہی رکھنے کا حکم تھا۔ اس لیے میرے دل میں ایک اچھا سپاہی بننے کی

خواہش پیدا ہونا قدرتی بات تھی۔ مجھے مذہبی تعلیم دلانے کے لیے میرے چچانے ا
پنڈت کی خدمات حاصل کی تھیں لیکن مجھے کتابوں سے زیادہ سپاہیانہ کھیلو
دلچسپی تھی۔ مجھے گھوڑے پر سواری کرنے اور جھیلوں اور دریاؤں میں تیر
شوق تھا۔ ہمارے سماج میں ایک سردار کے بیٹے کا عام لوگوں بالخصوص
لوگوں کے بچوں کے ساتھ کھیلنا بُرا سمجھا جاتا ہے لیکن میرے چچانے میرے ا
کے احتجاج کے باوجود مجھے آس پاس کی بستیوں میں گھومنے کی عام اجازت
رکھی تھی۔ ولیش ذات کے کسانوں اور چرواہوں کے لڑکے میرے ساتھ بہت
بے تکلف تھے۔ ہماری جاگیر میں صرف ایک بستی ایسی تھی۔ جہاں جانے سے
نے مجھے منع کر رکھا تھا اور یہ اچھوتوں کی بستی تھی۔

جب میری عمر بارہ سال تھی تو نگرکوٹ کا راجہ ہمارے ہاں آیا۔ اس
ہمارے سپاہیوں کا معائنہ کیا۔ میں نے چند کھیلوں میں حصہ لیا۔ راجہ میری
بازی اور تیر اندازی پر بہت خوش ہوا اور اُس نے میرے چچا سے کہا۔ ”مجھے ا
ہے کہ تمھارا بھتیجا اپنے باپ کا نام روشن کرے گا لیکن آپ کو اس کی تعلیم پر ز
توجہ دینی چاہیے۔ بہتر ہوگا کہ آپ اُسے چند سال کے لیے شہر بھیج دیں۔“ چنا
چچانے مجھے نگرکوٹ کی اس پاٹھ شالہ میں بھیج دیا جہاں بڑے بڑے سردار
کے لڑکے تعلیم پاتے تھے۔

پاٹھ شالہ کے برہمنوں سے میں نے سب سے پہلی بات جو سیکھی وہ نفر
تھی۔ مجھے بتایا گیا کہ تم راجپوت ہو، برہمنوں اور کھشتریوں کے سوا ہر ذات
انسانوں سے نفرت کرنا تمھارا فرض ہے۔ اچھوتوں کے قریب جانے کا خیا
میرے دل میں کبھی پہلے بھی نہیں آیا تھا لیکن نگرکوٹ کا ماحول ایسا تھا کہ چا
کے بعد جب میں تعلیم سے فارغ ہو کر گھر آیا تو میں ولیش ذات کے ان نوجوا

کو بھی حقارت سے دیکھنے لگا جو بچپن میں میرے ساتھ کھیلا کرتے تھے۔
میرے گھر آنے سے چند ماہ بعد چچا کی صحت خراب رہنے لگی اور انھوں نے
جاگیر اور فوج کا انتظام میرے سپرد کر دیا۔ اب میں یہ محسوس کرنے لگا کہ میری زندگی
اتنی خوشگوار نہیں جتنی کہ میں سمجھتا تھا۔ میری جاگیر پر کئی حکومتیں تھیں۔ میں راجہ کا
جاگیردار تھا اور راجہ دہیند کے مہاراجہ کا باجگزار تھا۔ جاگیر کی آمدنی سے مجھے ایک
طرف فوج کے اخراجات پورے کرنے پڑتے اور دوسری طرف ہر سال راجہ کے
خزانے میں ایک بھاری رقم داخل کرنا پڑتی تھی تاکہ وہ دہیند کے مہاراجہ کا خراج
پورا کر سکے۔ لیکن نگرکوٹ میں ایک ایسی حکومت بھی تھی جس کے سامنے عوام،
جاگیردار، راجہ اور مہاراجہ یکساں بے بس تھے۔ یہ نگرکوٹ کے مندر کے پوجاریوں
کی حکومت تھی۔

ہر سال لگان کی وصولی کے موقع پر نگرکوٹ کے پروہت کے نمائندے تمام
جاگیرداروں کے پاس پہنچ جاتے تھے۔ اُن کی یہی کوشش ہوتی تھی کہ جاگیردار
لگان کی وصولی میں کوئی نرمی نہ برتیں تاکہ ان کے حصے کی رقم زیادہ سے زیادہ ہو۔
ان کے سامنے راجہ یا جاگیردار کو دم مارنے کی جرأت نہ تھی۔ جب پروہت کی طرف
سے یہ اعلان ہوتا کہ اس سال مندر میں فلاں دیوتا کی چاندی اور سونے کی مورتی
نصب کی جائے گی تو عوام پر مزید لگان عاید کر دیا جاتا اور یہ لوگ ان کے منہ سے
سوکھی روٹی کے نوالے بھی چھین کر لے جاتے۔

مجھے اب یہ محسوس ہو رہا تھا کہ نگرکوٹ کے مندر میں میں نے جو انبار دیکھے
تھے وہ دیوتاؤں کی برکت سے زیادہ برہمنوں کی سنگدلی کا نمونہ تھے لیکن مجھے
تعلیم دی گئی تھی کہ برہمن دھرم کے محافظ ہیں اور راجہ اور پرجا سب ان کی
سیوا کے لیے ہیں۔

شمال اور مشرق کے دشوار گزار پہاڑوں میں ایسی وادیاں تھیں جہاں ک
باشندے ابھی تک بُدھ مت کے پیرو تھے۔ یہ لوگ ایک مدت سے نگر کوٹ ک
راجہ اور پروہت کی دوہری غلامی کا جُوا اتار کر پھینک چکے تھے اور نگر کوٹ ک
برہمنوں کی نگاہ میں یہ لوگ شودروں سے کہیں زیادہ قابلِ نفرت تھے۔

نگر کوٹ کی فوج نے متعدد بار ان لوگوں پر حملے کیے تھے لیکن حملوں کا مق
زیادہ سے زیادہ لوٹ مار یا قتل و غارت ہوتا تھا۔ یہ لوگ عام طور پر حملے کی اطلا
ملتے ہی برفانی پہاڑوں کی طرف بھاگ جاتے اور نگر کوٹ کی فوج لوٹ مار کرکے
واپس آجاتی۔ لوٹ کا مال زیادہ تر مویشیوں پر مشتمل ہوتا۔ جو لوگ قید ہوتے تھے
ان میں سے اکثر وہیں قتل کر دیے جاتے تھے اور نگر کوٹ میں صرف ایسے نو عمر
قیدی لائے جاتے تھے جنھیں کالی دیوی کی بھینٹ کے قابل سمجھا جاتا تھا۔

نگر کوٹ کے مظالم نے ان لوگوں کو آہستہ آہستہ جنگجو بنا دیا۔ ایک دفعہ نگر کوٹ
کے پانچ ہزار سپاہی شمال مشرق کے پہاڑوں میں لوٹ مار کرنے کے بعد واپس آ
رہے تھے کہ اُنھیں ایک تنگ گھاٹی میں شام ہو گئی۔ فوج کے سردار کا خیال تھا
کہ وہ رات کو چند میل کے فاصلے پر ایک کھلی وادی میں کام کریں گے۔ اس حملے
میں نگر کوٹ کی فوج نے پہاڑی لوگوں کو دہشت زدہ کر دیا تھا اور کسی کو اُن کی
طرف سے جوابی حملے کی توقع نہ تھی لیکن سورج غروب ہوتے ہی دشمن نے جو
فوج کی گزرگاہ کے ساتھ ساتھ پہاڑ کے دامن میں درختوں اور جھاڑیوں کے پیچھے
تاک لگائے بیٹھا تھا اچانک تیروں اور پتھروں کی بارش شروع کر دی۔ تقریباً
دو کوس تک فوج کے سامنے ایسا تنگ اور خطرناک راستہ تھا کہ دشمن کوئی نقصان
اٹھائے بغیر صرف پتھر برسا کر ساری فوج کا صفایا کر سکتا تھا۔ لیکن یہ نگر کوٹ کی
فوج کی خوش قسمتی تھی کہ جن لوگوں نے جوابی حملہ کیا تھا ان کی تعداد بہت تھوڑی

تھی۔ تاہم کھلی وادی تک پہنچتے پہنچتے نگر کوٹ کے دو ہزار سپاہی ہلاک ہو چکے تھے۔
دشمن اپنے مال مویشی کے علاوہ قیدیوں کو بھی چھڑا لے گیا۔

اس واقعہ کے بعد کئی سال تک نگر کوٹ کے راجہ یا پروہت کو ان لوگوں پر
کوئی منظم حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

میرے باپ نے سیناپتی کی حیثیت سے نگر کوٹ کے راجہ سے زیادہ پروہت
کو خوش کرنے کے لیے اپنی زندگی کے آخری سال ان لوگوں پر حملہ کیا اور انھوں نے
کافی علاقہ فتح کر لیا لیکن سردیوں میں اس علاقے پر قبضہ رکھنا دشوار سمجھ کر انھوں
نے راجہ اور پروہت کے ایما پر پہاڑی لوگوں کے سامنے یہ شرط پیش کی کہ اگر وہ
لگان دینے پر آمادہ ہوں تو ان کے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ نہیں کی جائے گی۔ پہاڑی
لوگوں نے یہ شرط مان لی اور نگر کوٹ کے راجہ کی افواج واپس آگئیں۔ چند سال
یہ لوگ باقاعدگی سے اپنی آمدنی کا چوتھائی حصّہ دیتے رہے لیکن راجہ کے اہل کاروں
اور مندر کے پجاریوں نے حسبِ عادت پھر لوٹ مار شروع کر دی اور ان لوگوں
نے تنگ آکر لگان ادا کرنے سے انکار کر دیا۔

میں نے یہ واقعات قدرے تفصیل سے اس لیے بیان کیے ہیں ان کا میری
داستان سے گہرا تعلق ہے۔ اپنی علالت کے ایام میں میرے چچا کی سب سے بڑی
تمنا یہ تھی کہ میری شادی کر دی جائے۔ چنانچہ انھوں نے نگر کوٹ کے ایک
سردار کی لڑکی سے میری منگنی کر دی۔ اس سردار کا نام جگت نرائن تھا اور وہ راجہ
کا قریبی رشتہ دار تھا۔ میرے چچا اس رشتے سے بہت خوش تھے لیکن میری منگنی سے
ڈیڑھ ہفتے بعد اُنھیں موت نے آلیا۔

(۲)

یہ وہ زمانہ تھا جب پنجاب کے شمال مغربی علاقوں میں ہمیں سُلطان محمُود کی

فتوحات پریشان کر رہی تھیں۔ ایک دن راجہ کے حکم سے تمام سردار نگر کوٹ میں
ہوئے اور وہاں دیہند کے مہاراجہ کو مدد بھیجنے کے سوال پر غور کیا گیا۔ اس کے سا
یہ مسئلہ بھی پیش ہوا کہ پہاڑی لوگ جنھوں نے چند برس سے مالیہ ادا کرنا بند کر دیا ہے
سے کیا سلوک ہونا چاہیے۔ بعض سرداروں کی رائے تھی کہ ہمیں پہلے محمود غزنوی
فکر کرنی چاہیے۔ مسلمانوں کا خطرہ ٹل جانے کے بعد ان لوگوں کو ہر وقت مغلوب
جا سکتا ہے لیکن مندر کے پروہت، راجہ کے سیناپتی اور بعض سرداروں کی را
یہ تھی کہ ہمیں پہلے ان لوگوں کے ساتھ نبٹ لینا چاہیے۔

میں اس بات پر حیران تھا کہ ان لوگوں کو چند سال کی خاموشی کے بعد پہا
لوگوں پر فوج کشی کا اس وقت خیال کیوں نہ آیا جب کہ ویہند کے مہاراجہ کو مدد
اشد ضروری ہے لیکن جب حقیقت کا پتہ چلا تو میری حیرانی جاتی رہی۔ سیناپتی مسلما
کی بہادری کے قصے سن چکا تھا اور وہ ایک طاقتور دشمن کے سامنے جانے سے
تھا۔ کیونکہ ویہند کے تازہ حالات کے باعث اُسے آرام سے گھر بیٹھنا مشکل نظر
تھا۔ اس لیے وہ اپنے لیے ایک آسان محاذ منتخب کرنا چاہتا تھا۔

پروہت کو مندر کی بے حساب دولت کی فکر تھی۔ اس کا خیال تھا کہ عام حا
میں محمود شاید اس دور افتادہ پہاڑی علاقے کا رُخ نہ کرے لیکن نگر کوٹ کی فو
اگر ویہند بھیجی گئی تو شکست کی صورت میں یہ بعید از قیاس نہیں کہ محمود نگر کوٹ
اس فوج کا پیچھا کرے۔ سرداروں کی اکثریت نے بھی گھر سے دور جا کر بڑے خطر
کا سامنا کرنے پر گھر کے قریب ایک معمولی خطرہ مول لینے کو ترجیح دی۔

راجہ نے مجبوراً پروہت اور اس کے حامیوں کے فیصلے کے سامنے سر
دیا لیکن اس کی آخری کوشش یہ تھی کہ نگر کوٹ کا قریباً ہر سپاہی اس جنگ
حصہ لے تاکہ یہ فوج اس مہم سے فارغ ہو کر جلد ویہند کی مدد کے لیے جا سکے۔

پروہت نے پھر راجہ کی مخالفت کی اور اس بات پر زور دیا کہ اس مہم کے لیے جاگیرداروں
کی فوجیں کافی ہیں اور نگر کوٹ کی باقاعدہ فوج کے سپاہی مندر کی حفاظت کے لیے
رہنے چاہییں، بالآخر یہ فیصلہ ہوا کہ راجہ کی باقاعدہ فوج کا نصف حصّہ اس مہم میں
جاگیرداروں کے سپاہیوں کے ساتھ شریک ہوا اور نصف مندر کی حفاظت کے
لیے رہے۔

سیناپتی نے آٹھ ہزار سپاہیوں کی فوج کو تین حصّوں میں تقسیم کیا۔ اس نے خود
چار ہزار سپاہیوں کے ساتھ سیدھا مشرق کا رُخ کیا اور دو ہزار سپاہی سردار جگت نرائن
کی راہنمائی میں دے کر اُسے حکم دیا کہ وہ شمال کی طرف سے چکّر کاٹ کر مشرق کے برفانی
پہاڑوں کے دامن میں پہنچ جائے اور وہاں باقی فوج کا انتظار کرے۔ باقی دو ہزار فوج
ایک اور سردار کے ماتحت دے کر اُسے جنوب کی طرف سے چکّر کاٹ کر اُسی مقام
تک پہنچنے کی ہدایت کی۔ میدانی علاقے میں بکھرے ہوئے دشمن کو گھیر کر تباہ کرنے کے
لیے ایسی چال کامیاب ہو سکتی تھی لیکن پہاڑوں کے ایک لامتناہی سلسلہ میں ایسی
چال سے کسی کامیابی کی امید رکھنا حماقت تھی۔

پہاڑی لوگ اس علاقے کے چپّے چپّے سے واقف تھے اور قدرت نے اُن کے
لیے جگہ جگہ ناقابلِ تسخیر مورچے بنا رکھے تھے لیکن سماج کا دبدبہ کچھ ایسا تھا کہ اُن لوگوں
نے کسی جگہ بھی ڈٹ کر مقابلہ نہ کیا۔ ہماری فوج میں صرف چند سردار اپنے ساتھ
گھوڑے لائے تھے لیکن دشوار گزار پہاڑوں میں داخل ہوتے ہی گھوڑوں کو ایک
محفوظ وادی میں چھوڑ دیا گیا تھا۔ میں اور میرے سپاہی سردار جگت نرائن کے ماتحت
تھے۔ اس کے دو بیٹے بھی اس مہم میں شریک تھے۔ ہماری کارگزاری دیکھنے کے
لیے پروہت کا ایک بھائی بھی ہمارے ساتھ شامل ہو گیا۔ چند دنوں تک ہم نے
کسی قابلِ ذکر مزاحمت کا سامنا نہ کیا۔ جو بستیاں ہمارے راستے میں آتی تھیں وہ

عام طور پر خالی ہوتی تھیں لیکن کوئی عورت، بچہ یا بوڑھا نظر آجاتا تو ہمارے
اُن پر تلواروں کی تیزی آزما لیتے لیکن یہ کھیل مجھے اس وقت بھی پسند نہ تھا جب
دل دھرم کے اُن دشمنوں کے خلاف نفرت اور حقارت سے بھرا ہوا تھا۔ ایک
ہم نے ایک نہایت پر فضا وادی میں قیام کیا۔ چند سپاہی کسی اُجڑی ہوئی ب
سے دو عورتیں اور تین بچوں کو پکڑ لائے۔ جگت نرائن نے انھیں درختوں سے ب
دیا اور فوج کے چیدہ چیدہ آدمیوں کو نشانہ بازی کی دعوت دی۔ میں نے اس ب
خلاف احتجاج کیا تو اس نے بگڑ کر کہا "تم عورت بنتے جا رہے ہو واسدیو! دشمنوں
کے خلاف ایک راجپوت کا دل پتھر سے زیادہ سخت ہونا چاہیے۔"

میں نے جواب دیا "ابھی تک میں نے یہ فیصلہ نہیں کیا کہ یہ بے بس عورتیں
بچے ہمارے دشمن ہیں۔"

وہ بولا "تمہارا خیال ہے کہ ہم یہاں پتھروں کے خلاف لڑنے آئے ہیں دا
میری طرف" اور یہ کہتے ہوئے اُس نے اپنی کمان کا تیر چھوڑ دیا۔ یہ تیر ایک ب
کے سینے میں لگا۔ اس کے ساتھ ہی چند اور کمانوں سے سنسناتے ہوئے تیر
اور بچوں اور عورتوں کی چیخیں ان گنت قہقہوں میں دب کر رہ گئیں۔ جگت نرائن
اس کے بیٹے اور چند سردار فاتحانہ مسکراہٹوں کے ساتھ میری طرف دیکھ رہے
تھے۔

اس کے بعد میں نے جو کچھ دیکھا وہ اس واقعے سے کہیں زیادہ المناک تھا
میں اس کی تفصیلات میں نہیں جانا چاہتا۔

ایک دن ایک وادی کے گھنے جنگل میں ہم پر دشمن نے حملہ کیا لیکن ہم
انھیں بہت جلد پسپا کر دیا۔ اگلے دن ہم ایک ندی کے سامنے کھڑے تھے جو دو
پہاڑوں کے درمیان ایک گہری کھڈ بناتی تھی۔ دن بھر کی تلاش کے بعد ہم ایک

جگہ پہنچے جہاں لکڑی کا پل بنا کر ندی کو عبور کیا جا سکتا تھا۔ لکڑی کی وہاں کمی نہ تھی چنانچہ
اگلے دن ہم پل بنا کر دوسرے کنارے پہنچ گئے۔ میں نے احتیاطاً جگت نرائن کو مشورہ
دیا کہ اس پل کی حفاظت کے لیے چند آدمیوں کا پہرہ بٹھانا ضروری ہے ممکن ہے ہمیں
کسی خطرے کے وقت اس کی ضرورت پڑے۔ جگت نرائن نے کچھ دیر بحث کرنے
کے بعد بیس تیرانداز پل کی حفاظت کے لیے مقرر کر دیے اور انھیں حکم دیا کہ وہ کل
تک اس پل کی حفاظت کریں اور پھر باقی فوج کے ساتھ آملیں۔

جگت نرائن کے اندازے کے مطابق ہماری آخری منزل جہاں پہنچ کر ہمیں
باقی فوج کا انتظار کرنا تھا۔ اس مقام سے پچاس کوس دور تھی۔ لیکن پل سے تھوڑی
دور آگے ہم چلنے کی بجائے رینگ رہے تھے۔ ہمارے دائیں ہاتھ بلند پہاڑ تھا اور
بائیں ہاتھ ندی تھی۔ براہ راست پہاڑ کی چوٹی تک پہنچنا ناممکن اور اس کے دامن میں
ندی کے ساتھ ساتھ چلنا بھی بے حد مشکل تھا۔ دوپہر تک ہم نے بمشکل دو کوس
فاصلہ طے کیا اور اس کے بعد پہاڑ کی ڈھلوان ایسی تھی کہ چٹانیں کاٹ کاٹ کر راستہ
بنانے کی ضرورت تھی۔ میں نے جگت نرائن کو مشورہ دیا کہ ہمیں واپس مڑ کر کوئی اور
راستہ تلاش کرنا چاہیے لیکن اس نے جواب دیا "اب ہمارے راستے میں ہر جگہ
ایسے پہاڑ آئیں گے۔"

میں نے کہا "اگر آپ کا یہی فیصلہ ہے تو بہتر ہے کہ ہم واپس مڑ کر ندی کے پار
کسی کھلی جگہ پڑاؤ ڈال لیں اور فوج کے چند دستے راستہ بنانے کے کام پر لگا دیے
جائیں۔ راستہ تیار ہو جانے کے بعد فوج کو کوچ کا حکم دینا بہتر ہوگا۔ ورنہ ان حالات
میں اگر دشمن کسی جگہ گھات لگائے بیٹھا ہو تو وہ صرف پتھر برسا کر ہماری فوج کو
تباہ کر سکتا ہے۔"

لیکن جگت نرائن ان لوگوں میں سے تھا جو اپنی ہر غلطی کو صحیح ثابت کرتے

کی کوشش کرتے ہیں۔ اس نے جواب دیا۔" میں نے یہ دشوار گزار راستہ منتخب اس لیے کیا ہے کہ دشمن اس طرف سے بے پروا ہو کر کسی اور راستے پر پہرہ دے رہا ہو گا۔"

میں نے کہا "یہ ممکن ہے کہ دشمن کے کسی آدمی نے ہمیں ندی پر پل بناتے ہوئے دیکھا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس نے یہ خبر دوسروں تک پہنچا دی ہو اور وہ عقب کے آسان راستے سے اس پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ چکے ہوں۔"

جگت نرائن نے بگڑ کر کہا "میں تمھارے ساتھ بحث نہیں کرتا، اگر تمھاری ہمت جواب دے چکی ہے تو تم واپس جا سکتے ہو، جب ہم کسی محفوظ مقام پر پہنچ جائیں گے تو تمھیں اطلاع بھیج دی جائے گی کہ اب کوئی خطرہ نہیں' اس لیے تشریف لے آئیں۔"

اپنے ہونے والے خسر کے منہ سے یہ الفاظ میرے لیے ناقابلِ برداشت تھے۔ میں نے بگڑ کر کہا "جب بہادری دکھانے کا وقت آئے گا تو آپ مجھے بزدلی کا طعنہ نہیں دے سکیں گے۔"

جگت نرائن کچھ کہنا چاہتا تھا کہ اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ پہاڑ کی بلندی سے ایک خوفناک آواز سنائی دی اور سپاہی جو ایک لمبی قطار میں سنبھل سنبھل کر قدم اٹھا رہے تھے، مبہوت ہو کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ میرے خدشات صحیح تھے، ہم پر پتھروں کی بارش شروع ہو چکی تھی۔ کچھ دیر بعد کسی کو تن بدن کا ہوش نہ تھا۔ ہر شخص اپنے پاؤں کے نیچے چپہ بھر زمین کو غیر محفوظ سمجھ کر دوسرے کو دھکیل کر اس کی جگہ پاؤں جمانے کی کوشش کر رہا تھا۔ جو پیچھے تھے وہ آگے بڑھ رہے تھے اور جو آگے تھے وہ پیچھے سمٹ رہے تھے۔ جو پتھروں کی لپیٹ میں آ گئے، وہ ندی تک کھڈ میں پہنچ گئے۔ لیکن بعض ایسے بھی تھے جنھوں نے محض وحشت کی وجہ سے ندی میں چھلانگیں لگا دیں۔ جگت نرائن ایک درخت سے چمٹ کر پوری قوت کے ساتھ چلا

رہا تھا لیکن اسے شاید خود بھی یہ معلوم نہ تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے، بالآخر سپاہیوں کو یہ احساس ہوا کہ اب پیچھے مڑنے کے سوا کوئی چارہ نہیں لیکن اس وقت تک تین چار سو آدمی کھڈ میں گر چکے تھے۔

جس خطرناک راستے پر ہم کانپ کانپ کر پاؤں رکھتے تھے، اب واپسی پر ہم وہاں بھاگ رہے تھے۔ یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ جگہ جگہ پہاڑ کا دامن درختوں اور جھاڑیوں سے اٹا ہوا تھا اور دشمن بیشتر مقامات پر ہمیں اچھی طرح دیکھے بغیر اندھا دھند پتھر برسا رہا تھا لیکن ہر جگہ سپاہیوں کی افراتفری کا یہ عالم تھا کہ جتنے سپاہی پتھروں سے ہلاک ہو رہے تھے۔ ان سے کہیں زیادہ ایک دوسرے سے دھکے سے کھڈ میں گر رہے تھے جوں جوں ہم پُل کے قریب پہنچ رہے تھے، پتھروں کی بارش کم ہوتی جا رہی تھی لیکن پل سے کوئی آدھ کوس کے فاصلے پر ہمارے سر پر جگہ جگہ ننگی چٹانیں تھیں اور چند آدمی ان چٹانوں پر ہمارے منتظر تھے اور پتھروں کے علاوہ تیر بھی برسا رہے تھے۔ میرا اندازہ ہے کہ یہاں چار پانچ سو گز کے اندر ہمارا نقصان پچھلے تمام راستے سے زیادہ تھا۔ ایک تیر میرے بازو پر لگا لیکن اس وقت میرے لیے ایسے زخموں کا احساس کرنا بھی مشکل تھا۔ اس خطرناک مقام سے آگے پل تک ہمارا راستہ کافی کشادہ تھا اور اوپر کی ڈھلوان بھی نسبتاً کم خطرناک تھی۔ اکا دکا پتھر کہیں کہیں اب بھی گر رہے تھے لیکن اس طوفان کے بعد یہ ہمارے لیے زیادہ پریشانی کا باعث نہ تھے لیکن ابھی تک ہر سپاہی کی یہ خواہش تھی کہ وہ پُل عبور کرنے میں دوسروں سے سبقت لے جائے۔ جگت نرائن کا ایک بیٹا میری آنکھوں کے سامنے پتھر سے گھائل ہو کر کھڈ میں گرا تھا اور دوسرے کا کہیں پتہ نہ تھا۔

اپنے راستے کے آخری موڑ پر پہنچ کر ہم نے دیکھا کہ دشمن کے پچاس ساٹھ آدمی پل پر حملہ کر رہے ہیں اور ندی کے دوسرے کنارے مورچوں میں بیٹھے ہوئے

ہمارے تیرانداز جو پل کی حفاظت پر متعین تھے انھیں دور رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

ہم نے کسی توقف کے بغیر ان پر حملہ کر دیا۔ یہ لوگ سراسیمہ ہو کر پیچھے ہٹنے لگے۔ میں چند سپاہیوں کے ساتھ اُن کے عقب میں پہنچ چکا تھا۔ اب پُل سے آگے کچھ دور تک پہاڑ کی ڈھلوان ناقابلِ گزر تھی اور سامنے سے تیروں کی بارش میں اُن لوگوں کے لیے پل عبور کرنا مشکل تھا۔ کیوں کہ پل پر سے بمشکل بیک وقت دو آدمی گزر رہے تھے۔ دشمن نے یہ سمجھ کر کہ وہ ہمارے نرغے میں آ چکا ہے، جان توڑ مقابلہ کیا لیکن بیس آدمیوں کے سوا جن میں سے بعض ہمارا گھیرا توڑ کر پہاڑ پر چڑھ گئے اور بعض نے مایوسی کی حالت میں ندی میں چھلانگیں لگا دیں۔ ہم نے کسی کو بچ نکلنے کا موقع نہ دیا۔ تاہم ان تیس یا چالیس آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتارنے سے قبل ہم اپنی نصف فوج ضائع کر چکے تھے۔

جگت نرائن اپنے حواس میں نہ تھا اور پاگلوں کی طرح اپنے بیٹوں کو آوازیں دے رہا تھا اور فوج انتہائی غیر منظم حالت میں پل عبور کر رہی تھی۔ مجھے پل کے ٹوٹ جانے کا اندیشہ تھا۔ اس لیے میں بھاگ کر پل کے قریب آ کھڑا ہوا۔ میری چیخ پکار سے سپاہیوں کی افراتفری قدرے کم ہو گئی لیکن ابھی دو سو سپاہی اسی طرف تھے کہ ہم پر پہاڑ کے دامن سے تیروں کی بارش ہونے لگی اور اس کے ساتھ ہی دشمن کے سینکڑوں آدمی نعرے لگاتے ہوئے نیچے اترنے لگے۔ اس نازک مرحلے پر پچاس ساٹھ نوجوانوں نے میرا ساتھ دیا اور ہم نے آگے بڑھ کر دشمن کا راستہ روک لیا۔ میری ران اور کندھے پر تلواروں کے دو زخم آئے اور میرے کئی ساتھی مارے گئے لیکن ہم نے دشمن کو پل کے قریب نہ آنے دیا۔ تھوڑی دیر میں باقی فوج پل پر سے گزر گئی اور میرے ساتھ پندرہ یا بیس آدمی رہ گئے۔ ہم لڑتے ہوئے اُلٹے پاؤں

پل کی طرف ہٹ رہے تھے لیکن دشمن کے ایک سخت حملے نے ہمارے پاؤں اکھاڑ دیے اور میرے ساتھیوں نے بیک وقت بھاگ کر پُل عبور کرنے کی کوشش کی۔ میں نے ابھی پل پر پاؤں رکھا ہی تھا کہ پُل ٹوٹ گیا۔ میں نے فوراً ندی میں چھلانگ لگا دی۔ اس ندی سے بچ نکلنا ایک معجزہ تھا۔ پل سے گزرنے والے بعض آدمی مجھ سے آگے جا چکے تھے اور چند ابھی ان گرتے ہوئے شہتیروں کے ساتھ چمٹے ہوئے تھے۔ جن کے سرے ایک طرف سے ابھی تک مضبوط رسّوں سے پُل کے ساتھ بندھے ہوئے تھے لیکن پانی کے ایک ریلے نے ان شہتیروں کو بھی اپنے آغوش میں لے لیا۔ ہم دشمن کے پتھروں اور تیروں کی زد میں تھے لیکن یا تو دوسرے کنارے سے ہمارے سپاہیوں کے تیروں کی بارش نے ان لوگوں کو منتشر کر دیا تھا اور یا ان لوگوں کے جنگی آئین ہم سے مختلف تھے۔ اور انھوں نے ہماری موت یقینی سمجھ کر اپنے ہاتھ روک لیے تھے۔

میں ایک بھنور میں پھنس کر چند غوطے کھانے کے بعد اپنے گرد و پیش سے بےخبر ہو چکا تھا۔ قدرت نے میری مدد کی اور میں چند لمحات موت و حیات کی کش مکش میں مبتلا رہنے کے بعد ایک بہتے ہوئے شہتیر کے ساتھ لپٹ گیا۔ تاہم مجھے یقین تھا کہ میرا یہ سہارا عارضی ثابت ہوگا اور تند و تیز موجیں مجھے کسی چٹان پر پٹخ دیں گی لیکن ندی کا پاٹ بتدریج تنگ اور پانی کی شوریدگی نسبتاً کم ہوتی گئی۔ اس کے ساتھ ہی دونوں کناروں کی بلندی زیادہ ہوتی گئی۔ اب مجھے اپنے ساتھیوں میں سے کسی کی خبر نہ تھی۔ یہ منظر اس قدر ہیبت ناک تھا کہ برسوں کے بعد آج بھی اس کے تصور سے آج بھی میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ شہتیر مجھے متعدد بار کبھی ایک اور کبھی دوسرے کنارے کے قریب لے گیا لیکن میں ان سیدھی دیواروں پر چڑھنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میرے دل میں کبھی یہ خیال آتا تھا کہ اچانک کسی مقام

پھر ندی کا پاٹ کشادہ ہو جائے گا لیکن اس بات کا زیادہ امکان تھا کہ میں کنار
لگنے کی بجائے پانی کی سطح سے اُبھرے ہوئے مہیب پتھروں کے ساتھ ٹکرا کر پاش
ہو جاؤں اور یا پھر ندی اچانک کسی نشیب پر ایک آبشار میں تبدیل ہو جائے
یہ میری آخری منزل ہو۔ میرے لیے یہ اندازہ لگانا بھی مشکل تھا کہ میں کتنی دو
چکا ہوں۔ پانی برف کی طرح ٹھنڈا تھا۔ زخموں کی تکلیف نے مجھے بے جان سا
دیا تھا اور مجھے اس بات کا احساس ہو رہا تھا کہ اگر میں تھوڑی دیر اور پانی میں
تو کسی اور حادثے کا سامنا کیے بغیر ہی ختم ہو جاؤں۔ ایک جگہ ندی کا پاٹ کچھ
نظر آیا۔ تھوڑی دیر بعد مجھے بلندی سے گرتے ہوئے پانی کا شور سنائی دینے لگا۔
اس کے ساتھ ہی میں نے دیکھا کہ ندی کے سامنے ایک بلند چٹان آ گئی ہے
اس نے پانی کے بہاؤ کا رُخ یک دم بدل دیا ہے۔ تھوڑی دیر میں میں ایک گو
دائرے کی شکل کی ایک چھوٹی سی جھیل میں داخل ہو چکا تھا۔ اُسے جھیل کی بج
ایک بہت بڑا کنواں کہوں تو زیادہ صحیح ہو گا۔ ندی کا پانی ایک مہیب گرداب
شکل میں اس کنوئیں کے اندر چکر لگانے کے بعد اچانک دائیں ہاتھ ایک کھڈ
کرتا تھا۔ صرف پانی کا شور سن کر ہی میرے لیے اس کھڈ کی گہرائی کا اندازہ لگانا
نہ تھا۔ میں گرداب میں پھنس کر بلند کناروں کے ساتھ ساتھ چکر لگاتا ہوا ہر ثانیہ
آبشار کے قریب جا رہا تھا لیکن ایک جگہ مجھے کنارے کی چٹان سے آگے نکلی ہو
ایک سل دکھائی دی جو پانی کی سطح سے بالشت بھر اونچی تھی۔ اس سل سے او
چند چھوٹے چھوٹے زینے بنے ہوئے تھے اور ان کے پیچھے چٹان کے اندر ایک
شگاف نظر آ رہا تھا۔

(۳)

قدرت مجھے موت کے منہ سے چھیننے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ گرداب کا چکر مجھے

دھکیلتا ہوا اس سل کے قریب لے گیا۔ زندہ رہنے کی امید نے میرے نڈھال جسم
میں ایک نئی قوت پیدا کر دی اور میں شہتیر چھوڑ کر سل پر چڑھ گیا۔"

عبدالواحد نے یہاں تک کہہ کر قدرے توقف کے بعد رنبیر کی طرف دیکھا اور بولا۔
"میں پھر تفصیلات میں چلا گیا۔ آپ اکتا تو نہیں گئے؟"

رنبیر نے چونک کر جواب دیا۔ "نہیں نہیں، ایسی داستان میں ساری رات بیٹھ
کر سن سکتا ہوں۔ مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے کہ میں خود موت کے منہ سے بچ کر نکلا
ہوں۔"

عبدالواحد نے دوبارہ اپنی سرگزشت شروع کرتے ہوئے کہا۔ "کچھ دیر سل پر
بیٹھا میں اپنے گرد و پیش کے متعلق سوچتا رہا۔ سل پر چھوٹے چھوٹے گڑھے جو پانی بھرنے
کے مٹکوں کی رگڑ سے بنے ہوئے معلوم ہوتے تھے اور سل سے اوپر گھسی ہوئی سیڑھیاں
اس جگہ انسانوں کی آمد و رفت کی گواہی دے رہی تھیں۔

مجھے یقین تھا کہ میں اس راستے سے باہر نکلتے ہی کسی بستی کے قریب پہنچ جاؤں
گا لیکن اس علاقے کی کسی بستی کا تصور میرے لیے کم خطرناک نہ تھا۔ اوپر فضا کا رنگ
بتا رہا تھا کہ شام ہونے میں زیادہ دیر نہیں۔ سردی سے سُن اور زخموں سے نڈھال ہونے
کے باعث مجھ میں چند قدم چلنے کی ہمت نہ تھی لیکن اس کے ساتھ ہی مجھے یہ اندیشہ
تھا کہ اندھیرا ہو جانے سے پہلے اگر میں نے کوئی جائے پناہ تلاش نہ کی تو میں رات بھر
سردی میں ٹھٹھر کر مر جاؤں گا۔ بالآخر میں لڑکھڑاتا ہوا اٹھا اور چٹان میں تراشے ہوئے
زینوں پر چڑھنے لگا۔ چند قدم اُٹھانے کے بعد ٹانگ اور بازو کے زخموں کی ناقابلِ برداشت
تکلیف کے باعث میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ تاہم میں نے ہمت نہ
ہاری اور سنبھل سنبھل کر قدم اٹھاتا ہوا اوپر چڑھتا گیا۔ میں نے ابھی پندرہ بیس
قدم اٹھائے تھے کہ مجھے کچھ دور سے ایک آواز سنائی دی۔ میں چند لمحے بے حس و حرکت

کھڑا رہا۔ مجھے محسوس ہو رہا تھا کہ کوئی دھیمی لے میں گنگناتا ہوا اس کی طرف آرہا ہے۔ میں
نے جلدی سے اپنا خنجر جو ابھی تک میری کمر سے لٹک رہا تھا، نکال لیا لیکن پھر مجھے خیال
آیا کہ آنے والا مجھے اوپر سے دیکھتے ہی شور مچانا شروع کردے گا اور آن کی آن میں اس
کے کئی مددگار جمع ہو جائیں گے۔ اس لیے میں اگر دوبارہ نیچے پہنچ جاؤں تو اس پر آسانی
کے ساتھ بے خبری کی حالت میں حملہ کرسکوں گا۔ چنانچہ میں دوبارہ بڑی مشکل سے اسی
جگہ پہنچا اور تنگ گزرگاہ سے ایک طرف چٹان کے ساتھ پیٹھ لگا کر کھڑا ہوگیا۔ ہر لمحہ
میری تکلیف میں اضافہ کر رہا تھا۔

گنگنانے والے کی آواز قریب آتی گئی۔ میں یہ محسوس کرنے لگا کہ یہ کسی مرد کی نہیں
بلکہ عورت کی آواز ہے۔ لیکن ان حالات میں میرے لیے ایک بچہ بھی خطرناک ہوسکتا تھا۔
بالآخر ایک لڑکی مٹکا اُٹھائے نمودار ہوئی اور میری طرف دیکھے بغیر آگے بڑھ کر سل
کے کنارے بیٹھ گئی اور زانو کے بل آگے جھک کر مٹکے میں پانی بھرنے لگی۔ مجھے یقین
تھا کہ مٹکا اٹھا کر واپس مڑتے وقت وہ مجھے ضرور دیکھ لے گی اور میں اُسے آسانی کے
ساتھ دھکا دے کر خوفناک گرداب میں پھینک سکوں گا لیکن سماج کے دیوتاؤں کا پجاری
ہونے کے باوجود میری ہمت جواب دے گئی۔ میں سل کے کنارے سے ہٹ کر زینے
کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ اس نے مٹکے کو پانی سے نکال کر سل پر رکھ دیا اور اُٹھ کر کھڑی
ہوگئی۔ معاً اس نے میری طرف ۔۔ اور ایک ہلکی سی چیخ کے بعد مبہوت سی رہ گئی۔
وہ ایک خوبصورت اور نوجوان لڑکی تھی۔

میں نے اپنا خنجر نیچے کرتے ہوئے کہا۔ ”ڈرو نہیں، میں تمھیں کچھ نہیں کہوں گا۔
لیکن اگر تم نے شور مچایا تو میں تم پر ہاتھ اُٹھانے سے دریغ نہیں کروں گا۔“

لڑکی نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔ ”تم ۔۔۔۔۔ تم کون ہو؟“

میں نے کہا۔ ”تم صرف میرے سوال کا جواب دو۔ تمھارے پیچھے کوئی اور
بھی اس طرف آرہا ہے؟“

وہ بولی۔ ”نہیں، لیکن اگر تم نے میری طرف ہاتھ بڑھایا تو میں ندی میں چھلانگ
لگا دوں گی؟“

مجھ میں اب کھڑا رہنے کی ہمت نہ تھی۔ میں نے سل سے اوپر ایک زینے پر
بیٹھتے ہوئے لڑکی سے پوچھا۔ ”تمھاری بستی یہاں سے کتنی دور ہے؟“

اس نے جواب دیا۔ ”بہت نزدیک ہے۔“

میں نے کہا۔ ”اس کا مطلب یہ ہے کہ شام تک بستی کے کئی لوگ یہاں سے
پانی لینے آئیں گے۔“

”نہیں، بستی خالی ہوچکی ہے۔ لوگ جنگلوں کی طرف بھاگ گئے ہیں۔“

میں نے کہا۔ ”تم صرف سچ بول کر اپنی جان بچاسکتی ہو۔ میرا وعدہ ایک
راجپوت کا وعدہ ہے۔“

اس نے جواب دیا۔ ”میں سچ بول رہی ہوں۔“

میں نے کہا۔ ”میں یہ کیسے مان سکتا ہوں کہ بستی کے لوگ تمھاری عمر کی ایک لڑکی
کو تنہا چھوڑ کر جاچکے ہیں۔“

لڑکی نے جواب دیا۔ ”میں اپنے دادا کے ساتھ ہوں۔ وہ اندھا ہے۔ میں
اُسے چھوڑ کر نہیں جاسکتی۔ میرا بھائی بھی ابھی تک واپس نہیں آیا۔ اگر وہ آجاتا
تو شاید ہم بھی دادا کو لے کر کہیں نکل جاتے۔“

لڑکی کے الفاظ سے زیادہ اس کے آنسوؤں نے مجھے لاجواب سا کردیا تاہم
مجھے پوری طرح اطمینان نہ ہوا۔ میں نے کہا۔ ”تم شام تک یہاں رہو گی۔ اگر کوئی
اس طرف آیا تو میں تمھیں ندی میں پھینک دوں گا اور اگر تمھاری باتیں درست
ثابت ہوئیں تو میں یہاں سے کچھ دور تک تمھارے ساتھ جاؤں گا۔“

میرے ان الفاظ نے لڑکی کا خوف نفرت اور حقارت میں بدل دیا۔ وہ
بولی۔ "نہیں، تم مجھے قتل کر سکتے ہو لیکن میں تمہیں اپنے دادا کے پاس لے کر نہ
جاؤں گی، میں اُسے ایسی جگہ چھوڑ کر آئی ہوں جہاں سے تم اُسے تلاش نہیں کر
میں نے سوچا اگر میں نے تھوڑی دیر اور کوئی جائے پناہ تلاش نہ کی تو را
ہو جائے گی اور میری زندگی یہیں ختم ہو جائے گی۔ اگر میں تاریکی باہر نکلا تو میر
لیے اپنے اردگرد کا جائزہ لینا مشکل ہو گا۔ پھر اگر میں نے کوئی راستہ تلاش کر ب
تو چلنا میرے بس کی بات نہیں۔ یہ لڑکی میری آخری اُمید تھی۔ اس کی مدد کے ب
میرے لیے اگلی صبح کا سورج دیکھنے کا امکان نہ تھا۔ بے بسی کے احساس نے میر
نسلی غرور کے قلعے مسمار کر دیئے تھے اور لڑکی کی نگاہیں یہ بتا رہی تھیں کہ وہ میر
جسمانی تکلیف کا اندازہ لگا چکی ہے۔ وہ بولی۔ "میں جانتی ہوں کہ تم نگر کوٹ کی ف
کے سپاہی ہو۔ میں تم سے رحم کی بھیک نہیں مانگوں گی۔ تمہارے دیوتا تمہارے ا
پر بے کس انسانوں کا خون دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ اگر تم میری جان لینے کا فیص
کر چکے ہو تو جلدی کرو، تمہارے ہاتھ میں خنجر ہے۔ میں اپنی آنکھیں بند کر لیتی ہو
لیکن اگر دیوتاؤں کی پوجا کے باوجود انسانیت تمہیں ایک عورت پر ہاتھ اُٹھانے
روکتی ہے تو میرا راستہ چھوڑ دو۔ یہ علاقہ درندوں سے خالی نہیں۔ سورج غروب
ہوتے ہی بستی کے راستے پر کئی شیر اور چیتے پہرہ دینے لگتے ہیں۔"

میں نے اپنا خنجر پھینک دیا۔ لڑکھڑاتے ہوئے اٹھا اور اس کا راستہ چھوڑ
کہا۔ "تم جا سکتی ہو۔"

میری یہ حرکت اس کے دل پر اثر کیے بغیر نہ رہی۔ اس نے قدرے تذبذب ک
بعد گھڑا اٹھا کر سر پر رکھ لیا اور زینے پر پاؤں رکھنے کے بعد مڑ کر میری طر
دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم زخمی ہو!"

میں نے جواب دینے کی بجائے کرب کی حالت میں آنکھیں بند کر لیں۔

وہ بولی۔ "تم رات یہاں نہیں گزار سکتے، میرے ساتھ آؤ۔"

میں کچھ کہے بغیر اس کے پیچھے چل دیا۔ چڑھائی بہت سخت تھی اور میں بڑی مشکل
سے سنبھل سنبھل کر پاؤں اٹھا رہا تھا۔ ہر پندرہ بیس قدم کے بعد میں نیم بے ہوشی
کی حالت میں تازہ دم ہونے کے لیے بیٹھ جاتا اور وہ رُک کر میرا انتظار کرنے لگتی۔
تھوڑی دیر میں تنگ تاریک راستہ طے کرنے کے بعد ہم کھلی جگہ پہنچ گئے۔ میرے
بائیں ہاتھ سرسبز پہاڑ تھا۔ دائیں ہاتھ نیچے وہ تاریک کھڈ تھی جس میں آبشار
گرتی تھی اور سامنے پہاڑ کے نشیب میں چیڑ کے درمیان چند جھونپڑیاں دکھائی دے
رہی تھیں لیکن اب مجھ میں چلنے کی ہمت نہ تھی۔ میں سرسبز گھاس پر منہ کے بل لیٹ
گیا۔ لڑکی گھڑا نیچے رکھ کر میرے قریب آ کر کھڑی ہو گئی اور مجھے تسلی دیتے ہوئے بولی۔
"ادھر دیکھیے وہ ہماری بستی ہے۔ ذرا ہمت سے کام لیجیے۔ میں حیران ہوں کہ آپ
اس حالت میں وہاں کیا کر رہے تھے؟"

میں نے جواب دیا۔ "میں ندی میں بہتا ہوا وہاں پہنچا تھا اور شاید کسی دیوتا کا
انتظار کر رہا تھا۔"

تھوڑی دیر بعد میں پھر اُٹھ کر چلنے لگا۔ جوں جوں میں بستی کے قریب ہو رہا
تھا، میرے خدشات دور ہوتے جا رہے تھے۔ وہ ایک ہاتھ سے مجھے سہارا دینے
کی کوشش کر رہی تھی اور میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ یہ کسی دشمن کا ہاتھ نہیں۔
بستی سے باہر ایک نحیف اور لاغر بوڑھا درد بھری آواز میں "آشا! آشا!" پکارتا ہوا
اِدھر اُدھر بھٹک رہا تھا۔ لڑکی نے اُسے آواز دی۔ "بابا! میں آ گئی ہوں۔"

بوڑھے نے ہاتھ پھیلا کر بے اختیار آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "بیٹی! بہت دیر لگائی
تم نے، اگر تم تھوڑی دیر اور نہ آتیں تو میں شاید بھٹکتا ہوا کسی کھڈ میں جا گرتا۔"

لڑکی نے مجھے چھوڑ کر بوڑھے کا ہاتھ پکڑ لیا اور اُسے ایک جھونپڑی کی طر
گئی اور میں پاس ہی سوکھی ہوئی گھاس کے ڈھیر پر لیٹ گیا۔ تھوڑی دیر بعد میں
نیم بے ہوشی کی حالت میں آنکھیں کھولیں تو وہ مجھے بازو سے پکڑ کر اُٹھانے کی کوش
کر رہی تھی۔ مجھے معلوم نہیں کہ میں وہاں سے اُن کی جھونپڑی تک کیسے پہنچا۔ رات کے
پچھلے پہر مجھے ہوش آیا تو میں ایک بستر پر لیٹا ہوا تھا اور میرے زخموں پر پٹیاں بند
ہوئی تھیں۔ کمرے کے ایک کونے میں آگ سلگ رہی تھی۔ میرے قریب دوسر
چارپائی پر کوئی اور سو رہا تھا۔ میں نے شدت کی پیاس محسوس کرتے ہوئے پانی مانگا
آشا جو شاید ساری رات نہیں سوئی تھی۔ میری آواز سنتے ہی برابر کے کمرے سے
اور مجھے پانی دیتے ہوئے بولی۔ "آپ رات کے بھوکے ہیں، میں نے آپ کے لیے
دودھ رکھ چھوڑا تھا۔ ابھی گرم کرتی ہوں۔" وہ دودھ گرم کرنے بیٹھ گئی اور میرا دل
شرم اور ندامت کے بوجھ سے پسا جا رہا تھا۔ بوڑھا جو میرے قریب لیٹا ہوا تھا ا
اس نے میرا بستر ٹٹولنے کے بعد میری پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "تمہارا بخار
ابھی کم نہیں ہوا لیکن مجھے یقین ہے کہ تم بہت جلد ٹھیک ہو جاؤ گے۔ جوانی کے زخ
بہت جلد بھر جاتے ہیں۔"

تیسرے دن میرا بخار قدرے کم ہو چکا اور میں کسی حد تک اطمینان سے اپنے
محسنوں کے ساتھ باتیں کر سکتا تھا۔ بوڑھے نے مجھ سے ابھی تک کوئی ایسا سوال نہیں
پوچھا تھا جس کا جواب دینا میرے لیے تکلیف دہ ہوتا۔ غالباً آشا اُسے میرے متعلق
یہ بتا چکی تھی کہ میں ان کے بدترین دشمنوں کی فوج کا ایک سپاہی ہوں۔ اس نے
مجھ سے یہ بھی نہ پوچھا کہ میں کب اور کیسے زخمی ہوا ہوں۔ میں اس کے لیے صرف ایک
بے بس انسان تھا۔

اسی دن جب آشا ندی سے پانی لینے گئی تو میں نے اپنے دل پر ایک ناقابلِ برداشت

بوجھ محسوس کرتے ہوئے بوڑھے سے کہا۔ "آپ جانتے ہیں، میں کون ہوں؟"
اس نے اطمینان سے جواب دیا۔ "مجھے معلوم ہے۔"
میں نے کہا۔ "آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ اگر حالات مجھے اس حالت میں یہاں نہ
لے آتے تو اب تک میری تلوار ان پہاڑوں میں کئی انسانوں کا خون بہا چکی ہوتی۔"
"مجھے معلوم ہے لیکن میں تمہیں مجرم نہیں سمجھتا۔ تم نے جس سماج کی گود میں آنکھ
کھولی ہے وہ صرف تمہیں تلوار سے وار کرنا سکھاتا ہے۔ انسانیت کی پکار سننے کے
لیے کان نہیں دے سکتا۔ تم ان دیوتاؤں کے سپاہی ہو جو اپنے پجاریوں کے سینوں
سے دل نکال لیتے ہیں اور اس کی جگہ پتھر رکھ دیتے ہیں۔"
میں نے کہا۔ "اور آپ اس پتھر کے دل والے انسان کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں؟"
وہ بولا۔ "نہیں بیٹا! پتھر کا دل تو اسی وقت چکنا چور ہو گیا تھا جب تمہارے
ہاتھوں نے آشا پر وار کرنے سے انکار کر دیا۔ اب میں تمہارے سینے میں ایک
انسان کے دل کی دھڑکنیں سن رہا ہوں لیکن اگر یہ نہ بھی ہوتا تو بھی تمہاری تیمار داری
ہمارا فرض تھا۔ تم اس اُجڑی ہوئی بستی میں ایک دشمن کی حیثیت سے نہیں بلکہ
ایک پناہ گزیں کی حیثیت سے آئے ہو۔ کاش میری آنکھیں ہوتیں اور میں تمہاری
خدمت کر سکتا۔"

اس کے بعد میں بوڑھے سے خاصا بے تکلف ہو چکا تھا۔ اس کی باتوں سے
مجھے معلوم ہوا کہ اس بستی کے کچھ لوگ نگر کوٹ کی افواج کی پیش قدمی روکنے کے
لیے جنوب کی طرف جا چکے تھے کہ شمال کی جانب سے نگر کوٹ کی ایک اور فوج
کی پیش قدمی کی خبر ملی۔ چنانچہ بستی کے لوگ خوفزدہ ہو کر جنگل کی طرف بھاگ نکلے
اور صرف ایسے لوگ یہاں رہ گئے جن کے عزیز جنوب میں محاذ پر گئے ہوئے تھے،
لیکن جب ان لوگوں کو یہ اطلاع ملی کہ نگر کوٹ کی فوج ندی پر پُل تعمیر کر کے آگے

بڑھنا چاہتی ہے تو وہ بھی راتوں رات رفو چکر ہو گئے۔ بوڑھے نے آشا کو سمجھ
کہ وہ بھی ان لوگوں کے ہمراہ چلی جائے لیکن اس نے اپنے اندھے بابا کو چھوڑ
گوارہ نہ کیا۔ اب یہ دونوں یہاں پر آشا کے بھائی کا انتظار کر رہے تھے۔ میں
بوڑھے کو ندی عبور کرنے کے بعد جو لڑائی ہوئی، اُس کے حالات سنائے تو ا
نے کہا۔" مجھے اُمید نہیں کہ اس جنگ میں ہماری بستی کے کسی آدمی نے حص
ہو۔ جن جوانوں میں لڑنے کی ہمت تھی، وہ پہلے ہی جنوب کی طرف جا چکے ہیں
لوگ جنھوں نے اس درجہ بہادری سے تمھاری فوج کا مقابلہ کیا ہے۔ شمال اور
کی بستیوں سے آئے ہوں گے۔"

بستی کے لوگ فرار ہوتے وقت اپنے بہت سے مویشی چھوڑ گئے تھے، یہ
اِدھر اُدھر چرنے کے بعد شام کے قریب بستی میں جمع ہو جاتے اور آشا اُنھ
درندوں سے محفوظ رکھنے کے لیے رات کے وقت چند گھروں میں بند کر دیتی
علی الصباح چھوڑ دیتی لیکن درندے بعض دفعہ دن کے وقت بھی بستی کے آس پا
دو چار مویشی ہلاک کر دیتے۔ ان حالات میں آشا کا پانی لینے ندی پر جانا خطرے
خالی نہ تھا لیکن بارش نہ ہونے کے باعث بستی کے قریب ایک چھوٹا سا چش
سوکھ پڑا تھا اور وہ جوہڑ جس میں بستی کے لوگ مویشیوں کے لیے پانی جمع ر
تھے، متعفن ہو گیا تھا اور اس کا پانی انتہائی مجبوری کی حالت میں بھی پینے
قابل نہ تھا۔

آشا پانی لے کر آئی تو بہت بد حواس ہو رہی تھی۔ ہم نے وجہ پوچھی تو اُ
نے بتایا کہ جب وہ پانی لے کر واپس آ رہی تھی تو راستے سے تھوڑی دور ایک
ایک گائے کو پھاڑ کر اس کا گوشت نوچ رہا تھا۔

میں نے کہا۔" ہم اس پانی سے تین چار دن گزاریں گے۔ اس کے بعد میں

پانی لانے کے قابل ہو جاؤں گا۔ آشا کو اب وہاں نہیں جانا چاہیے۔"

آشا نے مسکرا کر کہا۔" درندے انسان پر انتہائی بھوک کی حالت میں حملہ کرتے
ہیں اور اب آس پاس اتنے مویشی ہیں کہ کوئی درندہ بھوکا نہیں رہا ہو گا۔"

بوڑھا اُٹھ کر لاٹھی کے سہارے باہر نکلا اور تھوڑی دیر میں اندر آ کر کہنے لگا۔
"آشا کو اب وہاں نہیں جانا پڑے گا۔ مجھے اُمید ہے کہ کل تک بارش ضرور ہو جائے
گی۔"

میں نے لیٹے لیٹے کہا۔" باہر بادل تو معلوم نہیں ہوتے۔"

وہ بولا۔" ہوا بتا رہی ہے کہ بادل ابھی آ جائیں گے۔"

شام کے قریب میں بادلوں کی گرج سن رہا تھا اور آشا کہہ رہی تھی۔" میرے
بابا کی باتیں کبھی جھوٹ نہیں ہوتیں۔"

تھوڑی دیر بعد میں اپنے بستر پر لیٹا ہوا موسلا دھار بارش کی آواز سن کر اس
لیے خوش ہو رہا تھا کہ آشا کو اب پانی لانے کے لیے ندی پر نہیں جانا پڑے گا۔

ان حالات میں میرے دل میں کسی بدصورت لڑکی کے لیے بھی غایت درجہ
کا اُنس پیدا ہو جانا یقینی تھا اور آشا کی شکل و صورت تو ایسی تھی کہ اگر میں اُسے کہیں
راہ چلتے بھی دیکھ لیتا تو بھی میری نگاہیں عمر بھر بھٹکتی رہتیں۔ میں اس کے چہرے پر
ہلکی سی مسکراہٹ دیکھ کر یوں محسوس کرتا کہ بستی کی اُداس اور مغموم فضائیں مسرّت
کے قہقہوں سے لبریز ہو گئی ہیں لیکن یہ مسکراہٹیں تاریک بادلوں سے گزرنے
والے چاند کی طرح عارضی ہوتیں، اس کا چہرہ عام طور پر مغموم رہتا اور اُس کے
کی وجہ اس کے بھائی کی غیر حاضری تھی۔ آشا کے انتظار کا یہ عالم تھا کہ وہ ہر
صبح اس کے حصّے کا کھانا رکھ چھوڑتی اور جب شام ہو جاتی تو بھائی کے لیے رکھی
ہوئی باسی روٹی خود کھا لیتی اور اپنے حصّے کا کھانا اُس کے لیے سنبھال کر رکھ لیتی

تھی کہ شاید وہ رات کو کسی وقت آجائے۔

(۴)

جوں جوں دن گزر رہے تھے میرا یہ اندیشہ بڑھتا جا رہا تھا کہ جگت نرائن
شکست کا بدلہ لینے کے لیے ضرور کوئی نیا محاذ منتخب کرے گا۔ وہ اس بستی
زیادہ دور نہ تھا۔ میں اکثر سوچا کرتا کہ اگر وہ اس طرف آنکلا تو خالی جھونپڑوں
آگ لگانے سے دریغ نہیں کرے گا۔ اپنے لڑکوں کی موت نے اسے پاگل بنا
ہوگا۔ یہ ممکن نہیں کہ میری مداخلت سے وہ آشا اور اُس کے اندھے دادا پر
نکالنے سے باز رہ سکے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ میری طرف سے بغاوت کی صورت
میرے اپنے سپاہی میرا ساتھ دیں لیکن اس کا انجام کیا ہوگا؟ اگر بغاوت
دھمکی سے جگت نرائن اور اس کے ساتھ باقی سردار آشا اور اس کے دادا پر
اٹھانے سے باز آ بھی گئے تو بالآخر یہ معاملہ پروہت اور راجہ کے سامنے پیش
ہوگا۔ یہ قیدیوں کی حالت میں وہاں پیش ہوں اور جو لوگ اس جنگ میں مارے
ہیں۔ وہ سب ان بے گناہوں کے لیے زیادہ سے زیادہ سزا کا مطالبہ کریں گے
نگر کوٹ میں میرا کوئی دوست نہ ہوگا۔

ساتویں روز میں بستر سے اُٹھ کر آہستہ آہستہ چلنے پھرنے کے قابل ہو چکا
تھا۔ آشا علی الصباح اپنے مکان سے باہر ایک گائے کا دودھ دوہ رہی تھی۔
اپنے بستر سے اُٹھ کر باہر نکلا اور اس کے پاس ایک درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ
گیا۔ وہ دودھ دوہ کر اُٹھی تو میں نے کہا۔ "آشا! میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"
اس نے دودھ کا برتن میرے قریب رکھتے ہوئے کہا۔ "کہیے!"
میں نے کہا۔ "آشا تمہارا یہاں رہنا ٹھیک نہیں۔ میرا دل گواہی دیتا ہے

نگر کوٹ کی فوج جنوب یا شمال سے اس طرف ضرور آئے گی۔"

وہ بولی۔ "آپ کا مطلب ہے کہ میں اپنے اندھے دادا کو چھوڑ کر کہیں بھاگ جاؤں؟"

"نہیں آشا! تمہارے دادا کی مدد کے لیے میں تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔"

اس نے کہا۔ "لیکن آپ چلنے کے قابل نہیں ہوئے اور اگر آپ اس قابل ہوتے بھی تو ہم سُندر کا انتظار کیے بغیر کیسے جا سکتے ہیں۔" سُندر اُس لڑکی کے بھائی کا نام تھا۔

میں نے جواب دیا۔ "میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں تمہیں کسی محفوظ جگہ پہنچا کر پھر اس بستی میں واپس آجاؤں گا اور جب تمہارا بھائی آئے گا تو اسے تمہارے پاس پہنچا دوں گا۔"

وہ بولی۔ "لیکن ابھی آپ اچھی طرح چل نہیں سکتے۔ پھر آپ خود یہ کہتے ہیں کہ نگر کوٹ کی فوج برفانی پہاڑوں تک ہمارے لوگوں کا تعاقب کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ ممکن ہے کسی جنگل میں ہم اپنے آدمیوں کو تلاش کر لیں۔ لیکن جب آپ کی فوج اس طرف جائے گی تو لوگ وہاں بھی اس بستی کی طرح ہمیں چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ بابا میرا ہاتھ پکڑ کر بھی چند قدم سے زیادہ نہیں چل سکتا۔ ہمارا ساتھ کوئی نہیں دے گا اور ہم اگر آپ کی فوج کے ہاتھوں سے بچ بھی گئے تو تنہا جنگل میں بھٹکتے ہوئے درندوں کا شکار ہو جائیں گے۔"

میں نے کہا۔ "میں اس صورت میں تمہارے ساتھ رہوں گا لیکن تمہارا یہاں سے نکلنا ضروری ہے۔ اگر بھگوان کو منظور ہوا تو تمہارا بھائی تم سے آملے گا لیکن تم ایک عورت ہو۔ تم نے دیکھا ہے کہ چیتے کس بے دردی کے ساتھ مویشیوں کو ہلاک کرتے ہیں، وہ لوگ جنھیں میں جانتا ہوں چیتوں سے زیادہ بے رحم ہیں

چیتے اپنا پیٹ بھرنے کے بعد آرام سے بیٹھ جاتے ہیں لیکن ہمارے سماج کے
کے دلوں سے انسانوں کے خون کی پیاس کبھی ختم نہیں ہوتی۔ اگر مجھے صرف اس
کا یقین ہوتا کہ میں اپنی جان پر کھیل کر تمہیں بچا سکوں گا تو میں تمہیں یہ مشورہ
لیکن تمہارا واسطہ بھیڑیوں سے ہے۔ انسانوں سے نہیں۔ جب تمہارا بھائی
تو باقی بستی کی طرح اپنا گھر خالی دیکھ کر یہی سمجھے گا کہ تم بستی کے لوگوں کے ساتھ
چکی ہو۔ میں پھر یہ وعدہ کرتا ہوں کہ جب تک وہ تمہیں ڈھونڈ نہیں لے گا میں
ساتھ رہوں گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں ہمیشہ کے لیے تمہارے ساتھ رہوں۔
اپنی جان بچاؤ آشا! اگر اپنے لیے نہیں تو میرے لیے۔"

آخری الفاظ میں نے جذبات سے مغلوب ہو کر کہہ دیے۔ آشا نے
طرف دیکھا اور اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا "آپ نے میری جان کی قیمت بہت
بڑھا دی۔ میں چلنے کے لیے تیار ہوں۔"

میں نے کہا "تو ہم کل صبح ہوتے ہی یہاں سے نکل چلیں۔"

وہ بولی "اتنی جلدی نہ کیجیے، ابھی آپ نہیں چل سکیں گے۔"

میں نے اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا "میری فکر نہ کرو۔ اگر میری ٹانگ کی
تکلیف بڑھ گئی تو ہم ابتدائی منزلیں ذرا آرام سے طے کر لیں گے۔ میں ابھی تمہارے
دادا سے بات کرتا ہوں۔"

ہم اُٹھ کر اندر جانے کو تھے کہ آشا اچانک بدحواس سی ہو کر "بھیا! بھیا!
کہتی ہوئی ایک طرف بھاگنے لگی۔ کوئی تیس چالیس قدم دور ایک نوجوان دونوں
ہاتھوں سے اپنا پیٹ دبائے لڑکھڑاتا ہوا آ رہا تھا۔ اس کی چال بتا رہی تھی کہ وہ
بُری طرح زخمی ہے۔ میں بھی بھاگ کر آگے بڑھا اور ہم اُسے سہارا دے کر مکان
کی طرف لے آئے۔ آشا کا دادا باہر نکل کر چلا رہا تھا۔ "آشا! آشا! کہاں ہے

تمہارا بھیا!" اور سندر نحیف آواز میں آشا سے کہہ رہا تھا۔ "آشا تم بھاگ جاؤ، مجھے
چھوڑ دو۔ اب مجھے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں۔ جلدی کرو۔ آشا تم بھاگ جاؤ۔ وہ
میرے پیچھے آ رہے ہیں۔ وہ ابھی پہنچ جائیں گے۔" جھونپڑی کے قریب پہنچ کر وہ
ایک زوردار جھٹکے سے اپنے آپ کو ہماری گرفت سے آزاد کرتے ہوئے چلایا۔
وہ مشرق اور جنوب کی طرف سے اس بستی کے گرد گھیرا ڈال رہے ہیں۔ تم ندی
کے ساتھ ساتھ نیچے کی طرف جنگل میں پہنچ جاؤ۔ وہاں چند ساتھی تمہارا انتظار
کر رہے ہوں گے۔ اب جلدی کرو۔ سوچنے کا وقت نہیں، بابا آشا کو سمجھاؤ۔" ان
الفاظ کے ساتھ سندر کے منہ سے خون کی دھار بہہ نکلی اور وہ منہ کے بل گر پڑا۔ میں
نے جلدی سے اُسے اٹھانے کی کوشش کی لیکن وہ اپنی زندگی کا سفر ختم کر چکا
تھا۔ پھٹے ہوئے پیٹ سے باہر نکلی ہوئی انتڑیوں کو ہاتھوں کا سہارا دے کر
یہاں تک پہنچنا انسان کی قوت سے بعید تھا۔ آشا پتھرائی ہوئی آنکھوں سے
اپنے بھائی کی طرف دیکھ رہی تھی، تھوڑی دیر کے لیے میں بھی مبہوت سا ہو کر
اس خوش وضع نوجوان کی لاش دیکھتا رہا لیکن اچانک میں نے ایک جھرجھری
لی اور ایک ہاتھ سے آشا اور دوسرے ہاتھ سے اس کے دادا کا ہاتھ پکڑ کر ندی
کی طرف چل دیا۔ آشا اضطراری حالت میں چند قدم اٹھانے کے بعد رُک گئی اور
اس نے چلا کر کہا "نہیں میں اپنے بھائی کی لاش چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔ بوڑھا بھی
زمین پر بیٹھ گیا۔ میں نے کہا "بابا یہ آشا کی جان بچانے کا آخری موقع ہے۔ بھگوان
کے لیے اپنے پوتے کی آخری خواہش پوری کرنے سے انکار نہ کرو۔"

بوڑھے نے کہا "اگر تم آشا کی جان بچا سکتے ہو تو اُسے لے جاؤ۔ اب میں
تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔ اب میری ٹانگوں میں میرا بوجھ اٹھانے کی ہمت
نہیں رہی۔ آشا بیٹی جاؤ۔ میں ہاتھ جوڑتا ہوں۔"

میں آشا کو پکڑ کر کھینچنے لگا اور وہ ڈھاڑیں مارتی ہوئی میرے ساتھ چل پڑی
تھوڑی دیر کے بعد زندہ رہنے کی خواہش اس کے ہر زخم پر غالب آ چکی تھی اور
میرے ساتھ بھاگ رہی تھی۔ مجھے کچھ دیر اپنی جسمانی تکلیف کا احساس نہ
لیکن کوئی آدھ کوس چلنے کے بعد میری ہمت آہستہ آہستہ جواب دے رہی
میں نے بڑی مشکل سے ندی کے کنارے کنارے پہاڑ کے نشیب میں کوئی ایک
کوس فاصلہ طے کیا اور ہم ایک گھنے جنگل میں داخل ہو گئے۔ اب آشا میرا سہارا
دینے کی بجائے میری راہنمائی کر رہی تھی۔ اچانک گھنے درختوں کی اوٹ سے
پانچ مسلح نوجوان نمودار ہوئے اور ہمارا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے۔ یہ وہ
تھے جن کا آشا کے بھائی نے پتہ دیا تھا۔ ایک نوجوان نے مجھے مشکوک نگاہوں
سے دیکھا اور اپنی کلہاڑی بلند کرتے ہوئے کہا۔ "تم کون ہو؟"

میں نے کہا۔ "میں آشا کو تمہارے پاس پہنچانے کے لیے آیا ہوں۔ اب باتوں
کا وقت نہیں، آشا میرے متعلق یہ بتا سکے گی کہ میں تمہارا دشمن نہیں۔ تم اب اسے
کسی محفوظ جگہ لے جاؤ۔" پھر میں نے آشا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "آشا اب
میرے لیے تمہارے ساتھ بھاگنا مشکل ہے۔ میں اب بستی کی طرف واپس جاتا ہوں۔
ممکن ہے میں تمہارے بابا کی جان بچا سکوں۔"

ایک نوجوان نے سُندر کے متعلق پوچھا۔ میں نے جواب دیا۔ "سندر مر چکا ہے۔
اب وقت ضائع نہ کرو۔ مجھے اندیشہ ہے کہ شمال کی طرف سے نگر کوٹ کی دوسری
فوج نیچے کے کسی مقام سے ندی عبور کر کے اس طرف نہ آ رہی ہو۔ اس لیے
کے وقت تمہارے لیے ندی کے کنارے چلنے کی بجائے جنگل میں چھپ کر
چلنا بہتر ہو گا۔"

آشا جیسے خواب کی حالت میں ہماری باتیں سُن رہی تھی۔ وہ کچھ کہے بغیر

پتھرائی ہوئی نگاہوں سے میری طرف دیکھتی ہوئی ان آدمیوں کے ساتھ چل پڑی اور
میں ایک لٹے ہوئے مسافر کی طرح بستی کی طرف روانہ ہو گیا۔

(۵)

واپسی پر انتہائی کوشش کے باوجود میری رفتار بہت سُست تھی۔ میرے
پہنچنے سے پہلے فوج کے چند دستے بستی میں داخل ہو چکے تھے۔ چند سپاہی مجھے دور
سے دیکھتے ہی بھاگ کر میرے گرد جمع ہو گئے اور مجھ سے جگت نرائن کے ماتحت
لڑنے والی فوج کے حالات پوچھنے لگے۔ میں کوئی جواب دیئے بغیر آشا کے گھر کی
طرف بڑھا۔ سندر کی لاش کے قریب اس کے دادا کی لاش پڑی تھی لیکن یہ دونوں
لاشیں اس حد تک مسخ کر دی گئیں تھیں کہ میرے لیے ان کا پہچاننا مشکل تھا۔ ایک
سردار آگے بڑھ کر بے اختیار میرے ساتھ لپٹ گیا اور کہنے لگا۔ "بھگوان کی کرپا
ہے کہ تم زندہ ہو۔ ہم نے تمہارے متعلق بہت بُری خبر سنی تھی۔ کہاں سے آ رہے ہو
تم؟ جگت نرائن نے ہمیں پیغام بھیجا تھا کہ دشمن اس علاقے میں جمع ہو رہا ہے،
لیکن اس بستی میں ہمیں ایک لاش اور ایک اندھے کے سوا کچھ نہیں ملا۔ ہم
نے بستی پر حملہ کرنے سے پہلے دشمن کے لیے پہاڑ کی طرف جانے کے تمام راستے
بند کر دیئے تھے۔ میرا خیال ہے کہ وہ نیچے جنگل کی طرف بھاگ گئے ہوں گے۔"

میں نے اُسے کوئی جواب دینے کی بجائے کہا۔ "اس اندھے کو مارنے میں
کیا فائدہ تھا؟"

اس نے کہا۔ "ارے یار وہ کمبخت بڑا ضدی تھا۔ ہم اس سے بستی کے لوگوں
کے متعلق پوچھنا چاہتے تھے لیکن وہ ہمیں پاگلوں کی طرح گالیاں دے رہا تھا۔
میں نے اس کے منہ پر مُکا مارا اور وہ زمین پر ڈھیر ہو گیا۔ وہ شاید پہلے ہی مرنے

کے لیے کسی بہانے کا منتظر تھا لیکن تم نے یہ نہیں بتایا کہ تم کہاں سے آ
رہے ہو؟"

میں نے بڑی مشکل سے اپنا غصہ ضبط کیا اور پاس ہی ایک پتھر پر بیٹھ کر اُسے جواب دیا "میں زخمی تھا اور یہاں پاس ہی ایک جگہ چھپا ہوا تھا۔"

وہ بولا "تو آپ کو یہ خبر نہیں کہ سردار جگت نرائن کی فوج یہاں کب آئے گی؟ ہمیں سیناپتی نے یہ ہدایت کی تھی کہ ہم یہاں ان کا انتظار کریں۔ اپنی اطلاع کے مطابق انھیں آج ہی یہاں پہنچ جانا چاہیے۔ سیناپتی خود بھی اس طرف آ رہے ہیں، مجھے افسوس ہے کہ آپ کی فوج کی تباہی نے ہمارے تمام ارادے بدل دیے اور ہمیں وہ کامیابی جس کی اُمید تھی نصیب نہیں ہو سکی"

میں نے نفرت اور حقارت کے جذبات سے مغلوب ہو کر کہا "کیا ایک انسان کو مار دینا آپ کے نزدیک کامیابی نہیں؟"

سردار نے کہا "اگر آپ کا مطلب ہے کہ بستی کے لوگ ہماری کسی بے تدبیری کے باعث بچ گئے ہیں تو یہ غلط ہے۔ ہمیں صرف جنوب اور مشرق کی طرف سے اس بستی کے گرد گھیرا ڈالنے کی ہدایت کی گئی تھی اور اس طرف ہم نے دشمن کے لیے فرار ہونے کے تمام راستے بند کر دیے تھے۔ سردار جگت نرائن نے ہمیں اطلاع بھیجی تھی کہ وہ نیچے کے کسی مقام سے ندی عبور کرنے کے بعد مغرب کے جنگل میں پناہ لینے کے تمام راستے بند کر دے گا۔ اب دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ دشمن نے کسی جگہ پل بنا کر ندی عبور کر لی ہے اور وہ سردار جگت نرائن کی بے خبری سے فائدہ اُٹھا کر شمال کی طرف کہیں دور نکل گیا ہے۔ دوسری یہ کہ انھوں نے اپنی اطلاع کے مطابق ندی عبور کر کے مغرب کے جنگل کی طرف دشمن کے فرار ہونے کا راستہ بند نہیں کیا اور دشمن کو بھاگنے کا

موقع مل گیا ہے۔ تاہم مجھے یقین ہے کہ اگر وہ جنگل میں ہیں تو ہم انھیں بھیڑوں کی طرح گھیر کر مار سکیں گے۔ ہمارے سیناپتی ان لوگوں کے ساتھ نبٹنا جانتے ہیں۔ آپ کو یہ سُن کر خوشی ہو گی کہ ہم نے دشمن کو کئی شکستیں دینے کے بعد اس پہاڑ کے پیچھے کئی کوس وسیع علاقہ صاف کر دیا ہے۔"

سردار یہ سمجھ کر کہ میں جگت نرائن کی شکست کے ذکر سے چڑ گیا ہوں، مجھے اور زیادہ مرعوب کرنے کے لیے اپنی فتوحات کی تفصیلات سنا رہا تھا لیکن میرے خیالات کہیں اور تھے۔ میں صرف آشا کے متعلق سوچ رہا تھا اور انتہائی عاجزی کے ساتھ بھگوان سے دُعا مانگ رہا تھا کہ وہ جگت نرائن کی فوج کے جنگل میں داخل ہونے سے پہلے کہیں دور نکل جائے۔ میں ان دیوتاؤں کو بھی آشا کی مدد کے لیے بلا رہا تھا جن کی تقدیس کے متعلق میرے دل میں طرح طرح کے شکوک پیدا ہو چکے تھے لیکن میری دُعا قبول نہ ہوئی۔ شام سے کچھ دیر پہلے جگت نرائن اپنی فوج کے ساتھ اس بستی میں پہنچ گیا۔ آشا اُس کے قیدیوں کے ساتھ تھی۔ مجھ میں یہ ہمت نہ تھی کہ میں اس کے سامنے جا سکوں۔ میں جانتا تھا کہ اگر میں نے اس وقت دیوانگی سے کام لیا تو آشا کو بچانے کے رہے سہے امکانات بھی ختم ہو جائیں گے۔ اس لیے میں نے کسی کو یہ نہ بتایا کہ میں آشا کو جانتا ہوں اور جب میں موت کے قریب تھا تو اُس نے مجھے پناہ دی تھی۔ اپنے ساتھیوں کے سوالات کے جواب میں مَیں نے انھیں صرف یہ کہہ کر مطمئن کر دیا کہ میں نے ندی سے نکلنے کے بعد چند دن پاس ہی ایک غار میں گزارے ہیں اور آس پاس بھٹکنے والے ان مویشیوں کے دودھ پر گزارہ کرتا رہا ہوں جنھیں پہاڑی لوگ بھاگتے ہوئے پیچھے چھوڑ گئے تھے۔ جگت نرائن مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوا لیکن جب اُس

کہا کہ میں نے تمھارے آدمیوں سے تمھارے سر کے ہر بال کے بدلے ملیچھ کو موت کے گھاٹ اتارنے کی قسم لی تھی، تو میرا دل بیٹھ گیا۔

(۶)

رات کے وقت جب جگت نرائن ایک جھونپڑی میں آرام کر رہا تھا، اس کے پاس پہنچا اور اُسے اپنی سرگزشت سنائی لیکن احتیاطاً آشا کے دادا کا ذکر چھیڑنے کی بجائے، میں نے صرف یہ بتانے پر اکتفا کیا کہ میں کے کنارے مر رہا تھا کہ ایک لڑکی اس طرف آنکلی اور وہ میری حالت رحم کھا کر مجھے اس اجڑی ہوئی بستی میں لے آئی اور میری تیمارداری رہی۔

جگت نرائن نے مجھ سے سوال کیا۔ "وہ لڑکی کہاں ہے؟"

میں نے جواب دیا۔ "وہ فوج کی آمد سے پہلے کہیں روپوش ہو گئی تھی۔ میں آپ کے پاس یہ درخواست لے کر آیا ہوں کہ اگر وہ کہیں پکڑی جائے آپ مجھ پر اُس کے احسانات کا لحاظ کرتے ہوئے اس کی جان بچانے کی کریں۔"

جگت نرائن نے اپنے تیور بدلتے ہوئے جواب دیا۔ "اس نے تم پر احسان نہیں کیا، تمھاری جان دیوتاؤں نے بچائی ہے۔ دیوتا اگر چاہیں تو ایک بچھو کو ڈنک مارنے سے باز رکھ سکتے ہیں۔ دیوتا چاہتے تھے تم دھرم کی سیوا کے لیے زندہ رہو، اس لیے انھوں نے ایک ڈائن کے دل میں تمھارے لیے تھوڑی دیر کے لیے رحم ڈال دیا لیکن میں تمھیں مایوس نہیں کرتا۔ اگر وہ ہمارے ہاتھ آگئی تو میں یہ کوشش کروں گا کہ اُسے مندر

سیوا کے لیے بھیج دیا جائے۔ ابھی تھوڑی دیر ہوئی جنگل میں ہم نے ایک لڑکی کو پکڑا تھا۔ وہ بہت خوبصورت تھی اور پروہت کے بھائی نے مجھ سے کہا تھا کہ ایسی لڑکیوں کی ہمیں شیوجی کے مندر میں ضرورت ہے۔ تم نے قیدیوں کو دیکھا ہے نا؟"

میں جانتا تھا کہ اس کا اشارہ آشا کے سوا کسی اور کی طرف نہیں لیکن میں نے جواب دیا۔ "میں دیکھ چکا ہوں لیکن وہ ان میں سے نہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ اس نے کہیں ندی میں چھلانگ نہ لگا دی ہو۔"

جگت نرائن نے کہا۔ "تو پھر یہ تمھارا قصور ہوگا۔ تم نے اُسے بتا دیا ہوگا کہ ہم لوگ بہت ظالم ہیں اور اپنے قیدیوں کے ساتھ بہت بُرا سلوک کرتے ہیں۔"

میں نے حقارت کے ساتھ جواب دیا۔ "ہاں میں نے اُسے یہ بھی بتا دیا تھا کہ شیوجی کے مندر میں دیوداسیوں کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے۔"

جگت نرائن غصے سے کانپتے ہوئے چلایا۔ "خاموش رہو۔ مجھے بار بار اس بات کا احساس نہ دلاؤ کہ میں نے تمھیں ایک سپاہی سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ اگر تمھارا دل اس قدر نازک ہے تو تم واپس جا سکتے ہو۔ ویسے اب تم اس قابل نہیں ہو کہ کسی جنگ میں حصہ لے سکو۔ اپنے بیٹوں کی موت کے بعد میں یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ تم ان ملیچھوں کی طرفداری کرو۔"

میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اگر میری جگہ آپ کا بیٹا ہوتا تو پھر بھی آپ مجھے یہی جواب دیتے؟"

جگت نرائن نے حقارت سے جواب دیا۔ "اگر تمھاری جگہ میرا بیٹا ہوتا تو ان لوگوں کی مدد سے زندہ رہنے کی بجائے ندی میں ڈوب جانا بہتر سمجھتا۔"

میں انتہائی مایوسی کی حالت میں جھونپڑی سے باہر نکل رہا تھا کہ جگت نرائن

نے مجھے آواز دے کر دوبارہ اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔ "اگر میرا قیاس
نہیں تو تم اس لڑکی کے متعلق مجھ سے کوئی بات چھپا رہے ہو۔"
"کون سی بات؟" میں نے اپنی پریشانی پر قابو پانے کی کوشش کرتے
کہا۔

میری طرف سر سے پاؤں تک دیکھنے کے بعد جگت نرائن نے میرے
پر نگاہیں گاڑ دیں اور بولا۔ "میرے پاس آنے سے پہلے تمہیں معلوم تھا کہ وہ
ہے اور تم اس کا پتہ دینے سے پہلے میرے خیالات معلوم کرنا چاہتے تھے۔
یہ خیال غلط نہیں تو میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ تم آگ سے کھیلنے کی کوشش
کرو۔ میں تم سے یہ نہیں پوچھتا کہ تم نے اُسے کہاں چھپا رکھا ہے لیکن تم سے
کہوں گا کہ اگر یہ بات ثابت ہو گئی کہ تم نے ایک ملیچھ لڑکی کو بھاگنے میں مدد
تو تم نگرکوٹ کے کسی سپاہی کو اپنا دوست نہیں پاؤ گے۔ تمہارے لیے یہ لوگ
سومناؤں کو بھولنے کے لیے تیار نہیں ہوں گے جو دھرم کے ان دشمنوں
ہلاک ہو چکے ہیں۔"

میں اپنے دل پر ایک ناقابل برداشت بوجھ لے کر وہاں سے نکلا۔ میرا
کہتا تھا کہ اگر میں صبح سے پہلے آشا کو قید سے چھڑانے کی کوئی تدبیر نہ کر سکا
تک باقی فوج پہنچ جائے گی اور میرے لیے آشا کی مدد کرنے کے امکانات
جائیں گے۔ ہر لحظہ میری پریشانی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ آسمان پر بادل گرج
تھے۔ میں اس جھونپڑی کی طرف بڑھا جہاں قیدیوں کو جمع کیا گیا تھا۔ پہریداروں
سے چند میرے اپنے آدمی تھے اور مجھے یقین تھا کہ وہ میری خاطر بڑی سے
قربانی سے دریغ نہیں کریں گے لیکن مجھے یہ اطمینان نہ تھا کہ وہ میرے
کا عتاب مول لینے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ میں کسی کو اپنا راز دار بنانے

پہلے اس کا دل ٹٹولنا ضروری سمجھتا تھا۔ ایک نوجوان جس کا نام بنسی داس تھا میری
فوج کے ایک دستے کا افسر تھا اور میں اس کے متعلق جانتا تھا کہ حملے کے آغاز میں جگت
نرائن کے حکم پر عورتوں اور بچوں کے قتل پر وہ بہت برگشتہ تھا۔ چنانچہ پہرے داروں
میں سے کسی کے ساتھ بات کرنے کی بجائے میں نے اُسے تلاش کیا اور اُسے ایک
طرف لے جا کر اپنی تمام سرگزشت سُنا دی۔ بنسی داس نے کسی تذبذب کے بغیر
آشا کو قید سے چھڑانے کا وعدہ کیا۔ کچھ دیر بحث کرنے کے بعد ہم ایک تجویز پر متفق
ہو گئے۔ بنسی داس مجھے فوج کے پڑاؤ سے کچھ فاصلے پر ایک جگہ بٹھا کر چلا گیا اور
تھوڑی دیر بعد اپنے دستے کے آٹھ ایسے آدمیوں کو میرے پاس لے آیا، جن
کے متعلق ہمیں یقین تھا کہ وہ کوئی سوال پوچھے بغیر ہر حکم کی تعمیل کریں گے۔ ان
آدمیوں کو میں نے بتایا کہ ہمیں فوج میں ایک خطرناک سازش کا علم ہوا ہے اس
لیے سردار جگت نرائن کی خواہش ہے کہ چند آدمیوں کو چپکے سے گرفتار کر لیا جائے
اس کے بعد بنسی داس قیدیوں کے پہرے داروں کے پاس گیا۔ پہریداروں کی ٹولی
کا افسر جگت نرائن کا اپنا آدمی تھا۔ بنسی داس نے اُسے بتایا کہ سردار جگت
نرائن مجھے پڑاؤ میں گشت کرتے ہوئے ملے ہیں اور وہ تمہیں بلاتے ہیں۔ پہریداروں
کا افسر بنسی داس کے ساتھ چل پڑا۔ تھوڑی دیر بعد ہم کچھ فاصلے پر اُن کی باتیں سُن
رہے تھے۔ پہریداروں کا افسر کہہ رہا تھا۔ "سردار بہت تھکے ہوئے تھے۔ مجھے انھوں
نے شام کے وقت ہی کہہ دیا تھا کہ میں بہت جلد سو جاؤں گا۔ اس طرف اُجاڑ
میں وہ کیا کر رہے ہیں۔" اور بنسی داس اُسے سمجھا رہا تھا کہ آگے کئی جھونپڑیاں
ہیں اور سردار ایک جھونپڑی سے باہر کھڑا واسدیو کے ساتھ باتیں کر رہا ہے۔
میں حیران ہوں کہ تم ڈرتے کیوں ہو۔
بنسی داس کے آخری الفاظ کارگر ثابت ہوئے اور پہریداروں کے افسر

نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "ارے یار ڈرتا کون ہے۔"

خوش قسمتی سے تاریکی میں وہ ہم میں سے ہر ایک کو جگت نرائن سمجھ رہا تھا
نے میرے اشارے پر عمل کیا اور اسے آن کی آن میں رسیوں میں جکڑ دیا گیا۔ ایک
نے اس کی گردن پر خنجر رکھتے ہوئے دھمکی دی کہ اگر تم نے شور مچایا تو تمہا
خیر نہیں۔

بنسی داس پھر تاریکی میں غائب ہو گیا اور تھوڑی دیر میں دو اور پہریدار
آیا اور انھیں باندھنے کے بعد اُن کی جگہ اپنے دو آدمی ساتھ لے گیا۔ ہم نے ا
کے منہ پر احتیاطاً کپڑے باندھ دیے تاکہ وہ کسی کے ساتھ بات نہ کر سکیں
بنسی داس کی اطلاع کے مطابق باقی پہریداروں میں سے چار ہمارے اپنے
تھے اور تین دوسرے سرداروں کی فوج سے تعلق رکھتے تھے۔

اب ہماری تجویز یہ تھی کہ بنسی داس خود پہرے داروں کے افسر کی جگہ
لے گا اور آدھی رات دوسرے دستوں کے تین پہرے داروں کو بھی کسی
بہانے وہاں سے رخصت کر دے گا۔ اس کے بعد وہ مجھے اطلاع دے
داس کو آخری بار رخصت کرنے سے پہلے میں نے اُسے دوسرے
سے علیحدہ کر کے سمجھایا کہ وہ آشا سے ملے اور اسے میری طرف سے
دے کہ وہ قیدیوں کو آدھی رات کے قریب بھاگنے کے لیے تیار رکھے
کو گئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ مجھے
پر قدرے اطمینان ہوا کہ باقی فوج جو باہر پڑی ہوئی تھی، اب جھونپڑ
اندر گھسنے کی کوشش کرے گی۔ میں نے ایک سپاہی سے اس کے ہتھ
لیے اور انتہائی بے قراری کے ساتھ بنسی داس کے پیغام کا انتظار کر
آدھی رات سے کچھ دیر پہلے وہ بھاگتا ہوا میرے پاس آیا۔ میں اُسے د

کھڑا ہو گیا۔ وہ مجھے بازو سے پکڑ کر کھینچتا ہوا ایک طرف لے گیا اور بولا "میں قیدیوں کے
بھاگنے کا راستہ صاف کر چکا ہوں لیکن آشا کے متعلق میں ایک افسوس ناک خبر لے
کر آیا ہوں۔"

میرا دل بیٹھ گیا اور میں نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔ "بھگوان کے لیے بتاؤ
کیا ہوا؟"

اس نے کہا۔ "ابھی پروہت کے بھائی نے دو پجاریوں کو بھیجا تھا اور وہ آشا
کو اُس کے پاس لے گئے ہیں۔ میں اگر کوئی مزاحمت کرتا تو یہ تمام کھیل بگڑ جانے
کا اندیشہ تھا۔"

میں نے بنسی داس کو سمجھایا کہ میں آشا کو وہاں سے نکالنے کی کوشش کروں گا
اور تم تھوڑی دیر انتظار کے بعد تمام قیدیوں کو رہا کر دو اور انھیں یہ بھی سمجھا دو کہ
ان کا ایک ساتھ چلنے کی بجائے جنگل یا پہاڑ کی طرف منتشر ہو جانا بہتر ہو گا۔ تمہارے
لیے بھی بھاگ نکلنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اگر کبھی وقت آیا تو شاید میں تمہیں اس
احسان کا بدلہ دے سکوں۔ لیکن اگر میں تمہارے احسان کا بدلہ نہ بھی دے سکا تو تمہیں
یہ اطمینان رہے گا کہ تم نے بھگوان کی مرضی پوری کی ہے۔ اس کی نگاہ میں تمہارا درجہ
دیوتاؤں سے اونچا ہو گا۔"

بنسی داس نے جواب دیا۔ "میں آخری وقت تک تمہارے ساتھ ہوں۔ آپ
تھوڑی دیر پروہت کے بھائی کی قیام گاہ سے باہر میرا انتظار کریں۔ میں قیدیوں
کو رہا کرتے ہی وہاں پہنچ جاؤں گا۔ آپ وہ جھونپڑی تلاش کر سکیں گے؟"

میں نے جواب دیا۔ "وہاں میں آنکھیں باندھ کر جا سکتا ہوں۔ وہ ظالم اُسی
گھر میں ٹھہرا ہے جہاں مجھے پناہ ملی تھی۔"

(۷)

تھوڑی دیر بعد میں آشا کے گھر کی دیوار کے قریب ایک درخت کے نیچے
پروہت کے بھائی کے یہ الفاظ سن رہا تھا۔ "تم دیوانی ہو۔ یہ تمھاری خوش قسمتی
کہ میں نے تمھیں جنگل میں گرفتار ہوتے وقت دیکھ لیا تھا۔ تم جیسی خوبصورت
کو زندہ رہنا چاہیے اور میں تمھیں جو زندگی عطا کر سکتا ہوں۔ اس پر نگر کوٹ
اونچی ذات کی ہزاروں لڑکیاں رشک کریں گی۔ تم اس جنگل سے نکل کر
مندر کی سیر کرو گی جو راجوں کے محلوں سے زیادہ عالی شان ہے اور جس کے
سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھاتے ہیں۔ میں اس پروہت کا بھائی ہوں
جس کے سامنے نگر کوٹ کا راجہ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہوتا ہے۔ میں تمھیں شدھ
اپنے گھر میں جگہ دوں گا۔ میں نے تمھیں اس لیے بلایا تھا کہ مجھے تمھارا قیدیوں
ساتھ رہنا پسند نہیں تھا۔ دیکھو میں نے یہ سمجھ کر کہ تمھیں بھوک ہوگی اپنا
تمھارے لیے رکھ چھوڑا تھا۔ بیٹھ جاؤ۔ دیکھو مجھے ناراض کرنے کا مطلب
کہ کالی دیوی کے سامنے دوسرے قیدیوں کی طرح تمھارا بھی بلیدان دیا جا

آشا کی آواز سنائی دی "ذلیل کتے! مجھے ہاتھ نہ لگاؤ۔ مجھے ہاتھ نہ لگاؤ!
مار سکتے ہو، میری عزت نہیں چھین سکتے۔ مجھے چھوڑ دو، ورنہ میں شور مچاؤں گی"

پروہت کے بھائی نے کہا "تم اگر چلاؤ بھی تو اس وقت کسی کو اس جھونپڑی
کے قریب آنے کی جرأت نہیں ہوگی۔ اس وقت نگر کوٹ کا راجہ بھی یہاں ہو
تمھاری چیخوں پر توجہ دینے کی جرأت نہیں کرے گا۔"

آشا چلا رہی تھی "مجھے چھوڑ دو۔ میں اپنے بھائیوں کے ساتھ مرنے کے لیے
تیار ہوں۔"

میری قوت برداشت جواب دے چکی تھی اور میں آگے بڑھ کر جھونپڑی

اندر داخل ہونے کو تھا کہ مجھے گشت کرنے والے سپاہیوں کی ایک ٹولی کی چاپ سنائی
دی اور میں پھر درخت کے ساتھ سمٹ کر کھڑا ہو گیا۔ آشا کی چیخ پکار سُن کر سپاہی
بھاگ کر آگے بڑھے اور ایک سپاہی دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے "مہاراج! مہاراج!"
کہہ کر آوازیں دینے لگا۔ اندر سے پروہت کا بھائی گرجتی ہوئی آواز کے ساتھ چلایا۔
"گدھا کہیں کا، بھاگ جا یہاں سے، ورنہ میں تمھاری کھال اتروا دوں گا۔"
سپاہی رفوچکر ہو گئے۔ میں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولنے کی کوشش کی
لیکن وہ اندر سے بند تھا۔ پروہت کا بھائی آشا سے کہہ رہا تھا "دیکھ لیا تم نے؟
تمھاری چیخیں بے فائدہ ہیں۔ اب اطمینان کے ساتھ بیٹھ جاؤ اور غور سے میری
باتیں سنو۔"

مجھے معلوم تھا کہ دروازہ کافی مضبوط ہے اور معمولی دھکے کے ساتھ اُسے توڑنا
ممکن نہیں، لیکن قدرت نے میری مدد کی اور اچانک ایک طرف سپاہیوں کی چیخ اور
پکار سنائی دینے لگی۔ میں نے زور سے دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے کہا "مہاراج! مہاراج!
دشمن نے حملہ کر دیا ہے۔ اپنی جان بچائیے!"

میری تدبیر کارگر ہوئی۔ پروہت کے بھائی نے جلدی سے دروازہ کھول کر باہر
جھانکا اور میں نے اس کے سینے پر تلوار کی نوک رکھتے ہوئے کہا "اگر تم نے شور
کیا تو تمھاری جان کی خیر نہیں۔"

پروہت کا بھائی اُلٹے پاؤں پیچھے ہٹا اور میں نے جھونپڑی میں داخل ہوتے
ہی دوسرے ہاتھ سے پروہت کے بھائی کے منہ پر ایک گھونسا رسید کر دیا۔
پروہت کا بھائی گر پڑا اور آشا سسکیاں لیتی ہوئی مجھ سے لپٹ گئی۔ پروہت
کے بھائی کو بے ہوش دیکھ کر میں نے اُسے باندھنے کی ضرورت محسوس نہ کی اور
لکڑی کی مشعل کمرے کے ایک کونے میں جل رہی تھی، بجھا کر آشا کے ساتھ باہر

نکل آیا۔ اتنی دیر میں بنسی داس پہنچ چکا تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ میں سرائے

ی۔ ٹانگ میں ہر لحظہ بڑھتے ہوئے درد نے مجھے جلد ہی کوئی فیصلہ کرنے پر

بھگا دیا ہے لیکن پڑاؤ سے باہر نکلنے سے پہلے گشت لگانے والے پہرے

کی کسی ٹولی نے انھیں دیکھ کر شور مچا دیا۔ اب بہت سے سپاہی جنگل کی مجبور کر دیا۔

میں نے پہلے بنسی داس سے وعدہ لیا کہ وہ میرا ہر حکم مانے گا اور پھر آشا

کا پیچھا کر رہے ہیں اور باقی فوج افراتفری کی حالت میں اِدھر اُدھر بھاگ

ف متوجہ ہو کر کہا "آشا یہاں سے ہمارے راستے جدا ہوتے ہیں۔ میں تمھارے

اکثر سپاہی یہ سمجھ رہے ہیں کہ دشمن نے ہم پر حملہ کر دیا ہے۔ ہمارے

لیے نہیں جا سکتا۔ اس لیے آگے بنسی داس تمھارا ساتھ دے گا۔"

جنگل کی بجائے پہاڑ کا راستہ بہتر ہوگا۔

آشا نے جواب دیا "آپ کے سوا مجھے کسی ساتھی کی ضرورت نہیں۔ ہم ایک

چنانچہ ہم پہاڑ کی طرف چل دیے۔ بجلی کی چمک میں ہم کبھی کبھی

جان دیں گے۔"

کا راستہ دیکھ لیتے تھے۔ سپاہی بدحواسی کی حالت میں شور مچاتے ہوئے میں نے کہا "آشا میرا کہا مانو، مجھے اپنے لیے کوئی خطرہ نہیں۔ میں ایک سرار

بھاگ رہے تھے۔ افراتفری کا یہ عالم تھا کہ اگر ہم تینوں قیدی ہوتے تو وہ مجھے کچھ نہیں کہیں گے۔ میں اپنے سپاہیوں کے بل بوتے پر فوج کے ہر

ہماری کوئی پروا نہ کرتا۔ ہم کسی مشکل کا سامنا کیے بغیر پڑاؤ سے نکل گئے۔ کے ساتھ ٹکر لے سکتا ہوں لیکن اگر تم پکڑی گئیں تو تمھاری حمایت کے

دیر بعد آبشار کا شور سن کر میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ ہم اس مقام کے میرے سپاہی بھی تلواریں نہیں اُٹھائیں گے۔ آشا! میں تم سے ضرور ملوں گا،

پہنچ چکے ہیں جہاں آشا کے ساتھ میری پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ بجلی کی اگر تم پکڑی گئیں تو میں تمھارے سامنے اپنے سینے میں خنجر گھونپ لوں گا۔

کے ساتھ میں وہ پگڈنڈی بھی دیکھ چکا تھا جو آبشار کے قریب جاتی تھی۔ کہا مانو آشا! مجھے کوئی خطرہ نہیں۔" یہ ایک فریب تھا۔ میں جانتا تھا کہ ان

پگڈنڈی کو چھوڑ کر سیدھے پہاڑ کی طرف جا رہے تھے۔ اب تک ایک غیر متوقع ... ات کے بعد کوئی میری حمایت کے لیے انگلی تک نہیں اُٹھائے گا لیکن

نے مجھے اپنی جسمانی تکلیف کا احساس نہیں ہونے دیا تھا لیکن اطمینان پر میری باتیں اثر کیے بغیر نہ رہیں۔

اس نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا "مجھے آپ کا حکم ماننے سے انکار

لیتے ہی میری ہمت جواب دینے لگی۔ دن کے وقت آشا کو جنگل تک

کی جدوجہد میں میری ٹانگ کا زخم دوبارہ خراب ہو چکا تھا اور اب میں نہیں ہے لیکن یاد رکھیے! مجھے آپ کے بغیر زندگی کے ایک لمحے کی بھی

کے باعث سخت درد محسوس کر رہا تھا۔ میرے لیے یہ احساس بہت تلخ تھا ضرورت نہیں۔"

میں نے کہا "ہم بہت جلد ملیں گے۔ آشا جاؤ۔"

زیادہ دیر تک آشا اور بنسی داس کا ساتھ نہیں دے سکوں گا اور اگر میں

وہ بنسی داس کے ساتھ چل پڑی۔ بجلی کی چمک میں میں نے چند قدم دور

ان کے ساتھ چلتا رہا تو صبح تک ہم زیادہ دور نہیں جا سکیں گے۔ سپاہی

روشنی میں ہمیں ڈھونڈ نکالیں گے اور صرف میری وجہ سے دو اور جانیں ان کی آخری جھلک دیکھی اور پھر ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد بارش ختم

گئی اور پچھلی رات کا چاند نمودار ہونے لگا۔ انتہائی بے بسی کے احساس
اپنے گرد و پیش سے بے نیاز کر دیا تھا لیکن تھوڑی دیر سستانے کے
کیوں میرے دل میں اس چٹان کو دیکھنے کی خواہش پیدا ہو گئی۔ جہاں
کے بعد میں اپنی دنیا سے نکل کر آشا کی دنیا میں پہنچ گیا جہاں سے تنگ
راستہ نیچے ندی کی طرف جاتا تھا۔ میں دوبارہ سانس لینے کے لیے
بیٹھ گیا اور نیچے آبشار کا منظر دیکھنے لگا لیکن اب اس منظر میں میرے
جاذبیت نہ تھی۔ زندگی کے ساتھ میرا رشتہ ٹوٹ رہا تھا۔ میں بیٹھ کے
آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔ بادل چھٹ چکے تھے اور آسمان پر چاند اور
کر میرے دل میں اس وقت یہ خیال آرہا تھا کہ تھوڑی دیر قبل فضا
تاریکی چھائی ہوئی تھی اور اب قدرت نے تاریک بادلوں کی جگہ چاند
قندیلیں روشن کر دی ہیں لیکن اس ملک پر صدیوں سے مہیب تاریکیاں
اور نہ معلوم کب تک ان تاریکیوں میں گھرے ہوئے انسانوں کی نگاہیں
تلاش میں بھٹکتی رہیں گی۔ کیا اس سرزمین سے ان دیوتاؤں کا طلسم نہیں
جنھوں نے ایک انسان کے دل میں دوسرے انسان کے لیے نفرت
کا بیج بویا ہے؟

میں اپنے انجام کا تصور کرنے لگا۔ مجھے یقین تھا کہ صبح ہوتے
جاؤں گا۔ میرے خلاف گواہی دینے کے لیے کئی آدمی موجود ہوں گے
کا بھائی ہوش میں آتے ہی چیخ و پکار شروع کر دے گا، وہ نگر کوٹ
کو میرے خون کا پیاسا بنا دے گا۔ میرے اپنے آدمی مجھے پاگل سمجھیں
مجھے قتل کرنے کی بجائے وہ زندہ پکڑنے کی کوشش کریں گے اور
کالی دیوی کے سامنے میرا بلیدان دیا جائے گا۔ میرا خون کالی دیوی

رہا ہوگا اور لوگ "کالی دیوی کی جے" کے نعرے لگا رہے ہوں گے۔
میں نے سوچا کہ اگر موت ہی میرے مقدر میں ہے تو میں کالی دیوی کے مندر
پہنچنے کا انتظار کیوں کروں؟ میں اس کے غلیظ پاؤں میں جان دینے کی بجائے
آبشار میں کیوں نہ کود جاؤں؟ میں اُس وقت کے لیے کیوں زندہ رہوں جس کا
ہ میرے لیے موت سے زیادہ بھیانک ہوگا۔ میں اٹھ کر ایسی جگہ کھڑا ہو گیا
ں سے ایک قدم آگے بڑھ کر میں مہیب کھڈ کی گہرائی میں پہنچ سکتا تھا۔ یہ
یا جس میں چند دن قبل میرے لیے سب کچھ تھا۔ اب بے حقیقت بن چکی
ی لیکن ایک تصور ایسا بھی تھا جس نے ابھی تک میرا دامن پکڑ رکھا تھا۔ میرے
ل کی دھڑکنیں "آشا! آشا!" پکار رہی تھیں۔ میں نے کانپتے ہوئے آنکھیں بند
لیں اور ایک پاؤں سے پتھر کا کنارا ٹٹولنے لگا لیکن اچانک پیچھے سے ایک آواز
ئی اور اس نے میرے ہاتھ پاؤں زندگی کی ان زنجیروں میں جکڑ دیے جنھیں
یں قریباً توڑ چکا تھا۔ یہ آشا کی آواز تھی۔ وہ میرا نام پکارتی ہوئی آگے بڑھی اور
میرا بازو پکڑ کر پیچھے کھینچنے لگی۔

اس نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔ "آپ اس کھڈ میں کود کر دوسرے
کنارے پہنچنا چاہتے تھے۔ آپ کو اس کی گہرائی کا علم نہیں۔ اس جگہ تو اگر درخت
بھی گر جائے تو آبشار کا پانی اُسے بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔

"آشا! تم واپس کیوں آئیں؟" میں نے اپنی حیرانی پر قابو پانے کی کوشش کرتے
ہوئے پوچھا۔

وہ بولی۔ "واسدیو! تمھیں یہ کیسے یقین ہو گیا تھا کہ میں تمھیں موت کے منہ
میں چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔ مجھے جھوٹی تسلیاں دینے کی ضرورت نہ تھی۔"

میں بولا۔ "تمھیں مجھ پر اعتماد کرنا چاہیے تھا۔ آشا اب بھی وقت ہے کہ تم

بھاگ جاؤ، بسنی داس کہاں ہے؟"

آشا نے اطمینان کے ساتھ کہا "بسنی داس اب دور جا چکا ہے"

میں نے کہا۔ "مجھے اس سے توقع نہ تھی کہ وہ تمہیں پیچھے چھوڑ…

وہ بولی "اس نے میرا ساتھ نہیں چھوڑا بلکہ میں خود اس کی نگاہ…
کر آگئی ہوں۔"

میں نے درد بھری آواز میں کہا "لیکن کیوں؟ اس بے وقوف نے…
ہوگا کہ میری زندگی خطرے میں ہے۔"

آشا نے جواب دیا "اُسے یہ بتانے کی ضرورت نہ تھی۔ وہ میرے…
کے آنسو مجھے سمجھانے کے لیے کافی تھے۔"

میں نے نڈھال سا ہو کر پتھر پر بیٹھتے ہوئے کہا "آشا میں موت…
ڈرتا لیکن تم نے واپس آکر میرے لیے موت کا تصور بہت ہیبت ناک…
اگر تم تھوڑی دیر اور مجھے آواز نہ دیتیں تو میں اس کھڈ میں کود گیا ہوتا۔ ا…
نہیں کہ میں بچ کر دوسرے کنارے پہنچ جاؤں گا بلکہ اس یقین کے ساتھ…
لاش ان بھیڑیوں کے ہاتھ نہیں آئے گی۔"

آشا نے میرے قریب بیٹھتے ہوئے کہا "مجھے صرف اس بات کا…
کہ آپ کہیں بھگوان کی مرضی کے خلاف جانے کی کوشش نہ کریں۔"

میں نے چلا کر کہا "تمہارے خیال میں میرے بھگوان کی مرضی یہی…
تمہیں اپنی آنکھوں کے سامنے اُن لوگوں کی قید میں جاتا ہوا دیکھوں اور…
کے سامنے میرا بلیدان دیا جائے؟"

"نہیں،" وہ بولی۔ "آپ کا بھگوان آپ کو زندہ رکھنا چاہتا ہے۔ اگر یہ…
ہوتی تو آپ اس دن ندی سے بچ کر نہ نکلتے۔ میرے بابا نے کہا تھا کہ بھگوان…

سے کوئی کام لینا چاہتا ہے۔"

میں نے کہا "تم پگلی ہو آشا۔ اگر انھوں نے مجھے زندہ رکھا تو بھی میرے لیے
نگر کوٹ کے قید خانے کی بدترین کوٹھڑی ہوگی۔ تم سے دوبارہ ملنے کی امید پر میں
شاید باقی عمر وہاں گزارنا بھی گوارا کر لیتا۔ لیکن تمہارے ساتھ وہ لوگ جو سلوک کریں
گے اس کا تصور مجھے اپنے ہاتھوں اپنا گلا گھونٹنے پر آمادہ کرتا رہے گا۔"

آشا نے جواب دیا "وہ میری زندگی میں مجھے ہاتھ نہیں لگا سکیں گے۔ لیکن
آپ مجھ سے وعدہ کریں کہ آپ خودکشی نہیں کریں گے۔ میں اگر مر بھی گئی تو کسی
اور روپ میں آکر آپ کو تلاش کروں گی۔"

میں نے آشا کو بہت سمجھایا کہ اب بھی تمہارے لیے جان بچانے کا موقع ہے لیکن
وہ میری التجائیں سننے کے لیے تیار نہ تھی۔ مشرق سے صبح کا ستارہ نمودار ہو رہا تھا اور
میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ تھوڑی دیر میں فوج ہماری باقاعدہ تلاش شروع کر دے
گی۔ آشا نے اب میرے لیے زندگی کا ساتھ چھوڑنا مشکل بنا دیا تھا۔ میں اس
کے لیے زندہ رہنا چاہتا تھا اور میری حالت اس شخص سے مختلف نہ تھی جو آندھیوں
میں چراغ جلا رہا ہو۔ کبھی میں سوچ رہا تھا کہ فوج جنگل کی طرف چلی جائے گی اور
کوئی اس طرف توجہ نہیں دے گا اور کبھی میں اپنے دل کو اس خیال سے تسلی دے رہا
تھا کہ سپاہی اس بستی کی طرف آنے کی بجائے کوئی اور محاذ منتخب کرے گا،
اور فوج کو اپنے پاس بلا لے گا۔ میں اس قسم کی موہوم امیدوں کا سہارا لے کر اُٹھا
اور آشا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے تنگ راستے سے ندی کی طرف اترنے لگا۔ آبشار
کے قریب وہ رسّہ جسے میں نے ندی کے پانی کی سطح سے دو بالشت اوپر دیکھا
تھا اب پانی میں ڈوب چکی تھی۔ ہم اوپر کے زینے پر بیٹھ گئے۔ کمزوری، تھکاوٹ
اور ٹانگ کے زخم کے باعث میرا بُرا حال تھا اور آشا میرے سر کو اپنے بازوؤں

کا سہارا دے رہی تھی۔

میں نے کہا "آشا! تمھیں اس بات کی اُمید ہے کہ وہ اس طرح
گے؟"

اس نے اطمینان سے جواب دیا۔ "مجھے صرف یہ اُمید ہے کہ آپ
گے۔"

تھوڑی دیر بعد صبح کی روشنی اس تاریک گوشے میں بھی پہنچ رہی
مجھے اوپر کسی کے پاؤں کی آہٹ سنائی دی اور میں نے تلوار سنبھال کر
کہا "آشا تم یہیں رہو۔ ممکن ہے وہ میرا اپنا آدمی ہو۔" میں چند زینے
اور ایک موڑ کے پاس کھڑا ہوگیا۔ جونہی ایک سپاہی میرے قریب پہنچا
تلوار کی نوک اس کے سینے پر رکھ دی۔ یہ وہی تھا جسے جگت نرائن نے
کے وقت قیدیوں کے پہرے داروں کا افسر مقرر کیا تھا۔ اس نے مجھے د
چلانا شروع کر دیا اور میری تلوار اُس کے آر پار ہو گئی۔ اس کا ایک اور
مچاتا ہوا تیزی کے ساتھ نیچے اتر رہا تھا۔ میں لاش کو جلدی سے ایک طر
کر اوپر چڑھا۔ اس نے مجھے دیکھتے ہی حملہ کر دیا۔ کچھ دیر میں جم کر لڑتا
اس کی تندی اور تیزی میری کمزوری پر غالب آنے لگی اور میں اس کے
ہوا اُلٹے پاؤں نیچے اترنے لگا اوپر سے کئی آدمیوں کی چیخ پکار سنائی د
آخری زینے کے قریب پہنچ کر میں نے مدِمقابل پر پوری قوت کے سا
اور اُسے پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ اچانک اس کا پاؤں ایک پتھر کے کو
پھسلا اور وہ پیٹھ کے بل گر پڑا۔ میری تلوار کی آخری ضرب نے اُسے ہم
آغوش میں سلا دیا۔ اب میں نے مُڑ کر آشا کی طرف دیکھنے کی کوشش ک
آشا وہاں نہ تھی۔ اس کی اوڑھنی زینے پر پڑی تھی اور وہ چند قدم دور

تیز دھارے میں بہتی ہوئی چلا رہی تھی۔ "واسدیو! تمھیں اپنے بھگوان کی قسم، میرے پیچھے نہ آنا۔ میں تمھیں یقین دلاتی ہوں کہ وہ مجھے ہاتھ نہیں لگا سکیں گے۔"

آشا آن کی آن میں آبشار کے قریب پہنچ گئی اور میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ میں نے دوبارہ آنکھیں کھولیں تو وہ غائب ہو چکی تھی۔ اب مجھے کوئی خوف نہ تھا۔ اب مجھے زندگی اور موت سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ میری رہی سہی حسیات انتقام کے ایک نہ ختم ہونے والے جذبے میں تبدیل ہو چکی تھیں۔ میں دیوانہ وار چیختا ہوا اوپر چڑھنے لگا۔ آٹھ دس آدمی ایک قطار میں نیچے اُتر رہے تھے۔ میں نے سب سے آگے آنے والے کو ایک ہی وار میں موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ باقی مجھے تنگ جگہ میں خطرناک سمجھ کر الٹے پاؤں بھاگ نکلے۔ تھوڑی دیر میں میں چٹان کے اوپر کھلی جگہ میں پہنچ چکا تھا۔ وہاں کوئی پچاس آدمیوں نے میرے گرد گھیرا ڈال لیا۔ ان آدمیوں میں سردار جگت نرائن بھی تھا۔ وہ چلّا چلّا کر مجھے زندہ گرفتار کرنے کا حکم دے رہا تھا۔ اس کے بعد مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ میں چاروں طرف اندھا دھند حملے کر رہا تھا اور سپاہی بھیڑوں کی طرح اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ بالآخر میں بے ہوش ہو کر گر پڑا اور وہ مجھے فوراً قتل کرنے کی بجائے کوئی عبرتناک سزا دینے کے لیے گرفتار کر کے لے گئے۔

چند دن بعد میں نگرکوٹ کے قید خانے میں تھا۔ ایک ہفتہ قید رہنے کے بعد معلوم ہوا کہ کالی دیوی کے سامنے میرا بلی دان دیا جائے گا۔ لیکن دو ہفتے اور گزر گئے۔ پھر مجھے پتہ چلا کہ سلطان محمود نے وہہند پر حملہ کر دیا ہے اور نگرکوٹ کی فوج وہہند کے مہاراجہ کی مدد کے لیے چلی گئی ہے۔ اس فوج کے ساتھ پروہت اور راجہ بھی جا چکے ہیں اور اُن کی واپسی پر میرے بلیدان کی تاریخ مقرر

ویہند کے راجہ اور اس کے بعد نگر کوٹ میں کالی دیوی کے پجاریوں کی
میرے نزدیک آشا کے خوابوں کی تعبیر تھی۔

(۸)

نگر کوٹ کی فتح کے بعد سلطان محمود نے مجھے قید سے رہا کیا اور میں اُس
ملک میں ایک نئی روشنی کا مشعل بردار سمجھ کر اس کی فوج میں شامل ہوگیا۔
ساٹھ ہزاروں کی تعداد میں ایسے لوگ سلطان محمود کی فوج میں شامل ہوگئے۔
کی نگاہوں سے نگر کوٹ کے مندر کے بتوں کی شکست کے باعث توہمات کا پردہ
اُٹھ چکا تھا۔

محمود غزنوی نے میرا نام عبدالواحد رکھا۔ وہ میرا محسن ہے لیکن اگر اس
کے احسانات صرف میری ذات تک محدود ہوتے تو میں اس کی جنگوں میں حصہ
لینے کی بجائے اپنی زندگی کسی گوشہ تنہائی میں بسر کر دیتا۔ قید سے رہا
ہونے کے بعد مجھے اس بات کی پوری آزادی تھی کہ میں جہاں جی چاہے اپنی
باقی زندگی بسر کروں لیکن میں اُسے اس ملک میں ستم رسیدہ انسانیت کا محسن
سمجھتا ہوں۔ قدرت نے اُسے ایک عظیم الشان مقصد کی تکمیل کے لیے منتخب
کیا ہے اور یہ مقصد مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے۔ یہ میری سرگذشت ہے
اور میرا دل گواہی دیتا ہے کہ اگر تم میری جگہ ہوتے تو تمہارے احساسات
میرے احساسات سے مختلف نہ ہوتے۔"

رنبیر نے گردن اُٹھا کر عبدالواحد کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے
تر تھیں۔ اس نے انتہائی مغموم لہجے میں کہا۔ "اگر میں آپ کی جگہ ہوتا تو زندہ نہ
رہتا۔ آپ انسان نہیں، ایک چٹان ہیں۔"

عبدالواحد نے مسکرا کر کہا۔ "زندگی جب کسی مقصد سے آشنا ہوتی ہے تو ہر
انسان چٹان بن جاتا ہے۔"

رنبیر نے سوال کیا۔ "آزاد ہونے کے بعد آپ دوبارہ اس بستی میں گئے تھے؟"

عبدالواحد نے جواب دیا۔ "میں کئی بار وہاں جا چکا ہوں۔ وہ اُجڑی ہوئی بستی پھر
آباد ہو چکی ہے لیکن آشا کا گھر خالی پڑا ہے۔ پہاڑ کے توہم پرست لوگ اس گھر
میں پاؤں رکھتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ آشا کی روح ہر رات اس
گھر کا طواف کرتی ہے۔ میں ان توہمات کا قائل نہیں اور میں وہیں قیام کرتا ہوں
تاہم رات کی تنہائی میں لیٹے لیٹے مجھے اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ اس گھر کی
دیواریں سسکیاں لے رہی ہیں اور جب میں اس ندی کی طرف جاتا ہوں تو مجھے
یہ محسوس ہوتا ہے کہ آشا مجھے آوازیں دے رہی ہے۔ آبشار کے نہ ختم ہونے
والے راگ سے مجھے "آشا! آشا!" کے الفاظ سُنائی دیتے ہیں۔"

رنبیر نے پوچھا۔ "آپ کے اُن ساتھیوں کا کیا بنا جنھوں نے قیدیوں کو آزاد
کرانے میں آپ کا ساتھ دیا تھا؟"

عبدالواحد نے جواب دیا۔ "وہ سب میرے ساتھ قید تھے اور رہا ہونے کے
بعد میری طرح محمود کی فوج میں شامل ہو چکے ہیں۔ بلبنی داس اس بستی میں
پہاڑی لوگوں کے ساتھ رہتا تھا۔ میں نگر کوٹ کی فتح کے بعد جب وہاں گیا تھا تو
اُسے اپنے ساتھ لے آیا۔ اب وہ بھی محمود کی فوج میں ہے۔"

رنبیر نے پوچھا۔ "آپ کو اس بات کا یقین ہے کہ آشا دوبارہ کسی روپ میں
آپ سے ملے گی؟"

"نہیں"۔ عبدالواحد نے جواب دیا۔ "آشا اپنی موت کے بعد میرے لیے
ایک مقصد چھوڑ گئی ہے اور میں اس مقصد کی تکمیل کے لیے جدوجہد کرتے

کرتے اکثر یہ محسوس کرتا ہوں کہ اس کی روح مجھے دیکھ رہی ہے۔"

رات آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی۔ رنبیر نے عبدالواحد سے رخصت
اپنی کوٹھری کا رُخ کیا۔ باقی رات اس نے بستر پر کروٹیں بدلتے گزار دی۔

اگلی شام رنبیر بن بلائے اس کے پاس چلا گیا۔ اس کے بعد ہر روز کم
ایک بار عبدالواحد کی قیام گاہ پر دستک دینا اس کی زندگی کا معمول بن چکا تھا
چند اور ملاقاتوں کے بعد رنبیر محسوس کر رہا تھا کہ اس کے تصورات میں ایک
بڑا انقلاب آچکا ہے۔ تاہم پرانے بندھنوں سے آزاد ہو کر ایک نئی دنیا میں پاؤں
رکھنے کے لیے اُسے ایک زبردست جھٹکے کی ضرورت تھی۔ اس کی حالت اس
کی سی تھی جو دریا کے تیز دھارے میں بہ نکلنے کے خوف سے کنارے پر اُگی
گھاس کے تنکوں کا سہارا لینے کی کوشش کر رہا ہو۔ یہ تنکے ایک ایک کر
ٹوٹ رہے تھے اور وہ ہر آن یہ خطرہ محسوس کر رہا تھا کہ کوئی سرکش لہر اُس
آخری سہارا چھین کر اُسے ایک ایسی منزل کی طرف لے جائے گی جہاں
لوٹ کر ساحل کی طرف آنا اس کے بس میں نہ ہوگا۔ دریا کے اس ساحل پر
کی ہنستی اور مسکراتی ہوئی دنیا آباد تھی اور ان گنت آرزوئیں اور اُمنگیں اس
سامنے ہاتھ پھیلائے کھڑی تھیں۔ اس کا باپ، اس کی بہن اور اس کے بچپن
ساتھی اُسے یہ پیغام دے رہے تھے۔ "رنبیر! اس سیلاب میں بہ نکلنے
بچنے کی کوشش کرو، تم سماج کو جھٹلا سکتے ہو، دیوتاؤں کی عظمت سے
کر سکتے ہو لیکن ہمیں چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔ یہ درست ہے کہ نگر کوٹ کے
حالات نے ایک انسان کو سماج کا دشمن بنا دیا ہے لیکن قنوج نگر کوٹ نہیں
تم عبدالواحد نہیں بن سکتے، تمھاری دنیا اس کی دنیا سے مختلف ہے۔ تم تنہا
ہو۔ تم اگر ہمارے پاس نہیں آسکتے تو ہمیں اپنے ساتھ لے چلو۔"

رنبیر کے لیے یہ دن انتہائی اضطراب کے دن تھے۔ عبدالواحد کے یہ الفاظ ہر
وقت اس کے کانوں میں گونجتے رہتے تھے کہ تمھاری جنگ کی طرح تمھاری قید
بھی بے مقصد ہے۔ کبھی کبھی اس کے دل میں یہ خیال آتا کہ وہ عبدالواحد کے سامنے
اس بات کا اعتراف کرلے کہ مجھے اب برہمنوں کے سماج یا قنوج کے حکمران کی
فتح یا شکست سے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں صرف ایک بار اپنے پتا اور بہن کو دیکھنا چاہتا ہوں
اگر مجھے آزاد کر دیا جائے تو میں یہ وعدہ کرنے کے لیے تیار ہوں کہ مسلمانوں کے خلاف
کسی جنگ میں شرکت نہیں کروں گا۔ رنبیر کا دل یہ گواہی دیتا تھا کہ عبدالواحد یہ سُنتے ہی
اس کی رہائی کا حکم صادر کر دے گا لیکن اس کے ساتھ ہی رنبیر کو اس بات کا احساس
بھی تھا کہ عبدالواحد اس کے دل کی ہر بات جانتا ہے۔ وہ اس کی درخواست کے بغیر
اس کی رہائی کے لیے ویہند کے گورنر کے پاس سفارش بھیج چکا ہے اور اس احساس
نے رنبیر کو ملتجی ہونے کی اجازت نہ دی۔

(۹)

ایک دن رنبیر اپنی کوٹھری سے باہر ٹہل رہا تھا کہ ایک سپاہی نے آکر اُسے
اطلاع دی کہ قلعے کے ناظم آپ کو بلاتے ہیں۔ رنبیر سپاہی کے ساتھ چل دیا۔

عبدالواحد اپنے دفتر میں بیٹھا تھا۔ وہ رنبیر کو دیکھ کر مُسکرایا اور اپنے سامنے
ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "بیٹھیے، میں آپ کو ایک خوشخبری
سناتا ہوں۔"

ایک ثانیہ کے لیے رنبیر کی رگوں کا خون سمٹ کر اس کے چہرے میں آگیا اور
اس نے اپنے دل کی دھڑکنوں پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے سوال کیا۔
"ویہند کے گورنر کا جواب آگیا ہے؟"

عبدالواحد نے جواب دیا۔ "اس کا جواب ابھی تک نہیں آیا لیکن اطمینان رکھو تم بہت جلد اپنے گھر جا سکو گے۔ اس وقت میں نے تمھیں ایک اور کام کے لیے بلایا ہے۔"

رنبیر کا دل بیٹھ گیا اور وہ پژمردہ سا ہو کر عبدالواحد کی طرف دیکھنے لگا۔ عبدالواحد نے ریشم کے ایک چھوٹے سے رومال میں لپٹا ہوا خط میز سے اُٹھایا اور رنبیر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا "پہلے اسے پڑھ لو۔ یہ خط تمھارے گھر سے آیا ہے۔"

رنبیر نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے رومال اتار کر کاغذ کی تہیں کھولیں اور خط پڑھنے میں منہمک ہو گیا۔ یہ خط اس کی بہن شکنتلا نے لکھا تھا اور اس کا مضمون یہ تھا:

"میرے پیارے بھیّا!

میں شمبوناتھ کو آپ کی تلاش میں بھیج رہی ہوں۔ بھگوان کرے کہ وہ آپ تک پہنچ جائے۔ نندنہ کے قلعے سے رہا ہونے والے قیدیوں کی زبانی آپ کا حال معلوم ہوا۔ اگر آپ پتاجی کو فدیہ بھیجنے سے منع نہ کرتے تو وہ آپ کا فدیہ لے کر خود نندنہ پہنچ جاتے لیکن آپ کے پیغام نے انھیں ایک باپ کی محبت کو ایک راجپوت کے رسمی اور ظاہری غرور کی بھینٹ کرنے پر مجبور کر دیا۔ آپ کا پیغام ملنے پر وہ بظاہر خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے۔ وہ ہر ایک سے کہتے تھے کہ مجھے اپنے رنبیر سے یہی توقع تھی لیکن میں جانتی تھی کہ ان کا دل ایک ناقابلِ برداشت بوجھ کے نیچے پسا جا رہا ہے۔ وہ مجھے تسلّی دینے کے لیے کہا کرتے تھے کہ عنقریب قنوج کی فوج کے ساتھ کئی اور راجوں اور مہاراجوں کے لشکر دشمن پر چڑھائی کریں گے اور جب تمھارا بھائی آزاد ہو کر قنوج کی فوج کے ساتھ واپس آئے گا تو لوگ مہاراجہ سے زیادہ اس کا سواگت کریں گے لیکن یہ ایک خواب تھا اور قنوج کی شکست کے بعد پتاجی کو اس خواب کی تعبیر کے متعلق کوئی خوش فہمی نہیں رہی۔ ایک راجپوت کا رسمی اور ظاہری غرور اب بھی انھیں زبان کھولنے کی اجازت نہیں دیتا لیکن میں ان کا چہرہ دیکھ کر اُن کے دل کی پکار سن رہی ہوں۔ میں ان سے مشورہ کیے بغیر شمبوناتھ کو بھیج رہی ہوں اور جو کچھ میرے پاس تھا، میں نے اس کے حوالے کر دیا ہے۔ اگر یہ آپ کے فدیہ کے لیے کافی ہو تو بھگوان کے لیے قید سے آزاد ہوتے ہی گھر چلے آئیں۔ میرے اور شمبوناتھ کے سوا یہ بات کسی اور کو معلوم نہیں ہو گی کہ آپ کو فدیہ دے کر چھڑایا گیا ہے۔ میں نے پتاجی کو بھی نہیں بتایا۔ اس لیے نہیں کہ وہ بُرا مانیں گے بلکہ اس لیے کہ آپ کا انتظار انھیں سخت بے چین رکھے گا۔ اب بھی ان کا یہ حال ہے کہ وہ پہروں تنہائی میں اپنے دل سے باتیں کرتے رہتے ہیں۔ کبھی کبھی وہ رات کے وقت بستر سے اُٹھ کر دروازے کی طرف بھاگتے ہیں اور نوکروں کو آوازیں دیتے ہیں کہ دروازہ کھولو۔ میں نے رنبیر کی آواز سنی ہے۔

جان سے پیارے بھیّا! اپنے متعلق اس سے زیادہ کیا لکھ سکتی ہوں کہ میں ہر سانس کے ساتھ آپ کا نام لیا کرتی ہوں۔ آپ کو یاد ہے کہ بچپن میں جب کبھی آپ گھر میں دیر سے آیا کرتے تھے تو میں سونے کی بجائے اپنے کمرے کی کھڑکی میں بیٹھ کر آپ کا انتظار کیا کرتی تھی۔ آپ کبھی کبھی زینے سے اوپر چڑھنے کی بجائے پچھواڑے

کے درخت کو سیڑھی بنا کر کھڑکی کے راستے میرے کمرے میں آجایا کرتے تھے۔ میں جان بوجھ کر منہ پھیر لیا کرتی تھی اور آپ پیچھے سے میری آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر پوچھا کرتے تھے" بھلا میں کون ہوں" اور میں جان بوجھ کر اپنی سہیلیوں کا نام لیا کرتی تھی۔ میں اب بھی سونے سے پہلے اکثر اسی جگہ بیٹھ کر آپ کا انتظار کرتی ہوں۔ کاش آپ آجائیں، آپ کبھی کبھی اپنی ننھی شکنتلا کے قہقہوں سے چڑ جایا کرتے تھے اور اب تو میں ہنسنا بھی بھول گئی ہوں، کبھی میں آپ کو ڈرانے دیکھ کر چھپ جایا کرتی تھی اور آپ میری تلاش میں کونہ کونہ چھان مارتے تھے اور اب میں ساڑھے چار برس سے آپ کی راہ دیکھ رہی ہوں۔"

آپ کی ننھی بہن

شکنتلا!

خط ختم کرتے ہی رنبیر کی آنکھوں میں چھلکتے ہوئے آنسو بہہ نکلے۔ وہ گردن جھکائے بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ بالآخر اُس نے عبدالواحد کی طرف دیکھا اور خط اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا" یہ میری بہن کا خط ہے۔ آپ پڑھ سکتے ہیں؟"

عبدالواحد نے خط پڑھنے کے بعد دوبارہ رنبیر کے ہاتھ میں دے دیا۔ سپاہی کو آواز دے کر اندر بلانے کے بعد کہا" داروغہ سے کہو قنوج سے آیا ہے اُسے ساتھ لے کر میرے پاس آجائے۔" پھر اُس نے قلم اٹھایا اور لکھنے میں مصروف ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کاغذ کو ایک مراسلے میں تہہ کر کے اس کے ارد گرد دھاگہ لپیٹتے ہوئے رنبیر کی طرف دیکھا اور

"رنبیر گھبراؤ نہیں، تم اپنی بہن کو جلد دیکھ سکو گے۔"

شمبوناتھ داروغہ کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ وہ ایک چھریرے بدن ادھیڑ عمر کا آدمی تھا۔ رنبیر اُسے دیکھتے ہی اٹھ کر آگے بڑھا۔ شمبوناتھ نے جھک کر اس کے پاؤں چھونے کی کوشش کی لیکن رنبیر نے اُسے بازو سے پکڑ کر گلے لگا لیا۔ شدت احساس کے باعث چند ثانیے دونوں کے منہ سے کوئی بات نہ نکل سکی۔ رنبیر کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے اور شمبوناتھ بڑی مشکل سے سسکیاں روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اچانک شمبوناتھ رنبیر کو ایک طرف ہٹا کر آگے بڑھا اور اس نے اپنی پگڑی جو اس کے قد و قامت کے تناسب سے کافی بڑی معلوم ہوتی تھی، اتار کر عبدالواحد کے پاؤں پر رکھ دی۔

"مہاراج! مہاراج!!" اس نے ہاتھ باندھ کر کانپتی ہوئی آواز میں کہا "نندنہ کے لوگ کہتے ہیں کہ آپ دیوتا ہیں۔"

عبدالواحد نے پگڑی اُٹھا کر دوبارہ اس کے سر پر رکھتے ہوئے کہا" نندنہ کے لوگ غلط کہتے ہیں، بیٹھ جاؤ اور میرے ساتھ اطمینان سے بات کرو۔ مجھے صرف ایک انسان سمجھو۔"

شمبوناتھ قدرے تذبذب کے بعد زمین پر بیٹھ گیا۔ عبدالواحد نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا" وہاں بیٹھو۔"

شمبوناتھ نے نیازمندی سے کہا" نہیں مہاراج! ایک نوکر آپ کے سامنے بیٹھنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔"

"نہیں تم ہمارے مہمان ہو۔" یہ کہتے ہوئے عبدالواحد نے اس کا بازو پکڑ کر اٹھایا اور ایک کرسی پر بٹھا دیا۔ شمبوناتھ منہ سے کچھ نہ کہہ سکا لیکن اس کی نگاہیں رنبیر سے یہ پوچھ رہی تھیں کہ کہیں میں نے غلطی تو نہیں کی۔ جب عبدالواحد کے

اشارے سے زبیر بھی اس کے قریب بیٹھ گیا تو شمبوناتھ اضطراری حا
دوبارہ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

"شمبوناتھ بیٹھ جاؤ۔" زبیر نے قدرے پریشان ہو کر کہا۔ شمبوناتھ
دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا لیکن اس کے چہرے سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کر
کہ بھاگ نکلنے کے لیے صرف ایک اشارے کا منتظر ہے۔

عبدالواحد نے کہا۔ "تم زبیر کے گھر سے آئے ہو؟"

"ہاں مہاراج! اگر جان کی امان ہو تو عرض کروں۔"

عبدالواحد نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "یہاں تمھاری جان
نہیں۔"

شمبوناتھ نے اپنی کمر کے ساتھ بندھا ہوا پٹکا کھولا اور اس میں سے
چھوٹی سی تھیلی نکال کر عبدالواحد کو پیش کرتے ہوئے کہا۔ "مہاراج
کی سیوا میں لایا ہوں، بھگوان کے لیے زبیر کو چھوڑ دیجیے۔"

عبدالواحد نے جواب دیا۔ "یہ تھیلی تم اپنے پاس رکھو۔ ہمیں شاید
ضرورت نہ پڑے۔"

"مہاراج! دیکھ تو لیجیے، اس کا وزن زیادہ نہیں لیکن قیمت بہت زیا
مہاراج! دیکھیے نا۔" شمبوناتھ نے یہ کہہ کر کانپتے ہوئے ہاتھوں سے
اور چند چھوٹے چھوٹے زیورات کے علاوہ موتیوں کی ایک مالا اور سو
جن میں ہیرے جڑے ہوئے تھے نکال کر عبدالواحد کے سامنے رکھ دی
اپنی بہن کے زیورات دیکھ کر زبیر کا دل بھر آیا اور اس نے دوسر
منہ پھیر لیا۔ عبدالواحد نے شمبوناتھ سے خالی تھیلی پکڑ لی اور زیورات
کہ دوبارہ اس میں ڈالنے کے بعد شمبوناتھ کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "یہ ز

میرے پاس امانت رہیں گے۔ یہاں سے واپس جاتے وقت مجھ سے لے لینا لیکن
اگر تم شہر کی بجائے ہمارے پاس رہنا چاہو تو انھیں اپنے پاس رکھ سکتے ہو۔"
شمبوناتھ نے دوبارہ ہاتھ باندھتے ہوئے کہا۔ "انھیں ٹھکرائیے نہیں مہاراج،
اس زیور سے چار ہاتھی خریدے جا سکتے ہیں کنگن کے ہیرے اور مالا کے موتی سب
اصلی ہیں۔ آپ نندنہ کے کسی جوہری کو بلا کر دکھا لیں اگر ان میں کوئی چیز نقلی ثابت
ہو تو مجھے پھانسی پہ لٹکا دیجیے۔ پھر بھی اگر یہ زیور زبیر کی آزادی کی قیمت ادا
کرنے کے لیے کافی نہ ہوں تو اسے گھر جانے کا موقع دیجیے۔ آپ جس قدر اور مانگتے
ہیں یہ گھر پہنچتے ہی بھیج دیں گے اور میں اتنی دیر آپ کی قید میں رہنے کے لیے تیار
ہوں۔"

"میرے خیال میں زبیر اپنی آزادی کی قیمت ادا کر چکا ہے۔" یہ کہنے کے بعد
عبدالواحد نے میز سے مراسلہ اٹھایا اور داروغہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "آپ اسی وقت
یہ مراسلہ ایک ذمہ دار آدمی کو دے کر ویہند کے گورنر کی طرف روانہ کر دیں۔ میں نے
اس سے قبل بھی ایک ضروری خط بھیجا تھا۔ لیکن ابھی تک اس کا کوئی جواب نہیں آیا۔
ویہند کے گورنر شاید گشت پر گئے ہوئے ہیں۔ آپ ایلچی کو یہ ہدایت کریں کہ وہ یہ مراسلہ
ویہند کے دفتر کے سپرد کرنے کی بجائے بذاتِ خود گورنر کے پاس پہنچے اور ان سے
جواب حاصل کیے بغیر واپس نہ آئے۔"

داروغہ مراسلہ لے کر باہر نکل گیا۔ عبدالواحد نے اپنی کرسی سے اٹھتے ہوئے
زبیر کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "آج سے آپ دونوں میرے مہمان ہیں اور جب تک
میرے مکتوب کا جواب نہیں آتا، آپ اسی جگہ قیام کریں گے۔ میں نے ویہند
کے گورنر کو دوبارہ آپ کی رہائی کے لیے لکھا ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس خط کا
جواب بہت جلد آ جائے گا۔ اب آپ دوسرے کمرے میں بیٹھ کر اطمینان سے

باتیں کر سکتے ہیں۔"

عبدالواحد نے ایک نوکر کو آواز دی اور وہ اپنے آقا کے حکم کی تعمیل
اور شمبوناتھ کو بالائی منزل کے ایک کشادہ کمرے میں لے گیا۔ شمبوناتھ کی
پہلے ہی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ اس نئی عزت افزائی نے اُسے اور زیادہ
دیا۔ جب نوکر انھیں کمرے میں چھوڑ کر باہر نکلا تو وہ پھر ایک بار ہاتھ
کے سامنے کھڑا ہو گیا اور بولا "مہاراج! میرا قصور معاف کیجیے۔ جب
شیر کی طرح آنکھیں نکال کر میری طرف دیکھا تو میں ڈر گیا تھا۔ ورنہ میں
برابر بیٹھنے کی جرأت نہ کرتا۔ مجھے یہ بھی خوف تھا کہ وہ مجھ سے بگڑ کر آپ
خلاف نہ ہو جائے لیکن میں یہ نہیں سمجھ سکا کہ اُسے میرے ساتھ ایسا مذاق
کی کیا سوجھی۔ کاش آپ نے اُسے بتا دیا ہوتا کہ میں ایک ویش ہوں
خاندان چار پشتوں سے آپ کی سیوا کر رہا ہے۔"

رنبیر نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "گھبراؤ نہیں شمبوناتھ! اس
داخل ہونے کے بعد تمھاری جون بدل گئی ہے۔ آج کے بعد تم دنیا کے ہر
کے ساتھ برابری کا دعویٰ کر سکو گے۔ وہ بُت جنھوں نے انسانوں کے
نفرت و حقارت کی دیواریں کھڑی کی تھیں، ٹوٹ رہے ہیں۔"

رنبیر کا آخری فقرہ شمبوناتھ کے دماغ کی سطح سے بلند تھا۔ وہ صرف
سکا کہ اُسے دنیا میں ہر انسان کے ساتھ برابری کا دعویٰ کرنے کا مشورہ
ہے۔ اس نے کہا۔ "نہیں مہاراج! آپ ایسی باتیں نہ کریں۔ میرے لیے
ہے کہ میں آپ کا داس ہوں۔"

عبدالواحد کا نوکر دوبارہ آیا اور اس نے شمبوناتھ سے پوچھا۔ "آپ
کہاں ہے؟"

"میرا گھوڑا؟" شمبوناتھ نے بدحواس ہو کر کہا۔

"ہاں!" نوکر نے جواب دیا۔ "آقا نے کہا ہے کہ اگر آپ اپنا گھوڑا یا کوئی اور
سامان سرائے میں چھوڑ آئے ہوں تو یہاں لے آئیں۔"

شمبوناتھ نے قدرے تذبذب کے بعد جواب دیا۔ "گھوڑا میں نے بیچ دیا ہے۔"
لیکن جب نوکر چلا گیا تو اس نے رنبیر کی طرف متوجہ ہو کر سرگوشی کے انداز میں
کہا۔ "مہاراج! سچی بات یہ ہے کہ میں گھوڑے کی بجائے گدھے پر سوار ہو کر آیا
تھا۔ اپنا گھوڑا میں نے ان لوگوں کے علاقے میں داخل ہونے سے پہلے ہی چھوڑ
دیا تھا۔ راستے میں چوروں اور ڈاکوؤں کے خوف سے میں نے ایک بھکاری کا
لباس پہن رکھا تھا۔ اگر میں گھوڑے پر ہوتا تو شاید راستے میں کئی جگہ میری تلاشی
لی جاتی۔ مجھے گدھے پر دیکھ کر کسی کو اس بات کا شبہ بھی نہیں ہو سکا کہ میرے پاس
اتنی دولت ہے۔ گدھے کے عوض میں نے نندنہ کے قریب ایک بستی سے نئے
کپڑے لے لیے تھے۔"

پانچ دن کے بعد علی الصباح عبدالواحد کا نوکر رنبیر اور شمبوناتھ کے کمرے
میں داخل ہوا اور اس نے رنبیر کو کپڑوں کی ایک چھوٹی سی گٹھڑی اور ایک تلوار
پیش کرتے ہوئے کہا۔ "آپ سفر کے لیے یہ لباس پہن لیں۔ آقا نے کہا ہے کہ وہ
نماز سے فارغ ہو کر آپ کو قلعے کے دروازے پر ملیں گے۔ یہ تلوار بھی انھوں
نے آپ کے لیے بھیجی ہے۔ آپ تیار ہو جائیں میں ابھی آکر آپ کو قلعے کے
دروازے کی طرف لے جاؤں گا۔"

رنبیر رات کے وقت سونے سے پہلے اپنے میزبان کی زبانی خوش خبری
سن چکا تھا کہ دہند کے گورنر کی طرف سے اس کی رہائی کا حکم آچکا ہے اور وہ صبح
ہوتے ہی اپنے گھر کا رُخ کر سکے گا۔ چنانچہ اس نے شمبوناتھ کو رات کے

تیسرے پہر ہی یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ اب صبح ہونے والی ہے۔

رنبیر نے جلدی سے لباس تبدیل کیا۔ نوکر دوبارہ آیا اور انھیں اپنے ساتھ لے کر قلعے کے دروازے کی طرف چل دیا۔ دروازے کے سامنے ایک گھوڑے لیے کھڑا تھا۔

شمبوناتھ کے لیے انتظار کا ہر لمحہ پریشان کن تھا۔ وہ دبی زبان سے کہہ رہا تھا "بہت دیر ہو گئی۔ دیکھیے اب تو سورج بھی نکلنے والا ہے۔ مجھے کہیں ان لوگوں کا ارادہ تبدیل نہ ہو جائے۔" اور رنبیر اُسے ہر بار یہی کہتا رہا "گھبراؤ نہیں شمبوناتھ! وہ آتے ہی ہوں گے۔"

عبدالواحد قلعے کے داروغہ اور چند افسروں کے ساتھ باتیں کرتا ہوا کونے سے نمودار ہوا۔ رنبیر کے قریب پہنچ کر عبدالواحد نے اُسے زیورات تھیلی اور ایک مراسلہ دیتے ہوئے کہا "یہ آپ کی امانت ہے اور یہ آپ کی رہائی کے متعلق ہے۔ اس میں راستے کی تمام چوکیوں کے افسروں ہدایت کر دی گئی ہے کہ وہ آپ کو ہر ممکن سہولت بہم پہنچائیں۔ اس کے میری دعائیں ہر وقت آپ کے ساتھ ہوں گی۔ اب آپ دیر نہ کریں۔ آ گھوڑے تیار ہیں۔"

رنبیر نے تشکر اور احسان مندی کے جذبات سے مغلوب ہو کر اپنے کی طرف دیکھا اور کہا "میں تاعمر آپ کا احسان نہیں بھولوں گا لیکن میری التجا قبول کیجیے۔ میں اب خوشی کے ساتھ اپنا فدیہ ادا کرنے کے لیے تیار آپ جتنی رقم کا مطالبہ کریں میں گھر پہنچتے ہی بھیج دوں گا۔ اس وقت تک زیورات جو میری بہن نے بھیجے ہیں، آپ کے پاس رہیں گے۔"

عبدالواحد نے جواب دیا "میں نے آپ کے لیے اپنے اختیار

سے باہر ہو کر کچھ نہیں کیا۔ ویہند کے حاکم کو میں نے جو خط لکھا تھا۔ اس میں میں نے ان زیورات کا ذکر بھی کر دیا تھا۔ تاہم انھوں نے آپ کو فدیہ کے بغیر رہا کر دینے کے متعلق میری درخواست مان لی ہے۔"

رنبیر نے کہا "پھر بھی میرے لیے کم از کم ان گھوڑوں کی قیمت ادا کرنا ضروری ہے۔"

"یہ گھوڑے میری ذاتی ملکیت ہیں۔ انھیں ایک دوست کا تحفہ سمجھ کر قبول کر لیجیے۔" یہ کہتے ہوئے عبدالواحد نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔ تھوڑی دیر بعد رنبیر اور شمبوناتھ گھوڑوں پر سوار ہو کر قلعے کے دروازے سے باہر نکل رہے تھے۔

روپ وتی

روپ وتی دریا کے کنارے کپڑے دھو رہی تھی، اُسے دور سے کسی
کی آواز سنائی دی اور اس کے ہاتھ اچانک رک گئے۔ آواز آہستہ آہستہ
آ رہی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ روپ وتی کے دل کی دھڑکنیں تیز
تھیں۔ اس آواز کی مٹھاس سے اس کے کان آشنا تھے۔ اس سے قبل جب
وہ یہ آواز سنتی تھی تو بے تاب سی ہو کر چاروں طرف نگاہ دوڑایا کرتی تھی
آج اُس کی حالت مختلف تھی۔ آج اس کا دل مسرت سے اچھلنے کی بجائے
سے لرز رہا تھا۔ یہ آواز اُسے بہاروں، نغموں، مسکراہٹوں اور قہقہوں کی
دنیا کی طرف کھینچ رہی تھی جسے وہ ہمیشہ کے لیے الوداع کہنے والی تھی۔
دل میں بار بار یہ کہہ رہی تھی "رام ناتھ! کاش تم میرے پاس نہ آؤ۔"

گانے والا اچانک خاموش ہو گیا۔ روپ وتی کو اس کے پاؤں کی آہٹ
سنائی دینے لگی۔ روپ وتی میں اپنی گردن اٹھانے یا پیچھے مڑ کر دیکھنے کی ہمت
نہ تھی لیکن جب کسی نے جنگلی گلاب کے پھول اس کی جھولی میں ڈال دیے
کر کھڑی ہو گئی۔ چند پھول دریا میں گر پڑے اور آن کی آن میں پانی کی سطح
ہوتے دور چلے گئے۔

رام ناتھ ایک کھلتے ہوئے سانولے رنگ کا نوجوان روپ وتی کے پاس کھڑا
مُسکرا رہا تھا۔ اس کا قد درمیانہ لیکن سینہ غیر معمولی طور پر کشادہ تھا۔ وہ بولا "آج
دیوی نے اپنے پجاری کی بھینٹ ٹھکرا دی ہے۔"

روپ وتی نے گردن اُٹھا کر رام ناتھ کی طرف دیکھا۔ اس کی سیاہ اور
خوبصورت آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔

"روپا! روپا!" رام ناتھ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا "کیا ہوا؟ تم رو رہی ہو
کسی نے کچھ کہا ہے تمھیں؟"

روپا نے اپنی اوڑھنی سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا "رام ناتھ! تم میری
ایک بات مانو گے؟"

رام ناتھ نے بیتاب سا ہو کر جواب دیا "تمھارے آنسو مجھ سے ہر بات
منوا سکتے ہیں روپا۔ کہو!"

وہ بولی "اگر میں تم سے یہ کہوں کہ آئندہ تم میرے پاس نہ آیا کرو تو؟"

رام ناتھ نے جواب دیا "دیوی اپنے پجاری کو موت کا حکم دے سکتی ہے،
اُسے پوجا کرنے سے نہیں روک سکتی۔"

روپ وتی نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا "مجھے معلوم تھا کہ تم میری بات کا
[illegible] دو گے لیکن یہ سب میرا قصور ہے، کاش! میں تمھیں پہلے ہی سب کچھ بتا
دیتی۔"

رام ناتھ نے اور زیادہ مضطرب ہو کر کہا "میں صرف یہ جانتا ہوں کہ دنیا کی
کوئی طاقت ہمارے درمیان نہیں آ سکتی۔"

روپ وتی نے کہا "میں بہت جلد ایسی جگہ جا رہی ہوں جہاں تم نہیں پہنچ

سکو گے۔ ہمارے لیے ایک دوسرے کو بھول جانے کے سوا کوئی چارہ نہ
رام ناتھ نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "میرے ساتھ
روپا۔ اگر تم آکاش پر چڑھ جاؤ تو میں وہاں بھی تمہارا پیچھا کروں گا۔ تم میری
مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا۔ اگر تمہارے ماموں کسی اور کے ساتھ تمہارا
چاہتے ہیں تو میں آج ہی اپنے پتا کو ان کے پاس بھیجتا ہوں۔ مجھے یقین
وہ تمہارے ماموں کو منا سکیں گے۔"

روپ وتی نے کہا۔ "آج جو کچھ میں بتانا چاہتی ہوں اس کے بعد تمہیں
ہو جائے گا کہ میرے معاملے میں تم، تمہارے پتا جی اور میرے ماموں سب
ہیں۔ میں سومنات کے مندر میں ایک داسی بن کر جا رہی ہوں۔ میرے ماموں
کوشش کریں گے تو بھی مجھے نہیں روک سکتے۔ میری ماں میری پیدائش سے
بعد مر گئی تھی' اس دن سومنات کے مندر کا ایک پجاری ہمارے گاؤں میں
تھا اور میرے پتا نے اس کے سامنے یہ منت مانی تھی کہ اگر میری بچی زندہ رہی تو
اُسے سومنات کے مندر کی بھینٹ کر دوں گا۔ میں ایک سال کی تھی کہ میرے پتا
بسے۔ میرے ماموں کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی' اس لیے وہ مجھے میرے چچا کے گھر
اپنے پاس لے آئے۔ میرے ماموں کو معلوم تھا کہ میرے پتا مجھے سومنات کے
کی بھینٹ کر چکے ہیں لیکن وہ اس راز کو چھپانا چاہتے تھے۔ انھوں نے مجھے
نہیں بتایا تھا لیکن پچھلے سال میرے چچا ہمارے پاس آئے اور ان کی زبانی
ہوا کہ میرا اصلی گھر سومنات کا مندر ہے۔ یہ میرا پاپ تھا کہ میں نے اسی وقت
تمہیں یہ نہ بتا دیا۔ دراصل میں تمہیں دھوکا دینے کی بجائے اپنے آپ کو دھوکا
رہی تھی۔ میرے ماموں کہا کرتے تھے کہ ہر سال ہزاروں لوگ اپنے بچوں کو
کی بھینٹ کرتے ہیں لیکن ایسی لڑکیاں بہت کم ہوتی ہیں جنھیں بڑی ہونے پر

ی سیوا کے قابل سمجھا جاتا ہے اور میں اسی امید پر جی رہی تھی کہ سومنات کے پجاری
مجھے بھی ہزاروں لڑکیوں کی طرح ٹھکرا کر چلے جائیں گے اور ہمارے درمیان وہ
دیوار حائل نہ ہو گی جسے آج تک کوئی نہیں گرا سکا لیکن بھگوان کو یہ منظور نہیں۔
پرسوں جب پجاری سومنات کا لگان وصول کرنے کے لیے آئے تو میرا چچا بھی
پہنچا اور انھیں لے کر ہمارے گھر آ گیا۔ اس سال میرے چچا کے دو بیل مر گئے
ہیں اور وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ میرے اب تک سومنات نہ جانے کی وجہ سے
دیوتا ناراض ہو گئے ہیں۔ پجاریوں نے پرسوں مجھے دیکھتے ہی یہ کہہ دیا تھا کہ وہ
واپسی پر مجھے اپنے ساتھ لے جائیں گے۔"

آن کی آن میں رام ناتھ کے سپنوں کی حسین دنیا ویران ہو چکی تھی۔ اس نے اپنے
ہونٹوں پر مغموم مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔ "تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر آج
یا چند دن اور میں تمہارے پاس نہ آتا تو تم مجھے دیکھے بغیر چلی جاتیں۔"

روپ وتی نے جواب دیا۔ "ہاں، میں کبھی یہ گوارا نہ کرتی کہ میری وجہ سے
تم سے شو جی مہاراج خفا ہو جائیں۔ اُن کا غصہ پہاڑوں کو بھسم کر ڈالتا ہے۔ رام
ناتھ! مجھ سے وعدہ کرو کہ تم میرا پیچھا نہیں کرو گے۔"

رام ناتھ نے انتہائی ضبط سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "روپا! میں اس بات
سے ہرگز پریشان نہیں کہ تم سومنات جا رہی ہو۔ دولت ہر مشکل آسان کر سکتی
ہے۔ میں نے سنا ہے کہ سومنات کی بعض داسیوں کو شادی کی اجازت بھی مل
جاتی ہے بشرطیکہ ان سے شادی کرنے والے سونے چاندی سے پجاریوں کی
جھولیاں بھر دیں۔ میں آج تمہیں یہ بتانے آیا تھا کہ میں گوالیار کے راجہ کی فوج
میں بھرتی ہو کر جا رہا ہوں اور اب آئندہ ایک غریب کسان کے بیٹے کی حیثیت
سے تمہارے پاس نہیں آؤں گا، بلکہ میرے بازو میرے لیے ترقی کے بہت سے

راستے کھول چکے ہوں گے۔ میری خواہش تھی کہ کسی دن میں ہاتھی پر تمھارے ماموں کے گھر آؤں اور اُن کے سامنے تمھارے لیے اپنی جھو[illegible] لیکن اب اگر تم سومنات کے مندر میں جا رہی ہو تو میں تمھیں یقین دلاتا ہوں بہت جلد وہاں آؤں گا اور تمھیں حاصل کرنے کے لیے اگر مجھے کسی [illegible] تاج کے ہیرے بھی نوچنے پڑے تو دریغ نہیں کروں گا۔"

روپ وتی نے جواب دیا۔ "تم ان لڑکیوں کی باتیں کر رہے ہو جو [illegible] خوشی سے تعلیم حاصل کرنے جاتی ہیں اور جن کے والدین انھیں اس اُ[illegible] وہاں بھیجتے ہیں کہ ان کی شہرت میں اضافہ ہو اور بڑے بڑے سردار[illegible] ان کے طلبگار بن جائیں لیکن میں شو جی کی بھینٹ ہوں اور وہاں جانے [illegible] بعد میرے لیے باہر کی دنیا کے تمام دروازے بند ہو جائیں گے۔ میری [illegible] کا مقصد صرف مندر کی سیوا ہو گا، پجاری کہتے تھے کہ مجھ جیسی لڑکیاں [illegible] کی دیویاں بنتی ہیں اور تم جانتے ہو کہ سومنات کی دیوی کی طرف ہندوستان کا بڑے سے بڑا راجہ بھی آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ میں تمھا[رے] لیے مر چکی ہوں گی۔"

رام ناتھ ڈوبتے ہوئے انسان کی طرح تنکوں کا سہارا لے رہا تھا۔ ا[illegible] کہا۔ "نہیں میں سومنات کا پجاری بن کر وہاں آؤں گا۔ میرے لیے [illegible] کہ ہم دونوں ایک ہی مقصد کے لیے زندہ ہیں۔ میں تمام عمر اس امید پر [illegible] کے دیوتاؤں کے آگے بھجن گاتا رہوں گا کہ وہ کسی دن خوش ہو کر ہمیں اُجڑی ہوئی دنیا بسانے کی اجازت دے دیں گے۔"

"روپا! روپا!" کسی نے گھنے درختوں کی اوٹ سے آواز دی۔

روپ وتی نے گھبرا کر آہستہ سے کہا۔ "رام ناتھ جاؤ، بھگوان کے لیے

میں نے ماموں سے وعدہ کیا تھا کہ میں آئندہ کبھی تم سے بات نہیں کروں گی۔"

"مجھے ابھی تم سے بہت کچھ کہنا ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تم سومنات چلی گئیں تو میں بھی جلد وہاں آؤں گا اور جو باتیں ہم انسانوں کے سامنے نہیں کہہ سکتے وہ دیوتاؤں کے سامنے کہیں گے؟" رام ناتھ یہ کہہ کر پاس ہی چند جھاڑیوں کے پیچھے چھپ گیا۔

روپ وتی نے جلدی سے ایک کپڑا اُٹھا کر نچوڑتے ہوئے بلند آواز میں کہا۔

"کیا ہے ماموں! میں یہاں ہوں۔"

ایک عمر رسیدہ آدمی نے درختوں کے جھنڈ سے نمودار ہوتے ہوئے کہا۔

"بیٹی بہت دیر کر دی تم نے۔ اب جلدی گھر چلو!"

"ابھی چلتی ہوں ماموں، صرف ایک کپڑا رہ گیا ہے۔"

"اچھا جلدی کرو۔" روپ وتی کا ماموں یہ کہہ کر اس سے چند قدم دور ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد روپ وتی اور اس کا ماموں اپنے گھر کا رُخ کر رہے تھے اور رام ناتھ گھنے درختوں سے باہر نکل کر ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جب وہ کھیت عبور کر کے ایک بستی میں روپوش ہو گئے تو رام ناتھ بھی اپنے گاؤں کی طرف چل دیا۔

(۲)

رام ناتھ کا باپ گوپی چند ایک معمولی حیثیت کا زمیندار تھا۔ اس کا گاؤں دریا کے کنارے اس بیس میل لمبے اور پندرہ میل چوڑے سرسبز و شاداب علاقے میں تھا جو سومنات کے مندر کی جاگیر تھا۔ سومنات کے مندر کو ایسی جاگیریں ہندوستان کے طول و عرض میں کئی ریاستوں کے حکمرانوں نے عطا کر رکھی تھیں۔ گوالیار کے اس سرسبز علاقے کی بستیوں پر راجہ کی حکومت برائے نام تھی،

اصلی اقتدار ان برہمنوں کے ہاتھ میں تھا جو سومنات کے پروہت کی حیثیت سے کسانوں اور زمینداروں سے لگان وصول کرتے تھے۔ ... کے پجاری ہاتھیوں پر سوار ہو کر آتے اور لگان کی جمع شدہ رقم وصول کر کے لے جاتے۔ لگان کی شرح مقرر نہ تھی۔ سومنات کے نمائندے لوگوں کو دونوں ہاتھوں سے لوٹتے تھے۔ اگر کوئی ادائیگی میں تاخیر کرتا تو اس کے مال مویشی ضبط کر لیے جاتے تھے۔ پجاریوں کے قیام کے دوران میں ان کے ہاتھیوں کو لوگوں کے کھیتوں میں چرنے اور ان کی فصلیں تباہ برباد کرنے کی عام اجازت تھی۔ ساٹھ مسلح آدمی سومنات کے پروہت کی طرف سے اس علاقے پر متعین تھے۔ یہ لوگ سومنات کے پجاریوں کے اشارے پر ہر وقت لگان نہ ادا کرنے والے کسانوں کو ڈرانے، دھمکانے، پیٹنے یا بے عزت کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ سومنات کے پجاریوں کی بڑھتی ہوئی ہوس سے تنگ آ کر ان بستیوں کے عوام ان پرانے دنوں کو یاد کیا کرتے تھے جب ان کے آباؤ اجداد سومنات کے پجاریوں کی بجائے اپنے حکمرانوں کو لگان ادا کرتے تھے اور وہ اتنے خوشحال تھے کہ خوشی سے ہر سال ہزاروں روپیہ سومنات کے مندر کو دان کر دیتے تھے۔

رام ناتھ کا باپ گوپی چند خاص طور پر اس زمانے کا ذکر کیا کرتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس علاقے پر سومنات کے پجاریوں کے تسلط سے پہلے اس کے دادا کے قبضہ میں ایک سالم گاؤں تھا لیکن جب یہ علاقہ سومنات کے مندر کی جاگیر بن گیا تو لگان وصول کرنے والے برہمنوں کی لوٹ کھسوٹ نے اُسے چند ہی سالوں میں قلاش بنا دیا۔

جب گوپی چند نے ہوش سنبھالا تو اس کے قبضے میں صرف چند کھیت تھے۔ وہ اپنے باپ اور دادا کی طرح کاشتکاروں سے صرف اپنا جائز حصہ لیا کرتا تھا لیکن برہمنوں کو اس بات سے کوئی سروکار نہ تھا کہ اس کی آمدنی کیا ہے۔ وہ اس کے منہ سے روٹی کا نوالہ چھیننے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ اپنی وضعداری قائم رکھنے کے لیے گوپی چند ہر دوسرے یا تیسرے سال ایک آدھ کھیت بیچنے پر مجبور ہو جاتا۔ تمام ہندوؤں کی طرح وہ بھی سومنات کے مندر کے لیے اپنی جان تک قربان کر دینا اپنا فرض سمجھتا تھا لیکن وہ اس بات سے بہت کڑھتا تھا کہ ہزاروں انسانوں کے خون اور پسینے کی کمائی چند پجاریوں کی عیاشی کا سامان فراہم کرنے کے لیے وقف ہو چکی ہے۔ وہ انھیں ظالم، لٹیرے اور ڈاکو کہا کرتا تھا۔ سومنات کے پجاریوں کو ایسے الفاظ سے یاد کرنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ لیکن لوگ گوپی چند کا احترام کرتے تھے۔ وہ طبعاً فیاض تھا۔ اگر کسی کے مویشی مر جاتے یا فصل تباہ ہو جاتی تو وہ اپنی زمین بیچ کر اس کی مدد کرنے سے دریغ نہ کرتا۔ اگر پجاری کسی مفلوک الحال کسان کو لگان کی عدم ادائیگی کی صورت میں پکڑ کر سپاہیوں کے حوالے کر دیتے تو وہ گوپی چند ہی کو اپنا آخری سہارا سمجھتا۔

ان حالات میں گوپی چند کا ہر قدم غربت کی طرف تھا۔ دل کی وسعت اور وسائل کی تنگی نے اسے بے حد چڑچڑا بنا دیا تھا لیکن لوگ اس کے چڑچڑے پن سے بھی پیار کرتے تھے۔ اس کے نزدیک سومنات کے مندر کا بُت دنیا کی سب سے زیادہ واجب التعظیم شے تھی اور سب سے زیادہ قابلِ نفرت انسان وہ لوگ تھے جو سومنات کی مورتی کے نام پر اس کی بستی میں لگان وصول کرنے آیا کرتے تھے۔ اسی طرح جانوروں میں وہ جس قدر گائے کو چاہتا تھا اس سے کہیں زیادہ ہاتھی سے نفرت کرتا تھا۔ خصوصاً اس دن سے تو اُس کی نفرت جنون کی حد تک پہنچ چکی تھی، جب پجاریوں نے اس کے کھیتوں میں آٹھ ہاتھی چھوڑ دیے تھے اور تین دن میں اس کی آدھی فصل برباد ہو گئی تھی۔ لوگ ہاتھی کو دیوتا کہتے تھے

لیکن گوپی چند کہا کرتا تھا کہ اگر دیوتاؤں کا کام فصلیں برباد کرنا ہے تو
ہاتھی بہت بڑا دیوتا ہے۔ گاؤں کے زندہ دل لوگ کبھی کبھی اُسے گھیر لیتے
”بابا! آپ ہاتھی سے اس قدر نفرت کیوں کرتے ہیں۔“ گوپی چند پہلے
سے باہر ہو جاتا اور کہتا ”بیٹا! اگر تمھاری فصل تیار کھڑی ہو اور ہاتھی
سونڈ سے روندنا شروع کر دیں تو میں دیکھوں کہ تم انھیں کس زبان سے
ہو۔ بھگوان کی قسم! دیوتا تو درکنار میں ہاتھی کو جانوروں میں بھی شمار نہیں

شمال میں محمود کے ابتدائی حملوں کے باعث ہندوستان کے راجاؤں
افواج کے ساتھ ان کے ہاتھیوں کا بھی چرچا ہونے لگا اور لوگوں کی نگاہوں
ہاتھیوں کی قدر و منزلت بڑھ گئی۔ گوپی چند کو کچھ عرصہ گنیش دیوتا کے متعلق
اور حقارت کے اظہار میں ضبط سے کام لینا پڑا لیکن جب ہندوستان کی
شکستوں کی اطلاعات کے ساتھ اس قسم کی خبریں بھی آنے لگیں کہ فلاں
میں دشمن نے ہمارے اتنے ہاتھیوں پر قبضہ کر لیا ہے اور فلاں لڑائی میں
نے بدحواس ہو کر ہماری اپنی صفیں روند ڈالی ہیں تو گوپی چند کا پارہ چڑھ
لگا۔ وہ اکثر یہ کہا کرتا ”بھگوان کی قسم! یہ دیوتا ہمارا ستیاناس کر کے چھوڑے
اس جانور کا سر خالی ہے اور عقل کی جگہ بھگوان نے اُسے ناک عطا کر رکھی
ہمارے لیے دو مصیبتیں ہیں۔ سومنات مہاراج کے پجاریوں کی توند
کی ناک۔“

رام ناتھ کے مستقبل کے متعلق گوپی چند کو ہمیشہ فکر رہتی تھی۔ اس کی
سے بڑی خواہش یہ تھی کہ رام ناتھ سپاہی بنے اور اگر اُسے راجہ کی فوج
بڑا عہدہ مل جائے تو وہ اس علاقے کو چھوڑ کر کسی اور جگہ آباد ہو جائے
کے پجاریوں کی لوٹ مار سے محفوظ ہو۔ ان دنوں سپاہیوں کو اپنے بہ

ناموں کے صلے میں راجہ کی طرف سے بڑی بڑی جاگیریں ملتی تھیں۔ گوپی چند نے
بھی اسی امید پر اپنے بیٹے کو چند سال ایک پنڈت سے تعلیم دلوانے کے بعد تیر
اندازی، تیغ زنی اور شہسواری کی مشق کے لیے آزاد چھوڑ دیا تھا۔ آس پاس کی
بستیوں میں کئی آدمی ایسے تھے جو اپنی جوانی کے دن راجہ کی فوج میں گزار چکے
تھے۔ رام ناتھ ان لوگوں کے پاس جا کر فنونِ سپہ گری سیکھا کرتا تھا۔ دیہاتی میلوں
میں کشتیاں ہوتیں تو رام ناتھ بھی ان میں حصہ لیتا۔ اپنی جوانی کے آغاز ہی میں
وہ اپنے علاقے کے نامی گرامی پہلوانوں کو پچھاڑ چکا تھا۔ گوپی چند کو اپنے بیٹے
کی شہ زوری پر ناز تھا لیکن اس کی ایک خصلت اُسے سخت ناپسند تھی اور وہ یہ کہ
رام ناتھ کو موسیقی سے بے حد لگاؤ تھا۔ اس کے لیے یہ بات ایک گالی سے کم
نہ تھی کہ اس کا بیٹا بہت اچھا گاتا اور گیت بناتا ہے۔

رام ناتھ کے گیت بہت مشہور تھے اور آس پاس کی بستیوں کے چرواہے
اور کسان رام ناتھ کے گیتوں کو اسی کے سروں میں گانے کی کوشش کیا کرتے
تھے۔ روپ وتی کو انھی گیتوں نے رام ناتھ کی طرف متوجہ کیا تھا۔

گوپی چند کے چند کھیت روپ وتی کے ماموں کے کھیتوں سے ملتے تھے۔ رام
ناتھ کبھی کبھی اپنے کاشتکاروں کا ہاتھ بٹانے کے لیے چلا جاتا۔ ایک دن ایک
کاشتکار بیمار تھا اور رام ناتھ اس کی جگہ ہل چلانے کے لیے چلا گیا۔ اُس کے قریب
دوسرے کھیت میں روپ وتی کا ماموں ہل چلا رہا تھا۔ رام ناتھ نے کچھ دیر آہستہ
آہستہ گنگنانے کے بعد اپنے گرد و پیش سے بے پروا ہو کر بلند آواز سے گانا شروع
کر دیا۔ روپ وتی کے ماموں کی طرح آس پاس کے دوسرے کسان بھی اُس کی
سُریلی آواز سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ روپ وتی اپنے ماموں کے لیے کھانا
لے کر آئی اور کچھ دیر دم بخود ہو کر رام ناتھ کا راگ سنتی رہی۔ روپ وتی کے

ماموں نے رام ناتھ کو آواز دے کر کہا۔ "آؤ بھئی کھانا کھالو۔"

رام ناتھ نے ہل روکتے ہوئے جواب دیا۔ "کھانا تو میں کھا کر آیا
ہے تو آتا ہوں۔"

"آؤ لسی بہت ہے۔"

رام ناتھ ہل چھوڑ کر ان کے قریب جا بیٹھا۔ روپ وتی نے اُسے
بھر دیا۔ رام ناتھ نے لسی پینے کے بعد جب خالی کٹورا واپس کیا تو رو
پوچھا۔ "اور دوں؟"

"نہیں۔" اس نے جواب دیا۔

روپ وتی کے ماموں نے کہا۔ "پی لو بھئی لسی بہت ہے۔ تم جیسے
آدمی کا ایک کٹورے میں کیا بنتا ہے۔"

"اچھا لائیے!"

روپ وتی نے مسکراتے ہوئے دوسرا کٹورا پیش کیا۔ لسی پینے کے
نے روپ وتی کے ماموں کے ساتھ اِدھر اُدھر کی چند باتیں کیں اور اٹھ
لیکن دیر تک اس کی نگاہوں کے سامنے ایک بڑی بڑی سیاہ آنکھو
کی تصویر ناچتی رہی۔ چند دن تک وہ روپ وتی کو دوبارہ نہ دیکھ سکا۔

ایک صبح وہ دریا میں نہانے کے بعد کپڑے پہن رہا تھا کہ چند
کی اوٹ میں کوئی ہلکے ہلکے سروں میں گاتا ہوا سنائی دیا۔ یہ کسی عورت
آواز تھی اور گیت وہی تھا جو چند دن قبل رام ناتھ نے ہل چلاتے ہوئے
گانے والی ایک مصرع کہہ کر اچانک خاموش ہوگئی۔ پھر تھوڑی دیر
نے دوسرے مصرعے کو کچھ رام ناتھ اور کچھ اپنے الفاظ کے ساتھ ایک
صورت میں پورا کر دیا۔ رام ناتھ نے جھجکتے جھجکتے اصلی مصرع پڑھا اور
پھر خاموش ہوگئی۔

ایک لڑکی چند مویشیوں کو ہانکتی ہوئی درختوں کی اوٹ سے نمودار ہوئی اور
رام ناتھ دم بخود ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ یہ روپ وتی تھی۔ جب مویشیوں کو
پانی پلانے کے بعد وہ واپس جانے لگی تو رام ناتھ نے قدرے جرأت سے کام لیتے
ہوئے کہا۔ "دیکھو جی! تمھیں میرے شعر بگاڑنے کا کوئی حق نہیں؟"

روپ وتی نے مڑ کر رام ناتھ کی طرف دیکھا، مسکرائی اور کچھ کہے بغیر اپنے مویشیوں
کو ہانکتی ہوئی درختوں میں روپوش ہوگئی۔ تھوڑی دیر بعد رام ناتھ پھر اس کے گانے
کی آواز سن رہا تھا اور اب وہ ایک مصرعے کی بجائے دونوں مصرعے بگاڑ کر گا رہی
تھی۔

یہ ابتدا تھی اور چھ ماہ کے بعد وہ اسی دریا کے کنارے ایک دوسرے کے
ساتھ محبت کا عہد باندھ رہے تھے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب دریائے ستلج سے آگے محمود غزنوی کی فتوحات کے
باعث ہندوستان کے تمام راجے مستقبل کے خطرات کا سامنا کرنے کے لیے
اپنی فوجی قوت میں اضافہ کر رہے تھے۔ رام ناتھ کے بہت سے ہم عمر گوالیار کی
فوج میں بھرتی ہو کر جا چکے تھے۔ ایک سپاہی کی حیثیت میں نام پیدا کرنے کی
خواہش رام ناتھ کے دل میں پہلے ہی موجود تھی۔ اب روپ وتی کی محبت نے
اپنے مستقبل کے متعلق اس کے عزائم اور زیادہ بلند کر دیے تھے لیکن اپنی ماں
کی طویل علالت کے باعث وہ گھر چھوڑ کر نہ جا سکا۔ قریباً چار ماہ زندگی اور موت
کی کش مکش میں مبتلا رہنے کے بعد رام ناتھ کی ماں چل بسی اور اس کی وفات سے
تین مہینے بعد وہ فوج میں بھرتی ہو گیا لیکن جانے سے پہلے روپ وتی سے
آخری ملاقات کے بعد اس کے تصورات کے محل مسمار ہو چکے تھے۔ اب وہ صرف

اپنے باپ کی دیرینہ آرزو پوری کرنے کے لیے جا رہا تھا۔

(۳)

رام ناتھ کو گھر سے گئے دو سال گزر چکے تھے۔ اس عرصہ میں محمود غزنوی
کا سیلاب گنگا اور جمنا کے میدانوں کا رُخ کر چکا تھا۔ جنوب مشرقی ہندوستان
کو ابتدا میں یہ اطمینان تھا کہ مہاراجہ قنوج کی قیادت میں باقی راجاؤں کی
آگے بڑھ کر دشمن کا منہ پھیر دیں گی لیکن محمود کی تیز رفتاری نے اُن کے
یہ خدشات پیدا کر دیے کہ اس لشکرِ جرار کے حرکت میں آنے سے پہلے
کی افواج راستے کے شہروں اور قلعوں کی مزاحمت کو کچلتی ہوئی قنوج اور
تک پہنچ جائیں گی۔ متھرا کے برہمنوں کو یہ یقین تھا کہ وطن کا ہر سپاہی
مقدس شہر کی دیوار کے نیچے کٹ مرے گا اور دشمن کو ان عظیم الشان مند
قریب نہیں آنے دے گا جنھیں تمام راجے اور مہاراجے صدیوں سے
رہے ہیں۔ سرسوا سے لے کر گوالیار اور کالنجر تک ہر مندر کے پجاری
کا نعرہ بلند کر رہے تھے۔ جب محمود غزنوی سرسوا کے حکمران کو شکست دے
بعد برن کی طرف بڑھا تو متھرا کے برہمن راجوں کو کوستے ہوئے قرب و جوار
ریاستوں میں پھیل گئے اور عوام سے متھرا کی حفاظت کے لیے جانی اور
کی اپیل کرنے لگے۔

دوسری ریاستوں کی طرح گوالیار کے باشندوں پر بھی متھرا کے بر
چیخ پکار نے اثر کیا۔ سینکڑوں نوجوان رضاکارانہ طور پر متھرا کی حفاظت
روانہ ہو گئے اور عوام نے ان رضاکاروں کی اعانت کے لیے دل کھول
دیے۔ چند برہمن گوپی چند کے گاؤں میں بھی پہنچے اور انھوں نے ارد گرد
کے چیدہ چیدہ لوگوں کو جمع کر کے مدد کے لیے اپیل کی۔ متھرا کے برہمن

باتوں سے متاثر ہو کر اس علاقے سے بھی کئی نوجوان متھرا جانے کے لیے تیار
ہو گئے لیکن جب گھوڑے اور اسلحہ فراہم کرنے کا مسئلہ سامنے آیا تو لوگوں نے یہ
عذر پیش کیا کہ عنقریب سومنات کے پجاری لگان وصول کرنے کے لیے آنے والے
ہیں اور وہ کسی کو ایک کوڑی بھی معاف نہیں کریں گے۔ اگر ان کا خوف نہ ہو تو اس
علاقے کا ہر آدمی اپنا پیٹ کاٹ کر بھی متھرا کی حفاظت کرنے والے رضاکاروں
کی مدد کے لیے تیار ہے۔ متھرا کے برہمنوں نے لوگوں کو سمجھایا کہ سومنات کے مندر
کی جاگیریں تمام ریاستوں میں ہیں اور ان جاگیروں کے اکثر زمیندار اور کسان
ایسے ہیں جنھوں نے اپنی ساری پونجی متھرا کے مقدس شہر کی حفاظت کے لیے
پیش کر دی ہے۔ سومنات کا مندر یہاں سے سینکڑوں میل دور ہے۔ اس لیے اس
کے پروہت کو محمود غزنوی سے کوئی خدشہ نہیں لیکن متھرا پہنچنے میں محمود غزنوی
کو دیر نہیں لگے گی۔ اگر ہم نے متھرا میں دشمن کے دانت کھٹے نہ کیے تو وہ دن دور
نہیں جب ان کے گھوڑے ان بستیوں میں دوڑ رہے ہوں گے۔

گوپی چند نے ان برہمنوں کی تائید میں تقریر کرتے ہوئے کہا "بھائیو! دشمن
کے راستے میں متھرا ہمارا سب سے بڑا مورچہ ہے۔ متھرا کی شکست ہندو دھرم
کی شکست ہوگی۔ اگر سومنات کے پجاری اس قدر بے حس ہو چکے ہیں کہ انھیں
دشمن کو گنگا اور جمنا کی پوتر دھرتی پر دیکھ کر بھی ہوش نہیں آتا تو ہمیں ان کی پروا نہیں
کرنی چاہیے۔ جب وہ آئیں گے تو ہم ان سے کہہ سکیں گے کہ جب تک ہماری اپنی
آزادی خطرے میں ہے ہم تمھیں لگان نہیں دے سکتے۔ ہم اپنے راجہ سے مطالبہ
کریں گے کہ وہ ان لوگوں کو ہم پر ظلم کرنے کی اجازت نہ دے جو ہمارے خون اور
پسینے کی کمائی سے اپنی توندیں بڑھا رہے ہیں اور اگر راجہ نے ہماری چیخ پکار
نہ سنی تو ہم اپنی حفاظت خود کریں گے۔ متھرا کے برہمن اپنے لیے کچھ مانگنے نہیں

یقیناً انھیں یہ جواب دیتا کہ ہم سومنات کی رعایا ہیں اور ہمارے پاس
لیے ایک کوڑی بھی نہیں لیکن اب اگر میں متھرا کی حفاظت کے لیے
لٹانے کے لیے تیار ہوں تو میری قربانی کا مقصد ہندو دھرم کے نام
عزت و آزادی کی حفاظت ہے۔" سومنات کے پجاریوں کے متعلق
لوگوں کے احساسات گوپی چند سے مختلف نہ تھے لیکن بھری محفل میں
کے اظہار کی جرأت صرف گوپی چند ہی کر سکتا تھا۔

گوپی چند کی تقریر کے بعد بستی کے لوگ اپنے گھروں سے روپیہ اور
روپیہ نہ تھا وہ غلّہ لا لا کر متھرا کے برہمنوں کے قدموں میں ڈھیر کر رہے تھے۔
زیور اتار کر انھیں پیش کر رہی تھیں۔ گوپی چند نے اپنا غلّہ بیچ کر سومنات کے
لگان کی جو رقم جمع کی تھی، وہ سب متھرا کے برہمنوں کی نذر کر دی۔ اس کے
میں اس کی بیوی کا زیور پڑا تھا اور اس کا خیال تھا کہ یہ زیور کسی دن اس کی
دلہن پہنے گی لیکن اس نے بستی کے ہر آدمی سے سبقت لے جانے کے لیے
بھی متھرا کے برہمنوں کو پیش کر دیا۔ اس کے بعد گوپی چند نے اس وفد کا
علاقے کا دورہ کیا۔ ہندوستان کے اور مندروں کی طرح متھرا کے مندروں کے
بھی سومنات کے پجاریوں کے اثر و اقتدار سے جلتے تھے۔ انھوں نے گوپی چند
منہ پھٹ آدمی کے تعاون سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کی اور سومنات
کے پجاریوں کے خلاف جو باتیں وہ اپنے منہ سے نہیں کہہ سکتے تھے وہ گوپی چند
منہ سے کہلوانے لگے۔ گوپی چند کو اکسانے کے لیے ان کا صرف یہ کہہ دینا کافی
اس زمانے میں ایسے نڈر اور صاف گو آدمی کا دم غنیمت ہے اور گوپی چند
تقریر میں اپنی دلیری اور صاف گوئی کا ایک نیا ثبوت پیش کرنا ضروری سمجھ لیتا۔
بستیوں کے لوگ گوپی چند کو ٹوکتے لیکن وہ اپنے ہر معترض کو یہ جواب دیتا کہ

اپنا ہو۔ میں بزدل نہیں ہوں۔

کوئی بیس دن بعد متھرا کے برہمنوں کا وفد اس علاقے کی رہی سہی دولت
سمیٹنے کے علاوہ متھرا کی حفاظت کے لیے ایک ہزار رضاکار روانہ کر چکا تھا۔ اس وفد
کی روانگی سے ایک ماہ بعد جب سومنات کے پجاری لگان وصول کرنے کے لیے
آئے تو انھوں نے علاقے کے کسانوں اور زمینداروں میں عام بغاوت کے آثار
دیکھ کر گوالیار کے راجہ سے شکایت کی۔ راجہ نے اپنے ایک وزیر کو تحقیقات کے لیے
بھیجا۔ وزیر نے حالات کا جائزہ لینے کے بعد راجہ کو یہ رپورٹ پیش کی کہ لوگوں نے
غلطی ضرور کی ہے لیکن اُن کی نیت بُری نہ تھی۔ تاہم انھیں تنبیہہ کر دی گئی ہے کہ
اگر انھوں نے سومنات کا لگان ادا کرنے میں کوتاہی کی تو حکومت انھیں سزا دینے
کے لیے سومنات کے پجاریوں کی مدد کرے گی۔ اس سال ان کے پاس کچھ نہیں رہا۔
اس لیے انھیں معاف کر دینا چاہیے۔ راجہ نے پجاریوں کو خوش کرنے کے لیے اپنے
خزانے سے ایک معقول رقم ادا کر دی۔ یہ رقم اس علاقے کے لگان کی رقم سے کم نہ
تھی لیکن سومنات کے پجاریوں کی نگاہ میں یہ جرأت قابلِ معافی نہ تھی۔ واپس جاتے
ہوئے انھوں نے اپنے چند ساتھیوں کو یہ مشورہ دیا کہ تم یہیں رہ کر ہمارے خلاف
متھرا کے برہمنوں کی تبلیغ کا اثر زائل کرنے کی کوشش کرو۔

ان واقعات سے چند دن بعد علاقے کے لوگوں نے یہ خبر سنی کہ سلطان محمود
کی افواج برن اور مہابن کی تسخیر کے بعد متھرا کا محاصرہ کر چکی ہیں۔ پھر ایک دن یہ
خبر آئی کہ سلطان متھرا پر قبضہ کر چکا ہے۔ یہ خبر سن کر سب سے زیادہ صدمہ گوپی چند
کو ہوا۔ سومنات کے وہ پجاری جو ابھی تک اس علاقے میں تھے، ہر گاؤں کے
لوگوں کو یہ سمجھا رہے تھے کہ متھرا کے برہمنوں نے سومنات کے دیوتا کو ناراض کیا
تھا اور اب انھیں اس پاپ کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ سومنات کا دیوتا ہر اس شخص کو

سزا دے گا جو اس سے منہ موڑ کر دوسرے دیوتاؤں کی سیوا کرنا چاہتا ہے
تمام مندر نابود ہو جائیں گے اور وہ تمام مورتیاں توڑ دی جائیں گی جن کے
سومنات کے پجاریوں کی عزت نہیں کرتے اور جن ریاستوں کے راجہ
جاگیروں سے اپنی فوجی ضروریات کے لیے چندہ جمع کیا ہے یا کسی اور
کو چندہ جمع کرنے کی اجازت دی ہے، ان سب کا حشر بہت بُرا ہوگا۔
ملک کی نجات اس میں ہے کہ تمام ریاستوں کے حکمران اور عوام اور
کے پروہت اور پجاری سومنات کی تعظیم کے لیے سر جھکا دیں۔

ایسی باتیں سن کر علاقے کے وہ لوگ جنھیں گوپی چند نے اپنا ہم خیال
تائب ہو چکے تھے۔ اکثر اپنے روٹھے ہوئے دیوتا کو خوش کرنے کے
مویشی بیچ بیچ کر سومنات کے پجاریوں کو نذرانے پیش کر رہے تھے اور
تک ضدی تھے۔ انھوں نے قنوج کے راجہ کی شکست کے بعد توبہ کر لی
اپنی ہٹ پر قائم رہا لیکن اب اس کا ساتھ دینے والا کوئی نہ تھا۔ وہ لوگ جو
جرأت اور بے باکی کی تعریف کیا کرتے تھے، اب اس کے ساتھ بات کر
گھبراتے تھے۔ وہ لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کرتا کہ انسان ایک دوسرے
دشمن ہو سکتے ہیں لیکن بھگوان کے دیوتا ایک دوسرے کے دشمن نہیں
یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سومنات کے پجاری ہمارے ساتھ خفا ہوں اور
کے دیوتا کی مورتی متھرا، مہابن، قنوج اور آسی کے مندروں سے اٹھ
ہماری قربانی کا مقصد ان شہروں میں بھگوان کے دیوتاؤں کے مندروں
کی مورتیوں کی حفاظت تھا۔ میں یہ ماننے کے لیے تیار نہیں کہ سومنات کا
سے خوش ہونے کی بجائے خفا ہو چکا ہے۔ ہماری شکست کا باعث
حکمرانوں کی بزدلی اور مختلف مندروں کے پجاریوں کے باہمی عناد کے
کچھ نہیں۔

لیکن اب کوئی گوپی چند کی باتوں پر کان دھرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ گاؤں کی عورتیں اپنے مردوں کو اس کے ساتھ باتیں کرنے سے منع کیا کرتی تھیں۔ نوعمر لڑکے جو اس کی گالیوں پر ہنسا کرتے تھے، اب اسے بات بات پر ٹوکا کرتے تھے اور بوڑھے اُسے سمجھایا کرتے تھے۔ "بھائی! اب اپنی زبان کو لگام دو۔ تمھارے خلاف سومنات کے پروہت تک شکایات پہنچ چکی ہیں۔ ہمیں ڈر ہے کہ تمھاری وجہ سے ہم سب کی شامت نہ آجائے۔" متھرا کی حفاظت کے لیے اپنے گھر بار چھوڑ کر جانے والے رضاکاروں میں سے بعض گرفتار ہو چکے تھے اور ان کے خویش و اقارب اس تباہی کی تمام ذمہ داری گوپی چند کے سر تھوپتے تھے۔ جو بچ کر آگئے تھے وہ بھی گوپی چند سے دور رہنا پسند کرتے تھے۔

ان حالات میں گاؤں کے ہر آدمی سے گوپی چند کی نفرت و حقارت جنون کی حد تک پہنچ چکی تھی۔ اب وہ انتہائی بے چینی کے ساتھ رام ناتھ کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا اور اس کی تمام دلچسپیاں رام ناتھ کی یاد تک محدود ہو کر رہ گئی تھیں۔

رام ناتھ اپنی ملازمت کے پہلے ہی سال راجہ کی فوج میں نیزہ بازوں کے ایک دستے کا افسر بن چکا تھا۔ اگلے سال وہ چند ہفتوں کی رخصت پر گھر آیا تو ایک خوبصورت گھوڑے پر سوار تھا۔ ندپ وتی اس کی غیر حاضری میں سومنات جا چکی تھی۔

ندپ وتی کے دائمی جدائی کے تصور سے رام ناتھ کو اپنے گردوپیش کی ہر شے اُداس اور مغموم دکھائی دیتی تھی۔ اس کے سازِ حیات کے وہ تار ٹوٹ چکے تھے جو ان دلکش فضاؤں کو نغموں سے لبریز کر دیا کرتے تھے۔ اس کے ہونٹوں سے ایک دائمی مسکراہٹ چھن چکی تھی اور اس کی بھٹکتی ہوئی نگاہیں ہر وقت یہ ظاہر کرتی تھیں کہ وہ کسی کھوئی ہوئی شے کی متلاشی ہے۔

کبھی کبھی گوپی چند اس سے پوچھتا۔ "بیٹا! تم پریشان کیوں ہو؟"
"کچھ نہیں پتا جی!" وہ چونک کر جواب دیتا۔ "میں کچھ سوچ رہا تھا۔"
"کیا سوچ رہے تھے بیٹا!"
"کچھ نہیں پتا جی!" رام ناتھ کوئی بہانہ کر کے اٹھتا اور چپکے سے باہر
ایک شام رام ناتھ اکیلا دریا کے کنارے بیٹھا ہوا تھا۔ یہ وہی جگہ
وہ کئی بار روپ وتی سے مل چکا تھا۔ اس نے گانے کی کوشش کی لیکن
آواز سینے میں گھٹ کر رہ گئی۔ گوپی چند اسے تلاش کرتا ہوا وہاں آ نکلا۔
"یہاں کیا کر رہے ہو بیٹا!" گوپی چند نے پوچھا۔
"کچھ نہیں پتا جی۔ یونہی پھرتے پھراتے یہاں آ کر بیٹھ گیا ہوں۔"
گوپی چند اس کے قریب بیٹھ گیا۔ باپ اور بیٹا کچھ دیر خاموش رہے۔
چند نے کہا۔ "بیٹا لوگ کہتے ہیں کہ تم نے گانا بالکل چھوڑ دیا ہے۔"
رام ناتھ نے جواب دیا۔ "ہاں پتا جی! آپ کو گانے سے نفرت جو تھی۔"
گوپی چند نے کہا۔ "میں تمہارے گانے سے صرف اس وقت تک
جب تک تم سپاہی نہیں بنے تھے اور اب تو میں خود تمہارا گانا سننا چاہتا
"پتا جی اب میں گا نہیں سکتا۔ اب میں شاید کبھی نہ گا سکوں۔ چلیے گھر
رام ناتھ یہ کہہ کر کھڑا ہو گیا۔

رام ناتھ کو زیادہ دن گھر میں ٹھہرنے کا موقع نہ ملا۔ گنگا اور جمنا کے
کی طرف محمود غزنوی کی پیش قدمی کی اطلاع سنتے ہی وہ واپس چلا گیا۔ اس
بعد کئی مہینے گوپی چند کو اس کے متعلق کوئی اطلاع نہ ملی۔ محمود غزنوی کی
کے بعد گوپی چند نے اسے ملنے کے لیے گوالیار کی راجدھانی کا رخ کیا لیکن
پہنچ کر اسے معلوم ہوا کہ اس کا بیٹا گوالیار کی فوج کے ساتھ کسی ایسی مہم پر

ہے جس کے بارے میں کچھ ظاہر نہیں کیا جا سکتا۔ وہ فوج کے ایک بڑے عہدیدار
سے ملا تو اس نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "تمہارا بیٹا زندہ ہے لیکن ابھی ہم تمہیں یہ
نہیں بتا سکتے کہ وہ کہاں ہے۔ اگر تم اسے کوئی پیغام بھیجنا چاہتے ہو تو خط لکھ کر
مجھے دے دو۔" گوپی چند نے ایک خط لکھ کر اس کے حوالے کر دیا۔ اس خط کا مضمون
یہ تھا:-

میری آنکھوں کے تارے!
مجھے تمہارے متعلق مدت سے کوئی اطلاع نہیں ملی۔ اب
میرے لیے گاؤں میں رہنا ناممکن ہو گیا ہے۔ بھگوان کے لیے چند
دن کی چھٹی لے کر آؤ اور مجھے اپنے ساتھ لے جاؤ یا مجھے اپنا پتہ بھیج
دو تاکہ میں خود آ جاؤں۔"

تمہارا باپ
گوپی چند

گوپی چند اپنے گاؤں میں واپس آ کر انتہائی بے تابی سے اپنے بیٹے کے
جواب کا انتظار کر رہا تھا۔ چند دنوں کے بعد ملک میں یہ افواہ گرم تھی کہ سلطان
محمود کے گزشتہ حملے کے دوران میں قنوج کے مہاراجہ کی پسپائی کے باعث ہمسایہ
ریاستوں کے بہت سے حکمران اس کے خلاف ہو چکے ہیں۔ یہ حکمران راجہ گنڈا کی دعوت
پر جمع ہوئے تھے اور انھوں نے قنوج کے حکمران کو یہ پیغام تھا کہ مسلمانوں
سے خوفزدہ ہو کر بھاگ نکلنے کے بعد تمہارا تخت پر بیٹھے رہنا راجپوتوں کی توہین ہے۔
اس لیے اگر تم تخت سے دستبردار ہو جاؤ تو بہتر، ورنہ ہم زبردستی تمہیں تخت سے اتار
دیں گے۔

پھر یہ خبر مشہور ہوئی کہ گوالیار اور دوسری کئی ریاستوں کی افواج کالنجر کے

ولیعہد کی راہنمائی میں قنوج کی طرف پیش قدمی کر رہی ہیں۔

کوئی ایک ماہ بعد قنوج کا حکمران اپنے بیٹے اور فوج کے بڑے بڑ
کی غداری کے باعث میدان میں شکست کھانے کے بعد مارا گیا اور
راجوں نے قنوج کی نئی راجدھانی باری پر قبضہ کر کے اس کے بیٹے ترلو
تخت پر بٹھا دیا۔

گوپی چند اب یہ سمجھ چکا تھا کہ اس کا بیٹا گوالیار کی فوج کے ساتھ ج
ہوا تھا وہ یہی تھی۔ چنانچہ اب وہ زیادہ بیقراری سے اس کی واپسی کا انتظ

(۴)

دن ڈھلے گوپی چند کے گاؤں کا ایک بوڑھا دریا کے قریب مویشی
کہ اسے دور سے ایک سرپٹ سوار آتا دکھائی دیا۔ سوار قریب پہنچا تو چرواہا
پہچانتے ہی بھاگ کر پگڈنڈی میں کھڑا ہو گیا اور دونوں ہاتھ بلند کرتے ہو
"ٹھہرو! ٹھہرو!"

سوار نے دونوں ہاتھوں سے لگام کھینچ کر گھوڑا روکنے کی کوشش
تیز رفتار گھوڑا رُکتے رُکتے کئی گز آگے نکل گیا اور چرواہے کو اپنی جان بچا
لیے بھاگ کر ایک طرف ہٹنا پڑا۔

یہ رام ناتھ تھا۔ وہ گھوڑے کی لگام موڑ کر چرواہے کی طرف متوجہ ہ
نے بھاگ کر اس کے گھوڑے کی لگام پکڑتے ہوئے کہا۔ "رام ناتھ! بھگ
لیے آگے نہ جاؤ، یہیں سے واپس ہو جاؤ۔"

لہ یہ ترلوچن پال ولیعہد کا وہ شکست خوردہ حکمران نہیں جو ابھی تک اپنی کھوئی ہوئی سلطنت
حاصل کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ بلکہ قنوج اور باری کے مہاراجہ کا ولیعہد تھا۔

رام ناتھ چند ثانیے پھٹی پھٹی نگاہوں سے چرواہے کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اُس
نے قدرے ہمت سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "کیوں چچا! کیا بات ہے؟"

چرواہے نے ڈوبتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "گاؤں میں سومنات کے پجاری
آئے ہوئے ہیں اور......"

"بھگوان کے لیے جلدی کہو۔" رام ناتھ نے بے چین ہو کر کہا۔

"انھوں نے تمھارے پتا کو گرفتار کر لیا ہے۔"

"تم کیا کہہ رہے ہو؟"

"میں جھوٹ نہیں کہتا۔ سومنات کے پجاری لگان جمع کرنے آئے ہوئے ہیں۔
انھوں نے تمھارے پتا کی تمام جائداد چھین کر نیلام کر دی ہے اور گھر کو آگ لگا دی
ہے۔ تمھارے پتا نے آپے سے باہر ہو کر ایک پجاری کا گلا گھونٹنے کی کوشش کی
تھی۔ اب سپاہیوں نے اُسے باندھ رکھا ہے اور دوپہر سے اُسے پیٹ رہے ہیں۔ وہ
کئی بار بے ہوش ہو چکا ہے اور جب بھی ہوش میں آتا ہے سومنات کے پروہت
اور پجاریوں کو گالیاں دینی شروع کر دیتا ہے۔ بھگوان کے لیے تم وہاں نہ جاؤ۔ ان
کے ساتھ پوری فوج ہے۔"

رام ناتھ کی قوت برداشت جواب دے چکی تھی۔ اس نے کچھ کہے بغیر لگام کھینچ
کر گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔ گھوڑا پچھلی ٹانگوں پر کھڑا ہو گیا اور چرواہے نے گھبرا کر
لگام چھوڑ دی۔

گوپی چند چوپال کے سامنے ایک کھلی جگہ منہ کے بل پڑا ہوا تھا۔ ایک سپاہی
بید کی چھڑی لیے اس کے سر پر کھڑا تھا۔ سومنات کے دو پجاری ایک طرف
چارپائیوں پر اور کوئی چالیس مسلح آدمی پجاریوں کے آس پاس زمین پر بیٹھے ہوئے
تھے۔ گاؤں کے لوگ ارد گرد کھڑے تھے۔ ایک پجاری چارپائی سے اُٹھ کر آگے بڑھا

اور اُس نے گوپی چند کو اپنے پاؤں سے چند ٹھوکریں مارنے کے بعد جھک کر
نبض ٹٹولتے ہوئے کہا "یہ مر چکا ہے۔"

گاؤں کے لوگ جو ابھی تک خاموش کھڑے تھے۔ سرگوشی کے انداز میں [illegible]
دوسرے کے ساتھ باتیں کرنے لگے۔ چند آدمی ڈرتے ڈرتے گوپی چند کی لاش کی طرف [illegible]
لیکن پجاری نے گرجتی ہوئی آواز میں کہا "آگے مت آؤ، وہیں کھڑے رہو"

لوگ سہم کر پیچھے ہٹ گئے لیکن ایک عمر رسیدہ کسان نے قدرے [illegible]
سے کام لیتے ہوئے کہا "مہاراج! اب رات ہونے والی ہے اگر آپ اجازت [illegible]
تو ہم اس لاش کو ٹھکانے لگا دیں۔"

پجاری نے جواب دیا "یہ لاش اس وقت تک یہیں رہے گی جب تک
علاقے کے تمام لوگ اسے دیکھ نہیں لیتے۔"

عمر رسیدہ آدمی کچھ اور کہے بغیر پیچھے ہٹ گیا اور گاؤں کے لوگ [illegible]
اپنے اپنے گھر کا رُخ کر رہے تھے۔ سپاہی لوگوں کی فصلوں میں چرنے والے [illegible]
اور ہاتھیوں کی دیکھ بھال کے لیے جا رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد پجاریوں [illegible]
صرف اُن کے آٹھ سپاہی اور گاؤں کے پندرہ بیس آدمی رہ گئے تھے۔

رام ناتھ نے چوپال کے قریب پہنچ کر اپنا گھوڑا روکا۔ گاؤں کے لوگوں [illegible]
"رام ناتھ آگیا، رام ناتھ آگیا!" کی صدائیں بلند کیں۔ اس نے گھوڑے سے [illegible]
ادھر دیکھا اور بھاگتا ہوا اپنے باپ کی لاش کی طرف بڑھا۔ اس کے گھوڑے [illegible]
لباس نے تھوڑی دیر کے لیے پجاریوں اور اُن کے سپاہیوں کو مرعوب کر [illegible]
کے ایک نوجوان نے اس کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی۔ رام ناتھ "پتا جی! [illegible]
کہتے ہوئے اپنے باپ کی لاش گود میں لے کر زمین پر بیٹھ گیا۔

"یہ کون ہے؟" ایک پجاری نے چارپائی سے اُٹھ کر آگے بڑھتے ہوئے [illegible]

لوگوں سے سوال کیا لیکن گاؤں کے آدمی جواب دینے کی بجائے تذبذب اور پریشانی
کی حالت میں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے تو پجاری نے رام ناتھ کے قریب پہنچ
کر سوال کیا "تم کون ہو؟"

رام ناتھ نے گردن اٹھا کر پجاری کی طرف دیکھا اور جواب دینے کی بجائے اپنے
کانپتے ہوئے ہونٹ دانتوں میں دبا لیے۔

پجاری نے دوسری بار گرجتی ہوئی آواز میں اپنا سوال دہرایا تو رام ناتھ لاش کو
زمین پر لٹا کر کھڑا ہو گیا اور کانپتی ہوئی آواز میں بولا "اسے کس نے مارا ہے؟"
رام ناتھ کی آنکھوں میں آگ کے شعلوں نے پجاری کو پریشان کر دیا۔ تاہم اُس نے
جرأت سے کام لیتے ہوئے کہا "تمہیں اس سوال کا جواب ابھی مل جائے گا۔ پہلے یہ
بتاؤ کہ تم ہو کون اور تمہیں ایسے ملیچھ آدمی کے ساتھ ہمدردی جتانے کی جرأت کیسے
ہوئی؟"

"ملیچھ تم ہو۔" رام ناتھ نے یہ کہتے ہوئے پوری قوت کے ساتھ ایک مُکا پجاری
کے منہ پر رسید کیا۔ بھاری بھرکم پجاری لڑکھڑاتا ہوا پیٹھ کے بل جا گرا اور اس کے
گرتے ہی آٹھ مسلح سپاہی جو وہاں موجود تھے "پکڑ لو، مار دو" کے نعرے لگاتے ہوئے
آگے بڑھے۔ اتنی دیر میں رام ناتھ اپنی تلوار نکال چکا تھا۔ ان سپاہیوں نے آج تک
اپنے بازوؤں کی قوت صرف ہاتھ جوڑنے والے لوگوں پر آزمائی تھی۔ یہ پہلا موقعہ تھا
کہ وہ اپنی زنگ آلود تلواروں کی جواب میں ایک چمکتی ہوئی تلوار دیکھ رہے تھے۔
رام ناتھ کو مدافعت کے لیے پیچھے ہٹنے کی بجائے حملے کے لیے تیار دیکھ کر وہ چند
قدم دور رُک کر ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔

دوسرا پجاری چلایا "بزدلو! دیکھتے کیا ہو؟"

سپاہیوں نے بادل نخواستہ آگے بڑھ کر رام ناتھ کو گھیرے میں لینے کی کوشش

کی لیکن اس نے پہلے حملے ہی میں یکے بعد دیگرے دو سپاہیوں کو موت کے
اتار دیا۔ تیسرا سپاہی بدحواس ہو کر اُلٹے پاؤں بھاگا لیکن اس نے زمین پر
پجاری کے ساتھ ٹھوکر کھائی اور پیٹھ کے بل گر پڑا۔ اس نے اُٹھنے کی کوشش
رام ناتھ کی تلوار اس کے سر پر لگی اور وہ دوبارہ حرکت نہ کر سکا۔ باقی سپاہی
بھاگ کر اپنے ان ساتھیوں کو آوازیں دے رہے تھے جو کھیتوں میں اپنے گھوڑے
اکٹھے کر رہے تھے۔ دوسرا پجاری بدحواس ہو کر پاس ہی ایک درخت
کی کوشش کر رہا تھا۔

گاؤں کے لوگ چلا رہے تھے "رام ناتھ اب بھاگ جاؤ۔ سپاہی کھیتوں میں
اپنے گھوڑے پکڑنے کے لیے گئے ہوئے ہیں، وہ ابھی آجائیں گے۔ جلدی کرو"
لیکن رام ناتھ اب نیچے پڑے ہوئے پجاری کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔
تلوار کی نوک پجاری کے سینے پر تھی اور پجاری ہاتھ باندھ کر چلا رہا تھا۔ "
میں سومنات کا پجاری ہوں، مہاراج! مہاراج!!"

رام ناتھ نے اس کے منہ پر زور سے پاؤں مارتے ہوئے کہا۔ "بزدل اور
باپ تھا۔"

گاؤں کے لوگوں نے بھاگ کر پجاری کو بچانے کی کوشش کی لیکن
تلوار اس کے سینے کے آر پار ہو چکی تھی اور وہ خود بھاگ کر گھوڑے پر سوار

تھوڑی دیر بعد سومنات کے پجاریوں کے جاں نثار سپاہی اس کی تلاش میں
نکلے تو رام ناتھ دو کوس دور رات کی تاریکی میں پناہ لے چکا تھا۔ لیکن اس کے
آنے والی ہر نئی صبح کی روشنی اُسے یہ پیغام دیتی تھی کہ موت سائے کی طرح
کے پیچھے لگی ہوئی ہے۔ دیوتاؤں کی سرزمین میں سومنات کے پجاری کے
کے لیے کوئی جگہ نہ تھی۔

اپنا گھر

ایک پہر رات گئے زبیر اور شمبوناتھ چاند کی روشنی میں تھوڑی دور اپنی منزل
مقصود دیکھ رہے تھے۔ تھکے ہوئے گھوڑے گردنیں جھکائے آہستہ آہستہ قدم اُٹھا
رہے تھے۔ پگڈنڈی کے آس پاس مینڈکوں اور جھینگروں نے اپنا نہ ختم ہونے والا راگ
شروع کر رکھا تھا۔ زبیر کا رُواں رُواں اپنے وطن کی زمین کی مہک سے سرشار ہو
رہا تھا۔ اس نے اپنے گھوڑے کی گردن پر تھپکی دیتے ہوئے کہا "میرے دوست!
مجھے تمہاری بھوک اور تھکاوٹ کا علم ہے لیکن اب ہماری منزل دور نہیں۔"

کھیتوں سے نکل کر وہ ایک گھنے باغ میں داخل ہوئے اور زبیر کے دل و دماغ
پر ایک بار پھر ماضی کے حسین و دلفریب نقوش ابھرنے لگے۔ یہ وہی باغ تھا
جہاں وہ بچپن میں کھیلا اور قہقہے لگایا کرتے تھے۔ یہ قہقہے اب بھی اس کے ذہن
میں گونج رہے تھے۔

باغ عبور کرنے کے بعد وہ اپنے قلعہ نما محل کی چاردیواری دیکھ رہا تھا۔
اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹیں کھیل رہی تھیں اور آنکھوں میں تشکر کے آنسو چھلک
رہے تھے۔ محل کے اندر کامل سکوت تھا۔ بالائی منزل کے ایک کمرے کے دریچے

سے جس کا بیشتر حصہ صحن کے ایک تناور درخت کی شاخوں نے چھپا
چراغ کی مدھم روشنی باہر آ رہی تھی۔ شمبوناتھ نے دریچے کی طرف اشارہ
کہا۔" ادھر دیکھیے، شکنتلا کے کمرے میں دیا جل رہا ہے۔ وہ جاگ رہی ہے
آپ کو بتایا تھا کہ آپ کی غیر حاضری میں ایک رات اس نے سپنا دیکھا
کھڑکی کے راستے اُس کے کمرے میں داخل ہوئے ہیں۔ اس کے بعد
اپنے کمرے کا دیا نہیں بجھاتی۔"

وہ دیوار کے ساتھ ساتھ پھاٹک کا رُخ کر رہے تھے۔ اچانک رنبیر
گھوڑا روکتے ہوئے کہا۔" ٹھہرو شمبو! اس وقت اگر ہم نے پھاٹک پر
تو نوکر شور مچا کر سارا گاؤں جمع کر لیں گے۔ میں سب سے پہلے شکنتلا
دیکھنا چاہتا ہوں۔ تم تھوڑی دیر یہیں ٹھہرو۔ دیکھوں آج شکنتلا مجھے پہچانتی
ہے یا نہیں۔"

شمبوناتھ نے کہا۔" اگر آپ کے بال سفید ہو چکے ہوتے تو بھی شکنتلا
پہچان لیتی۔"

رنبیر اپنا گھوڑا دیوار کے قریب لے گیا۔ پھر زین پر کھڑا ہو کر دیوار
اور اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد صحن میں کود پڑا۔ کشادہ صحن طے کر کے وہ
کے پچھواڑے کی دیوار کے ساتھ چلتا ہوا کونے پر ایک جامن کے درخت
رُکا اور اوپر دیکھنے لگا۔ بالائی منزل کے کمرے کے دریچے سے ابھی تک
تھی۔ رنبیر کے دل کی دھڑکنیں ہر لحظہ تیز ہو رہی تھیں۔ وہ سوچ رہا تھا
پہلے مجھے چور سمجھے گی۔ پھر بھیا! بھیا! کہتی ہوئی مجھ سے لپٹ جائے گی
کہوں گا۔ پگلی! تم خواب دیکھ رہی ہو۔" پھر وہ دل ہی دل میں کہنے لگا
دبے پاؤں اندر داخل ہو کر اپنے ہاتھوں سے اس کی آنکھیں بند کر لوں

نہیں! اس طرح وہ ڈر جائے گی۔ میں کھڑکی سے جھانک کر اندر دیکھوں گا۔ پھر اگر
وہ جاگ رہی ہو گی تو میں درخت کی ٹہنیوں میں چھپ کر اُسے آہستہ سے آواز دوں
گا۔ وہ پریشان ہو کر دیکھے گی اور پھر میرے لیے اپنے قہقہے روکنا مشکل ہو جائے گا۔
اس کے بعد ہم دونوں پتاجی کے کمرے میں جائیں گے۔"
اپنے باپ کے متعلق سوچتے ہوئے رنبیر کو ایک بار پھر طرح طرح کے خدشات
پریشان کرنے لگے۔ اپنے وطن کی سرحد میں داخل ہونے سے پہلے وہ قنوج کے
اندرونی انقلاب کی خبر سن چکا تھا اور اس نے آخری منزل انتہائی تیز رفتاری
کے ساتھ طے کی تھی۔ اگرچہ اسے شمبوناتھ کی باتوں سے یہ یقین ہو چکا تھا کہ سلطان
محمود کے ہاتھوں قنوج کی شکست کے باعث اس کا باپ قنوج کے شاہی خاندان
سے ہی نہیں بلکہ آس پاس کے تمام راجاؤں سے مایوس اور متنفر ہو چکا ہے اور اس نے
قنوج کے حکمران اور اس کی جنگ میں کوئی حصہ نہیں لیا ہو گا۔ تاہم کبھی کبھی نامعلوم سے
خدشات اس کے دل میں اُبھر آتے تھے۔

محل کے دوسرے کونے سے ایک پہریدار نمودار ہوا۔ رنبیر درخت کے ساتھ
سمٹ کر کھڑا ہو گیا۔ ایک بار رنبیر کے دل میں اُسے آواز دینے کی خواہش پیدا ہوئی
لیکن وہ ابھی تذبذب کی حالت میں تھا کہ پہریدار بیرونی دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا
ہوا آگے نکل گیا۔ پہریدار کی چال رنبیر کو یہ یقین دلانے کے لیے کافی تھی کہ محل کے مکین
اطمینان کی نیند سو رہے ہیں۔ وہ جامن کے درخت پر چڑھتا ہوا روشن
کھڑکی کے سامنے جا پہنچا۔

درخت کی شاخ پر کھڑا ہو کر وہ کھڑکی کے راستے کمرے کے اندر جھانکنے لگا۔
کھڑکی کے سامنے صرف دو قدم کے فاصلے پر ایک عورت سفید چادر اوڑھے پلنگ
پر سو رہی تھی۔ اس کا سر چادر سے باہر تھا لیکن اس کے چہرے کا بیشتر حصہ

بازوؤں میں چھپا ہوا تھا۔ اس کے خوبصورت ہاتھ سر سے اوپر ایک دوسرے
ملے ہوئے تھے اور کلائیوں میں باریک طلائی چوڑیاں چمک رہی تھیں۔

"شکنتلا!" رنبیر نے اپنے دل کی دھڑکن پر قابو پاتے ہوئے آہستہ سے
لیکن سونے والی کی طرف سے کوئی جواب نہ پاکر وہ کمرے کے اندر داخل
چند ثانیے بے حس و حرکت کھڑا رہنے کے بعد اُس نے شکنتلا کو جگانے کے لئے
اپنا ہاتھ بستر کی طرف بڑھایا لیکن پھر کچھ سوچ کر اچانک رُک گیا۔ اس کے
ہونٹوں پر ایک شرارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے اپنی کمر کے ساتھ
بندھی ہوئی زیورات کی تھیلی اتاری اور تمام زیورات نکال کر سونے والی
کے قریب رکھ دیے۔ پھر اس نے ایک کنگن اٹھایا اور آہستہ سے اس کی
کلائی میں ڈال دیا لیکن اس کے بعد جب وہ دوسرا کنگن اُٹھا کر دوسرے ہاتھ کی
کلائی میں ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا تو سونے والی نے اچانک اپنا ہاتھ کھینچ
کر کروٹ بدل کر انتہائی بدحواسی اور خوف کی حالت میں اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ وہ
چاہتی تھی لیکن حلق سے آواز نہ نکل سکی۔

رنبیر بھی چند ثانیے متحیر سا ہو کر اس کی طرف دیکھتا رہا۔ یہ شکنتلا نہ تھی۔
ایک دوسرے کے لیے اجنبی تھے۔ معاً رنبیر کے دل میں خیال آیا کہ شاید یہ
شکنتلا کی سہیلی ہے اور ہمارے گھر مہمان آئی ہے۔ اس خیال سے اس کے
پر ایک بار پھر مسکراہٹ کھیلنے لگی۔

"ڈریے نہیں!" اس نے لڑکی کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ "میں کوئی چور
ہوں۔ آپ کون ہیں۔ میں نے آپ کو پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ میری بہن کی سہیلیوں میں
آپ کی شکل کی کوئی لڑکی نہ تھی۔"

لڑکی کا خوف اضطراب اور پریشانی میں تبدیل ہونے لگا اور اس نے

ہوئی آواز میں کہا۔ "اگر تم چور یا ڈاکو نہیں تو اس وقت یہاں کیا لینے آئے ہو، یہاں
سے چلے جاؤ، ورنہ میں شور مچاؤں گی۔"

رنبیر نے کہا۔ "میں خوشی سے آپ کو شور مچانے کی اجازت دیتا ہوں لیکن اگر
آپ کسی اور کو آواز دینے کی بجائے میری بہن کو یہاں بلا سکیں تو بہت اچھا ہوگا۔"

لڑکی کی پریشانی غصے میں تبدیل ہو رہی تھی۔ اس نے کہا۔ "تم اگر چور نہیں تو
دیوانے ضرور ہو۔ اگر مجھے اپنی بدنامی کا ڈر نہ ہوتا تو ابھی شور مچا کر گھر کے تمام آدمیوں
کو جگا دوں۔"

"بہت اچھا! مچائیے شور۔" رنبیر نے اطمینان سے جواب دیا۔

لڑکی کا اضطراب ایک بار پھر خوف میں تبدیل ہونے لگا۔ وہ بولی۔ "تمہیں
اپنی جان کا خوف نہیں۔"

"بالکل نہیں۔"

"آخر تم کیا چاہتے ہو؟ تم کون ہو؟ اور اس وقت میرے کمرے میں ..... ؟"

"جب تک آپ یہ نہیں بتائیں گی کہ آپ کون ہیں؟ میں آپ کے کسی سوال
کا جواب نہیں دوں گا۔"

"موت کے لیے تم میرے کمرے کے سوا کوئی اور جگہ تلاش نہیں کر سکتے؟"

"نہیں، اب مجھے زندگی اور موت کے لیے کسی اور جگہ کی تلاش نہیں۔"

لڑکی اضطراب کی حالت میں اپنے ہونٹ کاٹ رہی تھی۔ رنبیر نے غصے کی
حالت میں آج تک کسی کا چہرہ اس قدر جاذب نگاہ نہیں دیکھا تھا۔ اچانک لڑکی
کی نگاہ اپنی کلائیوں پر مرکوز ہو گئی۔ ان میں چمکتے ہوئے کنگن دیکھ کر اس کا
غصہ حیرانی میں تبدیل ہو گیا اور قدرے توقف کے بعد اس نے ملتجیانہ لہجے میں
کہا۔ "تم صرف ایک لڑکی کو بدنام کرنے کے لیے موت قبول کرنا چاہتے ہو۔ آخر

"میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟"

لڑکی کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر زبیر نے قدرے متاثر ہو کر کہا۔ "معاف کیجیے میں غلطی سے اس کمرے میں آگیا تھا۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ میری یہ حرکت ایک مہمان کی پریشانی کا باعث ہو گی۔"

"مہمان! کس کی مہمان، یہ میرا اپنا گھر ہے۔"

"اچھا یہ آپ ہی کا گھر سہی لیکن یہ بتائیے کہ شکنتلا کہاں ہے۔ میں کسی اور کو جگانے سے پہلے اُسے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"آپ موہن چند کی بیٹی کے متعلق پوچھ رہے ہیں؟"

"ہاں! میں اس کا بھائی ہوں۔"

لڑکی کا چہرہ اچانک زرد پڑ گیا اور اس نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم مسلمانوں کی قید میں تھے؟"

"ہاں، میں ابھی یہاں پہنچا ہوں اور درخت پر چڑھ کر اس کھڑکی کے راستے داخل ہوا ہوں۔ میرا خیال تھا کہ میں شکنتلا کو پریشان کروں گا لیکن شکنتلا کے حصے کی پریشانی بھگوان نے آپ کی قسمت میں لکھی تھی۔ اب میں آپ سے معافی مانگتا ہوں اور درخواست کرتا ہوں کہ شکنتلا کے کمرے تک میری رہنمائی کریں ورنہ مجھے ڈر ہے کہ میں آپ کی طرح کسی اور مہمان کو پریشان نہ کر دوں۔"

لڑکی کا دل اب خوف یا غصے کی بجائے مروّت اور ہمدردی کے جذبات سے مغلوب ہو رہا تھا۔ اس کے سامنے اب چور، ڈاکو یا کسی پاگل انسان کی بجائے ایک ایسا نوجوان کھڑا تھا جس کی صورت دیوتاؤں سے ملتی تھی۔ وہ زبیر کے متعلق سن چکی تھی اور اس کے لیے یہ تصور کرنا مشکل نہ تھا کہ یہ نوجوان جو پانچ سال قید سہنے کے بعد آج اپنی بہن اور باپ سے ملنے کی آرزو لے کر آیا ہے۔ کسی الم‌ناک

حادثے کا سامنا کرنے والا ہے۔ وہ زبیر کی طرف دیکھ کر بار بار اپنے دل میں یہ الفاظ دہرا رہی تھی۔ "کاش! تم یہاں نہ آتے۔ کاش! میں یہاں نہ ہوتی۔"

زبیر نے اس کے چہرے پر حزن و ملال کے آثار دیکھ کر سوال کیا۔ "میرے پتا جی اور شکنتلا کیسے ہیں؟"

لڑکی نے قدرے تذبذب کے بعد جواب دیا۔ "وہ یہاں نہیں ہیں اور اگر تم بھی اپنی جان کی کوئی قیمت سمجھتے ہو تو بھگوان کے لیے یہاں سے بھاگ جاؤ۔"

زبیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں بہت تھکا ہوا ہوں۔ ورنہ آپ کا حکم ماننے سے انکار نہ کرتا۔"

"میں سچ کہتی ہوں، تمہارا باپ اور بہن یہاں نہیں ہیں۔"

"کہاں ہیں وہ؟"

"بھگوان کے لیے آہستہ بولو، میں ان کے متعلق کچھ نہیں جانتی۔ میں صرف یہ جانتی ہوں کہ اگر آپ موہن چند کے بیٹے ہیں تو اس مکان کی چار دیواری کے اندر آپ کی زندگی محفوظ نہیں۔"

زبیر نے دروازے کی طرف بڑھ کر کنڈی پر ہاتھ ڈالتے ہوئے مڑ کر لڑکی کی طرف دیکھا اور کہا۔ "یہ مذاق میری برداشت سے باہر ہے۔ آپ نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں مکان سے باہر میں اپنی زندگی کی کوئی قیمت نہیں سمجھتا ہوں۔"

"ٹھہریے! بھگوان کے لیے! اس طرف نہ جائیے۔" لڑکی نے یہ کہتے ہوئے بھاگ کر زبیر کا ہاتھ پکڑ لیا۔

لڑکی کی اس حرکت نے زبیر کا اطمینان متزلزل کر دیا۔ تاہم اس نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "میرے خیال میں آپ اپنی پریشانی کا کافی بدلہ لے چکی ہیں۔ اب اور مذاق نہ کیجیے۔"

میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے ؟"

لڑکی کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر رنبیر نے قدرے متاثر ہو کر کہا۔ "معاف کیجئے میں غلطی سے اس کمرے میں آگیا تھا۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ میری یہ حرکت ایک مہ کی پریشانی کا باعث ہو گی۔"

"مہمان! کس کی مہمان، یہ میرا اپنا گھر ہے۔"

"اچھا یہ آپ ہی کا گھر سہی لیکن یہ بتائیے کہ شکنتلا کہاں ہے۔ میں کسی اور کو جگانے سے پہلے اُسے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"آپ موہن چند کی بیٹی کے متعلق پوچھ رہے ہیں۔"

"ہاں! میں اس کا بھائی ہوں۔"

لڑکی کا چہرہ اچانک زرد پڑ گیا اور اس نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم مسلمانوں کی قید میں تھے ؟"

"ہاں، میں ابھی یہاں پہنچا ہوں اور درخت پر چڑھ کر اس کھڑکی کے راستے داخل ہوا ہوں۔ میرا خیال تھا کہ میں شکنتلا کو پریشان کروں گا لیکن شکنتلا کے حصے کی پریشانی بھگوان نے آپ کی قسمت میں لکھی تھی۔ اب میں آپ سے معافی مانگتا ہوں اور درخواست کرتا ہوں کہ شکنتلا کے کمرے تک میری راہنمائی کریں ورنہ مجھے ڈر ہے کہ میں آپ کی طرح کسی اور مہمان کو پریشان نہ کر دوں۔"

لڑکی کا دل اب خوف یا غصے کی بجائے مروت اور ہمدردی کے جذبات سے مغلوب ہو رہا تھا۔ اس کے سامنے اب چور، ڈاکو یا کسی پاگل انسان کی بجائے ایک ایسا نوجوان کھڑا تھا جس کی صورت دیوتاؤں سے ملتی تھی۔ وہ رنبیر کے متعلق سن چکی تھی اور اس کے لیے یہ تصور کرنا مشکل نہ تھا کہ یہ نوجوان جو پانچ سال قید رہنے کے بعد آج اپنی بہن اور باپ سے ملنے کی آرزو لے کر آیا ہے۔ کسی المناک

حادثے کا سامنا کرنے والا ہے۔ وہ رنبیر کی طرف دیکھ کر بار بار اپنے دل میں یہ الفاظ دہرا رہی تھی۔ "کاش! تم یہاں نہ آتے۔ کاش! میں یہاں نہ ہوتی۔"

رنبیر نے اس کے چہرے پر حزن و ملال کے آثار دیکھ کر سوال کیا۔ "میرے پتا جی اور شکنتلا کیسے ہیں ؟"

لڑکی نے قدرے تذبذب کے بعد جواب دیا۔ "وہ یہاں نہیں ہیں اور اگر تم بھی اپنی جان کی کوئی قیمت سمجھتے ہو تو بھگوان کے لیے یہاں سے بھاگ جاؤ۔"

رنبیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں بہت تھکا ہوا ہوں۔ ورنہ آپ کا حکم ماننے سے انکار نہ کرتا۔"

"میں سچ کہتی ہوں، تمہارا باپ اور بہن یہاں نہیں ہیں۔"

"کہاں ہیں وہ ؟"

"بھگوان کے لیے آہستہ بولو، میں ان کے متعلق کچھ نہیں جانتی۔ میں صرف یہ جانتی ہوں کہ اگر آپ موہن چند کے بیٹے ہیں تو اس مکان کی چار دیواری کے اندر آپ کی زندگی محفوظ نہیں۔"

رنبیر نے دروازے کی طرف بڑھ کر کنڈی پہ ہاتھ ڈالتے ہوئے مڑ کر لڑکی کی طرف دیکھا اور کہا "یہ مذاق میری برداشت سے باہر ہے۔ آپ نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں اس مکان سے باہر میں اپنی زندگی کی کوئی قیمت نہیں سمجھتا ہوں۔"

"ٹھہرئیے! بھگوان کے لیے! اس طرف نہ جائیے۔" لڑکی نے یہ کہتے ہوئے بڑھ کر رنبیر کا ہاتھ پکڑ لیا۔

لڑکی کی اس حرکت نے رنبیر کا اطمینان متزلزل کر دیا۔ تاہم اس نے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "میرے خیال میں آپ اپنی پریشانی کا کافی بدلہ لے چکی ہیں۔ اب اور مذاق نہ کیجئے۔"

لڑکی نے آبدیدہ ہو کر کہا: "مجھے بھگوان کی سوگند، میں تم سے مذاق نہیں کر رہی۔ کہا مانو اور جس راستے آئے ہو اسی راستے واپس چلے جاؤ۔ اب یہ گھر تمھارے لیے کے قلعے سے کم خطرناک نہیں۔ جاؤ! جلدی کرو!" وہ رنبیر کو کھڑکی کی طرف کھینچنے لگی لیکن وہ بے حس و حرکت کھڑا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اتنے میں کسی نے باہر سے دروازے کو دھکے دیتے ہوئے آوازیں دیں۔ "نرملا! نرملا! دروازہ کھولو!"

لڑکی سراپا التجا بن کر رنبیر کی طرف دیکھنے لگی۔

"نرملا دروازہ کھولو!" کسی نے اور زیادہ کرخت آواز میں کہا۔

لڑکی سہمی ہوئی آواز میں بولی: "کیا ہے پتا جی؟"

کوئی پوری قوت سے چلایا: "دروازہ کھولو!"

"کھولتی ہوں پتا جی!" یہ کہہ کر لڑکی رنبیر کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کی تمام قوتِ گویائی سمٹ کر نگاہوں میں آ چکی تھی۔ رنبیر نے بھی اس کی طرف دیکھا لیکن اب صورتِ حال اس کی برداشت سے باہر ہو چکی تھی۔ اس نے لڑکی کا ہاتھ چھوڑ کر جلدی سے کنڈی کھول دی۔ اچانک دھماکے کے ساتھ دونوں کواڑ کھلے اور رنبیر کے سامنے ایک قوی ہیکل آدمی ننگی تلوار لیے کھڑا تھا۔ اس کے پیچھے چند اور مسلح آدمی تھے۔ لڑکی "پتا جی! پتا جی!" کہتی ہوئی بھاگ کر قوی ہیکل آدمی کے ساتھ لپٹ گئی اور رنبیر نے اضطراری حالت میں چند قدم پیچھے ہٹ کر اپنی تلوار نکال لی۔

"پتا جی! اس نے مجھے کچھ نہیں کہا۔ یہ چور نہیں، یہ موہن چند کا بیٹا ہے۔ یہ اپنی بہن کی تلاش میں یہاں آیا ہے۔"

عمر رسیدہ آدمی نے جھٹکے کے ساتھ اپنا بازو چھڑاتے ہوئے لڑکی کو برآمدے کی طرف دھکیل دیا اور چلا کر کہا: "تم خاموش رہو۔ میں جانتا ہوں یہ کون ہے؟

میں اس کی بکواس سن چکا ہوں۔" پھر وہ نوکروں کی طرف متوجہ ہو کر چلایا: "بزدلو! تم کیا دیکھ رہے ہے، پکڑ لو اسے۔"

چار مسلح آدمی "گھیر لو، پکڑ لو" کے نعرے لگاتے ہوئے اندر داخل ہوئے اور محل کے نچلے حصے سے بھی اسی قسم کے نعرے سنائی دینے لگے۔ لڑکی برآمدے میں ایک عورت کے ساتھ لپٹ کر چلا رہی تھی: "ماتا جی، پتا جی کو روکو۔ وہ بے قصور ہے۔ اس نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا۔"

رنبیر کے لیے اب اس معمے کے متعلق سوچنے کا وقت نہ تھا۔ وہ کمرے کے کونے میں دیوار کے ساتھ پیٹھ لگائے تذبذب کی حالت میں کھڑا اپنے سامنے تلواریں دیکھ رہا تھا۔

قوی ہیکل آدمی احتیاط سے قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھا اور رنبیر کے گرد مسلح آدمیوں کا گھیرا تنگ ہونے لگا۔ رنبیر فطرتاً نڈر تھا لیکن اس کی قوتِ فیصلہ جواب دے چکی تھی۔ قوی ہیکل آدمی نے کہا: "تلوار پھینک دو، تم لڑ کر اپنی جان نہیں بچا سکتے۔"

"تلوار کا کھیل میرے لیے نیا نہیں لیکن کاش مجھے معلوم ہوتا کہ میرا دشمن کون ہے؟" رنبیر نے یہ کہتے ہوئے اپنی تلوار پھینک دی۔

قوی ہیکل آدمی نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا: "بھگوان کا شکر ہے کہ تم خود ہی یہاں پہنچ گئے۔ ورنہ مجھے ساری عمر تمھاری تلاش رہتی۔"

تھوڑی دیر کے بعد رنبیر ننگی تلواروں کے پہرے میں محل کے اس دروازے کا رخ کر رہا تھا جو دریا کی سمت کھلتا تھا۔ دروازے کے قریب پہنچ کر سپاہیوں نے رنبیر کے دونوں ہاتھ ایک مضبوط رسے سے باندھ دیے۔

قوی ہیکل آدمی نے کہا: "اب اسے جلدی دریا کے پار لے جاؤ۔ صبح ہونے

سے پہلے اسے ٹھکانے لگانا ضروری ہے۔ گاؤں کے کسی آدمی کو اس واقعے کی خبر نہ ہونی چاہیے۔ اگر دریا کے پار کوئی اسے دیکھ لے تو یہی کہنا کہ یہ ایک چور ہے۔ اگر تم سے کوئی غفلت ہوئی تو میں تم سب کو پھانسی دے دوں گا۔"

نرملا چند قدم دور اپنی ماں کے ساتھ کھڑی یہ باتیں سن رہی تھی۔ جب سپاہی رنبیر کو باہر لے گئے تو وہ بھاگ کر اپنے باپ کے قریب پہنچی اور سسکیاں لیتے ہوئے بولی "پتا جی! یہ پاپ ہے۔ بہت بڑا پاپ ہے۔ بھگوان کے لیے سپاہیوں کو روک لیجیے۔"

نرملا کے باپ نے کہا "بے وقوف نہ بنو نرملا! ایک سانپ کے بچے کا سر کچلنا کوئی پاپ نہیں۔ موہن چند کے بیٹے کی زندگی میں ہم اطمینان کا سانس نہیں لے سکتے۔ تم بھگوان کا شکر کرو کہ وہ میری زندگی میں ہی یہاں آگیا۔"

"نہیں نہیں، پتا جی! یہ پاپ نہ کیجیے۔"

"خاموش رہو! میں اپنے بدترین دشمن کے بیٹے کے لیے تمھارے یہ آنسو برداشت نہیں کر سکتا۔ چلو اپنے کمرے میں۔"

(۲)

آٹھ پہرے داروں کی حراست میں رنبیر محل سے نکل کر گھنے سرکنڈوں [illegible] جھاڑیوں میں سے گزرنے کے بعد دریا کے کنارے پہنچا۔ پاس ہی ایک چھوٹی سی کشتی کھڑی تھی۔ پہریداروں نے رنبیر کو کشتی کے پاس زمین پر بٹھا کر اس کے پاؤں میں رسّا ڈال دیا۔ تین پہریدار رنبیر کے پاس کھڑے رہے اور باقی پانچ کشتی میں بھرا ہوا پانی نکال کر باہر پھینکنے لگے۔ یہ سب رنبیر کے لیے اجنبی تھے۔ تھوڑی دیر بعد رنبیر کے گرد پہرہ دینے والوں میں سے ایک سپاہی نے دو

ان کا افسر معلوم ہوتا تھا۔ کشتی سے پانی نکالنے والوں کے قریب جا کر کہا "بھئی جلدی کرو دیر ہو رہی ہے۔"

ان میں سے ایک سپاہی نے جواب دیا "کشتی کا پیندا بہت خراب ہے۔ میرے خیال میں ہم سب کا اس پر سوار ہونا خطرناک ہے۔ بہتر یہ ہوگا کہ آدھے آدمی ایک بار اور آدھے آدمی دوسرے پھیرے میں پار جائیں۔ ویسے بھی یہ کشتی پانچ چھ آدمیوں سے زیادہ کے لیے نہیں۔"

سپاہی نے قدرے توقف کے بعد جواب دیا "ٹھیک ہے تم ان چار آدمیوں کو لے کر چلے جاؤ اور انھیں دوسرے کنارے چھوڑ کر جلدی واپس آجاؤ۔ پھر ہم قیدی کے ساتھ آجائیں گے لیکن دیر نہ ہو۔"

دوسرے سپاہی نے چپّو سنبھالتے ہوئے کہا "میں ابھی آتا ہوں۔"

کشتی پانچ آدمیوں کو لے کر روانہ ہوگئی اور باقی تین پہریدار رنبیر کے قریب بیٹھ گئے۔ اپنے پہریداروں کی تعداد میں کمی دیکھ کر بھی رنبیر کی مایوسی میں کوئی فرق نہ آیا۔ وہ بے بسی کی حالت میں زمین پر پڑا ہوا تھا۔ چاروں طرف اُسے موت کی تاریکی کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا "قدرت کا یہ مذاق کس قدر عجیب ہے۔ کیا [illegible] میں نے پانچ سال ایک قیدی کی حیثیت سے گزارے ہیں [illegible] وقت کے لیے میں ہر شام اور ہر صبح زندہ رہنے کی دعائیں کرتا رہا ہوں۔ [illegible] سے بغلگیر ہونے کے لیے نندنہ کے میدان تک جا نکلا تھا لیکن وہ اس [illegible] چاردیواری میں چھُپ کر میرا انتظار کر رہی تھی، جسے میں اپنے لیے دنیا کے [illegible] سے زیادہ محفوظ سمجھتا تھا۔ میں اس دشمن کی قید سے رہا ہو کر آیا ہوں جو قنوج [illegible] کے جھنڈے گاڑ چکا ہے اور آج میں ایک ایسے دشمن کے ہاتھوں مارا [illegible] جس کا نام تک مجھے معلوم نہیں۔ شکنتلا کہاں ہے؟ پتا جی کہاں ہیں؟

کیا میں اب بھی کوئی سپنا دیکھ رہا ہوں۔"

اچانک وہ اپنے پہریداروں کی طرف متوجہ ہو کر چلّا اٹھا" بھائیو! میں ز[...] صرف ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔"

پہریدار خاموشی سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔ رنبیر نے کہا" میں جانتا ہ[وں] کہ تم مجھے قتل کرنے پر مجبور ہو۔ اپنے سردار کا حکم ماننا تمھارا فرض ہے۔ میں تم [سے] رحم کی درخواست نہیں کرتا لیکن مرنے سے پہلے میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں [کہ] تمھارا سردار جس نے میرے قتل کا حکم دیا ہے کون ہے؟"

پہریدار کچھ دیر ایک دوسرے کی طرف خاموشی کے ساتھ دیکھتے رہے۔ ان میں سے ایک نے جواب دیا" ہم تمھیں صرف یہ بتلاتے ہیں کہ ہمارے سردار [کا] نام جے کرشن ہے اور اس کے محل میں رات کے وقت چوروں کی طرح داخل ہ[ونے] کے بعد تم اس سے بہتر سلوک کے حق دار نہیں تھے۔"

جے کرشن کا نام سننے کے بعد رنبیر کی نگاہوں سے تمام پردے ہٹ گئے اب اس کے لیے کوئی بات معمّہ نہ تھی۔ وہ چند ثانیے خاموش رہا اور پھر گھٹی [ہوئی] آواز میں بولا" میں سردار موہن چند کا بیٹا ہوں اور تم سے اپنے پتا اور بہن [کا] حال پوچھنا چاہتا ہوں۔"

ایک پہریدار نے جواب دیا" وہ مر چکے ہیں۔"

رنبیر کے منہ سے دیر تک بات نہ نکل سکی۔ اب زندگی اور موت دونوں [اس] کے لیے بے حقیقت بن چکی تھیں۔

دوسرے سپاہی نے کہا" تمھارے باپ کے متعلق تو ہم یقین کے س[اتھ] کہہ سکتے ہیں کہ وہ اس دنیا میں نہیں لیکن تمھاری بہن کے متعلق بھگوان [ہی] جانتا ہے۔ اس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ دریا میں کود گئی تھی لیکن

نے اس کی لاش نہیں دیکھی۔"

رنبیر نے کانپتی ہوئی آواز میں پوچھا" میرے باپ کو جے کرشن نے قتل کیا ہے؟"

"ہاں!" سپاہی نے جواب دیا" لیکن اب ایسی باتوں سے کیا فائدہ۔ بہتر ہے کہ اب تم بھگوان کو یاد کرو۔"

رنبیر کی اداس اور مغموم نگاہیں خاموش فضا میں بھٹک رہی تھیں اور اس کا ضمیر ان دیوتاؤں کی بے بسی کا تمسخر اڑا رہا تھا، جن کی تقدیس پر اپنی جان تک قربان کرنے کا عزم لے کر وہ پانچ سال قبل اپنے گھر سے نکلا تھا۔ اچانک اس کے دل میں جے کرشن سے انتقام لینے کے لیے زندہ رہنے کی خواہش بیدار ہونے لگی۔ اس وقت اس کا زخم خوردہ ضمیر پکار اٹھا۔" رنبیر! تم اس دنیا میں تنہا نہیں ہو۔ اس ملک کے کروڑوں انسان تم سے زیادہ مظلوم ہیں اور جے کرشن بھی تنہا نہیں۔ اس ملک کا ہر باشندہ دوسروں پر غالب آنے کے بعد جے کرشن بن جاتا ہے۔ اس سمندر کی ہر بڑی مچھلی چھوٹی مچھلیوں کو نگل جاتی ہے۔ یہ سماج صرف اچھوتوں کا دشمن نہیں بلکہ ہر اس انسان کا دشمن ہے جو کسی کی طاقت کے سامنے سر جھکا دیتا ہے۔ اس سماج کے دیوتا ہر اس ظالم اور جابر انسان کی پشت پناہی کرتے ہیں جو دوسروں کی گردن پر سوار ہونے کی ہمّت رکھتا ہے۔ دیوتاؤں کے پجاری جو ہر سال تمھارے باپ سے دان لینے کے لیے آتے تھے، اب جے کرشن سے دان لینے آیا کریں گے۔ تمھاری تپسیا اور قید دونوں بے مقصد تھیں اور اب تمھاری موت بھی بے مقصد ہے۔ تمھارا خون اس مٹی پر گرنے والا ہے جو ان گنت مظلوموں اور بے گناہوں کا خون جذب کر چکی ہے۔"

رنبیر انھی خیالات میں ڈوبا ہوا تھا کہ اچانک اُسے کوئی تیس قدم کے فاصلے پر چٹانوں اور جھاڑیوں میں کوئی متحرک شے دکھائی دی۔ چند ثانیے غور سے دیکھنے

کے بعد وہ یہ محسوس کرنے لگا کہ کوئی انسان زمین پر رینگ رہا ہے اور اس کی ہی مایوسی کی بھیانک تاریکیوں میں اُسے امید کی ہلکی سی کرن نظر آنے لگی۔ اجنبی قدم رینگنے کے بعد رُک گیا اور گردن اُٹھا کر پیچھے کی طرف دیکھنے کے بعد ہاتھ سے اشارہ کرکے بے حس و حرکت لیٹ گیا۔ رنبیر کے پہرے دار کشتی کے انتظار میں دوسرے کنارے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اجنبی قدرے توقف کے بعد دوبارہ زمین پر رینگتا ہوا آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا اور اس کے ساتھ ہی رنبیر کو اس کے چند قدم پیچھے آٹھ دس اور آدمی اسی طرح زمین پر رینگتے ہوئے دکھائی دیے۔ رنبیر کا خون جو تھوڑی دیر پہلے منجمد ہو چکا تھا، اب تیزی سے اس کے رگ و ریشے میں دوڑ رہا تھا۔ زندگی دونوں ہاتھ پھیلا کر اُسے سینے سے لگانے کے لیے آگے بڑھ رہی تھی۔

اچانک پہرے داروں کا افسر اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اس نے ٹکٹکی باندھ کر دوسرے کنارے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "کمبخت ابھی تک واپس نہیں آئے۔ اب صبح ہونے والی ہے اور سردار بے چینی سے ہماری واپسی کا انتظار کر رہا ہو گا۔ ہم قیدی کو پہلے لے جاتے تو بہتر تھا۔"

دوسرے پہرے دار نے کہا "مجھے آپ کی ناراضگی کا ڈر تھا، ورنہ میں ابھی یہ کہنا چاہتا تھا کہ قیدی کو یہیں ختم کرکے لاش پہلے پھیرے میں پار بھیج دی جائے۔"

افسر قہقہہ لگاتے ہوئے بولا "واہ واہ کیا عقل کی بات کہی ہے تم نے۔ اگر اُسے یہیں قتل کرنا ہوتا تو تمام آدمیوں کو دوسرے کنارے لے جانے کی کیا ضرورت تھی۔ سردار کا حکم ہے کہ قیدی کو دوسرے کنارے لے جا کر پھانسی پر لگایا جائے۔ تم نہیں جانتے سردار بہت دور کی سوچتے ہیں۔" یہ کہہ کر افسر بے چینی سے ٹہلنے لگا۔

ریت پر رینگتے ہوئے آدمیوں کی ٹولی اب بہت قریب آ چکی تھی۔ پہرے داروں کی باتیں ختم ہو چکی تھیں اور اب ان کی خاموشی رنبیر کے لیے پریشان کن تھی۔ اُسے یقین ہو چکا تھا کہ جھاڑیوں میں چھپ کر آنے والے لوگ قدرت نے اس کی مدد کے لیے بھیجے ہیں لیکن اُسے اندیشہ تھا کہ اگر پہرے دار اُن کی آمد سے باخبر ہو گئے تو سب سے پہلے اُسے قتل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ چنانچہ اپنے مددگاروں کو اچانک حملے کا موقع دینے کے لیے پہرے داروں کو باتوں میں مصروف رکھنا ضروری تھا۔ رنبیر نے انھیں اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا "تم جانتے ہو کہ مسلمانوں کی فوج عنقریب دوبارہ اس ملک پر حملہ کرنے والی ہے اور اب واپس جانے کی بجائے وہ اس ملک پر قبضہ کرکے حکومت کریں گے۔"

پہرے دار جواب دینے کی بجائے پریشانی کی حالت میں اس کا منہ دیکھنے لگے۔

رنبیر نے پھر کہا "جب وہ اس علاقے میں آئیں گے تو جے کرشن جیسے لوگ جس قدر ظالم ہیں اسی قدر بزدل ثابت ہوں گے۔"

پہرے داروں کے افسر نے کہا "تم سمجھتے ہو کہ موت تو آ ہی رہی ہے، اس سے زیادہ کوئی تمھارا کیا بگاڑ سکتا ہے لیکن اگر تم نے ہمارے سردار کی شان میں کوئی گستاخی کی تو میں ابھی تمھاری زبان کاٹ ڈالوں گا۔"

رنبیر نے کہا "تمھارا سردار اگر احمق نہیں تھا تو اس نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ میں اکیلا محل میں گھس آیا تھا۔ میرے پچاس آدمی محل کے بڑے دروازے کے باہر کھڑے تھے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اب تک محل پر قبضہ کرکے جے کرشن کو پھانسی دے چکے ہوں گے اور تم اپنے سردار سے بھی زیادہ بیوقوف ہو۔ اس وقت تمھارے پیچھے دائیں اور بائیں میرے آدمی کھڑے ہیں۔ آنکھیں کھول کر دیکھو۔"

پہرے دار سکتے کے عالم میں اپنے گرد دس مسلح آدمیوں کو دیکھ رہے تھے۔ اُن

ڈھاٹوں میں چھپے ہوئے تھے۔ رنبیر کو انھیں دیکھے بغیر اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ اس کے گاؤں کے آدمی ہیں اور اُن میں سے ایک شمبوناتھ ضرور ہے۔

رنبیر نے حملہ آوروں کی طرف متوجہ ہو کر کہا "انھیں کچھ نہ کہو، یہ بے چارے ہیں۔"

رنبیر کی چال کامیاب تھی، حملہ کرنے والوں نے پہریداروں کی سراسیمگی سے فائدہ اٹھا کر انھیں تنگ گھیرے میں لے لیا اور انھوں نے شور مچانے یا مزاحمت کرنے کی بجائے اپنی تلواریں اُن کے حوالے کر دیں۔ ایک آدمی نے آگے بڑھ کر رنبیر کے ہاتھ اور پاؤں کی رسّیاں کاٹ ڈالیں۔ رنبیر نے اُٹھ کر ایک آدمی کے ہاتھ سے تلوار پکڑ لی اور بدحواس پہریداروں کی طرف متوجہ ہو کر کہا "تم اگر اپنی جانیں بچانا چاہتے ہو تو خاموشی سے ہمارے ساتھ چلے آؤ۔"

پہرے داروں کے افسر نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا "مہاراج! ہم پر دیا کرو"

رنبیر نے اپنے مددگاروں سے کہا "انھیں جھاڑیوں میں لے جا کر ان کے ہاتھ پاؤں باندھ دو۔ ان سے بات کرنے کی ضرورت نہیں، ہاں اگر کوئی شور مچانے کی کوشش کرے تو اس کی گردن اڑا دو۔"

یہ آدمی پہریداروں کو پکڑ کر جھاڑیوں میں لے گئے اور ان کی پگڑیوں اور دھوتیوں سے انھیں اچھی طرح جکڑ کر جھاڑیوں میں چھپا دیا۔ رنبیر نے دو آدمیوں کو ہدایت کی کہ وہ تلواریں لیے ان کے سر پر کھڑے رہیں۔ پھر وہ باقی مددگاروں کو ساتھ لے دوبارہ کنارے کی طرف آ گیا۔

وہ قیدیوں سے ذرا دور آ کر رکا اور اپنے مددگاروں کی طرف دیکھ کر بولا "مجھے ڈر تھا کہ وہ کہیں تم میں سے کسی کو پہچان نہ لیں، اس لیے میں نے ان کے سامنے تم سے بات کرنا مناسب نہیں سمجھا لیکن تمھارے چہرے دیکھے بغیر میں تم سب کو

پہچان چکا ہوں۔" اس کے بعد رنبیر یکے بعد دیگرے اپنے گاؤں والوں کے نام لینے لگا اور وہ باری باری اس کے ساتھ بغلگیر ہونے لگے۔ صرف چار آدمی ایسے تھے جن کی بجائے اس نے دوسرے آدمیوں کے نام لیے۔ سب سے آخر میں اس نے رام ناتھ کا نام لیا لیکن وہ بغلگیر ہونے کی بجائے ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا "مہاراج! اب باتوں کا وقت نہیں۔ ہمیں سورج نکلنے سے پہلے کوسوں دور نکل جانا چاہیے۔ میں گھوڑے یہاں سے تھوڑے فاصلے پر چھوڑ آیا ہوں۔ چلیے!"

رنبیر نے کہا "ابھی نہیں، ابھی تھوڑا سا کام باقی ہے۔ تم سب یہیں رہو۔ میرے ساتھ صرف تین آدمی آئیں۔ شمبوناتھ! تم ان قیدیوں کے سامنے جا کر ایسی باتیں کرو جن سے ان پر یہ ظاہر ہو کہ یہ لوگ اس گاؤں کے نہیں بلکہ نندنہ سے میرے ساتھ آئے ہیں اور جو آدمی ان کے پاس کھڑے ہیں، انھیں الگ لے جا کر اچھی طرح سمجھا دو کہ وہ اُن کے سامنے بالکل خاموش رہیں اور تم میں سے کوئی جا کر ہمارے گھوڑے یہاں لے آئے۔"

(۳)

تھوڑی دیر بعد رنبیر اور اس کے تین ساتھی دریا کے کنارے بیٹھے واپس آنے والی کشتی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ کشتی ذرا قریب آئی تو رنبیر کے ساتھیوں نے اس کا اشارہ پاتے ہی منہ دوسری طرف کر لیا۔ رنبیر اُٹھ کر آگے بڑھا اور گھٹنے گھٹنے پانی میں کھڑا ہو گیا۔ جب کشتی اور قریب آ گئی تو اس نے جھک کر اپنے منہ پر پانی کے چھینٹے مارنے شروع کر دیے۔ کشتی میں صرف ایک آدمی سوار تھا کشتی جب چار پانچ قدم کے فاصلے پر آ گئی تو رنبیر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ کشتی چلانے والے نے رنبیر کو پہچان لیا اور اپنے آپ کو خطرے میں دیکھ کر فوراً کشتی کا رخ بدلنے کی کوشش کی لیکن آن کی آن میں رنبیر کشتی میں سوار ہو چکا تھا

اور اس کے دونوں ہاتھ کشتی کے پریشان حال ملاح کی گردن پر تھے۔

رنبیر کے ساتھی بھاگتے ہوئے آگے بڑھے اور انھوں نے کشتی کے رسے کے ساتھ اس کے ہاتھ باندھ دیے۔ رنبیر نے اُس کی پگڑی اس کے منہ میں ٹھونس دی اور اُسے اوندھا لٹا دیا۔ اس کے بعد اُس نے نیچے اتر کر کشتی کو گہرے پانی کی طرف دھکیل دیا۔

رنبیر کے باقی ساتھی جو تھوڑی دور چھپ کر یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ بھاگ کر اس کے ساتھ آملے۔ رنبیر نے اُن سے پوچھا "اس وقت محل میں کتنے پہریدار ہوں گے؟"

ایک عمر رسیدہ آدمی نے جو رنبیر کے باپ کا پرانا نوکر تھا، جواب دیا "محل میں پندرہ بیس آدمیوں سے زیادہ نہیں ہوتے لیکن گاؤں میں جے کرشن کے قریباً دو سو سپاہی رہتے ہیں۔ جے کرشن نے محل پر قبضہ کرنے کے بعد گاؤں کے بہت سے لوگوں کو نکال دیا تھا اور ان کے گھر اپنے سپاہیوں کے حوالے کر دیے ہیں۔ ہم نے صرف آپ کی خاطر یہ خطرہ مول لینے کی جرات کی ہے۔ بھگوان کے لیے آپ محل پر حملہ کرنے کا خیال چھوڑ دیں اور اپنی جان کی فکر کریں۔ جے کرشن صبح ہوتے ہی اس علاقے کا چپہ چپہ چھان مارے گا۔"

رنبیر نے کہا "میں تم لوگوں کی جانیں خطرے میں نہیں ڈال سکتا لیکن میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں بہت جلد دوبارہ آؤں گا۔ اب میں صرف اپنے باپ اور شکنتلا کے متعلق جاننا چاہتا ہوں۔"

دیہاتی مغموم نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ رنبیر نے کہا "تمھیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ جے کرشن کے آدمی مجھے پتاجی کے متعلق یہ بتا چکے ہیں کہ وہ قتل ہو چکے ہیں لیکن میں شکنتلا کے بارے میں

کرنا چاہتا ہوں۔"

عمر رسیدہ آدمی نے جواب دیا "شام کے قریب جب جے کرشن کے آدمیوں نے محل پر حملہ کیا تھا تو چند آدمی مکان کی چھت پر کھڑے بیرونی دیوار پھاندنے کی کوشش کرنے والوں پر تیر برسا رہے تھے اور باقی محل کے دونوں دروازوں کی حفاظت کر رہے تھے۔ شکنتلا تلوار ہاتھ میں لیے محل کی چار دیواری کے اندر چاروں طرف بھاگ بھاگ کر سپاہیوں کو جوش دلا رہی تھی۔ سورج غروب ہونے تک محل کے مٹھی بھر پہریداروں نے انھیں روکے رکھا۔ ہمیں یہ امید تھی کہ گاؤں کے لوگ ہماری مدد کیلئے آئیں گے لیکن جے کرشن کی فوج کا ایک دستہ گاؤں پر بھی حملہ کر چکا تھا اور گاؤں کے لوگوں نے جو آپ کے پتا جی کی موت کے باعث جی ہار چکے تھے۔ معمولی مقابلے کے بعد ہتھیار ڈال دیے۔ سورج غروب ہوتے ہی دشمن نے محل کے چاروں طرف سے ہلہ بول دیا اور پہلے حملے ہی میں کئی آدمی دیوار پھاند کر محل کے اندر داخل ہو گئے اور انھوں نے ہمارے سپاہیوں کو ایک طرف دھکیل کر بڑا دروازہ کھول دیا، چند سپاہیوں نے ہتھیار پھینک دیے لیکن باقی ابھی تک اندرونی دیواروں کے سامنے ڈٹ کر مقابلہ کر رہے تھے۔ بڑھتی ہوئی تاریکی میں آدمیوں کی چیخ و پکار کے درمیان کبھی کبھی شکنتلا کی آواز بھی سنائی دیتی تھی۔ جو آدمی چھت پر سے تیر برسا رہے تھے ہمارے ساتھ آملے اور ہم نے ایک زوردار حملے سے دشمن کے پاؤں اکھاڑ دیے لیکن ہماری تعداد ہر لحظہ کم ہو رہی تھی۔ دشمن نے ہمیں جلد مغلوب کر لیا۔ میں زخمی ہونے کے بعد مشرقی دروازے کی طرف بھاگا۔ وہاں ہمارے چند آدمی ابھی تک ڈٹے ہوئے تھے اور دشمن کا گروہ جو شاید تاریکی میں حملہ کرنے سے گھبرا رہا تھا کچھ فاصلے پر کھڑا انھیں للکار رہا تھا۔ میں تاریکی میں دشمن کی نگاہوں سے بچتا ہوا اپنے ساتھیوں کے ساتھ جا ملا۔ تھوڑی دیر بعد

شکنتلا بھی دو آدمیوں کے ہمراہ آم کے درختوں میں چھپتی ہوئی وہاں پہنچ گئی۔ میں نے
تاریکی میں اس کی آواز پہچانتے ہی اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اُسے سمجھایا کہ تم باہر نکل جاؤ
اب ہم بازی ہار چکے ہیں۔ اس کونے کے سوا باقی سارے محل پر دشمن کا قبضہ ہو چکا
ہے۔ اتنے میں دشمن کے کسی آدمی نے بلند آواز میں کہا "اب تم آٹھ دس آدمیوں کی
لڑائی بے فائدہ ہے۔ اگر جان بچانا چاہتے ہو تو ہتھیار ڈال دو"۔ لیکن ہم ہتھیار
ڈالنے کی بجائے دروازہ کھول کر باہر نکل آئے۔

دروازے سے باہر دشمن کے چند آدمی ہماری تاک میں بیٹھے ہوئے تھے۔
انھوں نے ہم پر تیر برسائے۔ ہمارے چند ساتھی وہیں ڈھیر ہو گئے لیکن اس
کے بعد دشمن نے ہمارا تعاقب کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ مجھے یقین ہے کہ
شکنتلا میرے ساتھ باہر نکلی تھی لیکن اس کے بعد مجھے معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہے۔
لچھمن نے کسی کو دریا میں چھلانگ لگاتے دیکھا تھا لیکن وہ وثوق کے ساتھ یہ نہیں
کہہ سکتا کہ وہ شکنتلا تھی۔ آپ جانتے ہیں کہ وہ بہت اچھی تیراک تھی۔ مجھے یقین
ہے کہ اس نے دریا عبور کر لیا ہوگا۔ میں اپنے زخموں کی وجہ سے اگلے دن تک دریا
کے کنارے جھاڑیوں میں پڑا رہا۔ اس کے بعد جے کرشن کے آدمی مجھے پکڑ کر اس
کے پاس لے گئے۔ وہ مجھے قتل کرنا چاہتا تھا لیکن اس کی بیوی اور لڑکی کو میرے
بڑھاپے پر ترس آگیا اور اُن کی سفارش سے میری جان بچ گئی"۔

رنبیر نے سوال کیا۔ "لچھمن کہاں ہے؟"

عمر رسیدہ آدمی نے جواب دیا۔ "وہ گاؤں چھوڑ کر کہیں جا چکا ہے"۔

رنبیر نے سوال کیا۔ "پتا جی محل پر حملے سے پہلے قتل ہو چکے تھے؟"

"ہاں! انھیں دریا کے پار سردار انوپ چند کے گاؤں میں قتل کیا گیا تھا۔ سردار
انوپ چند نے انھیں یہ پیغام بھیجا تھا کہ آسی کا پروہت اور علاقے کے سردار

اس کے پاس آئے ہوئے ہیں اور وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ ان کی صحت ٹھیک
نہ تھی۔ پھر بھی وہ صبح سویرے دو نوکروں کو ہمراہ لے کر وہاں چلے گئے۔ جن میں ایک
میرا بھتیجا دیال تھا۔ سردار انوپ چند کے باغ میں آسی کے پروہت اور
علاقے کے سرداروں کے علاوہ باہر کے چند آدمیوں کے ساتھ جے کرشن بھی
موجود تھا۔

پروہت اور علاقے کے سرداروں نے آپ کے پتا کو مہاراجہ کے خلاف
راجکمار کی سازش میں شریک ہونے کے لیے کہا۔ لیکن انھوں نے انکار کر دیا اور
جواب دیا "مسلمانوں کے خلاف ہمارے راجہ نے جو بزدلی دکھائی ہے اس کا
مجھے افسوس نہیں لیکن میں باپ کے خلاف اس کے بیٹے کی سازش میں حصہ نہیں لے
سکتا۔ میں یہ بھی برداشت نہیں کر سکتا کہ کالنجر اور گوالیار کی فوجیں ہمارے وطن پر
چڑھائی کریں گی۔ راجکمار اگر اپنے باپ کی گدی پر بیٹھنے میں کامیاب بھی ہو جائے تو بھی
یہ اس کی کامیابی نہیں بلکہ کالنجر کے راجہ کی فتح ہوگی۔ راجکمار اس کے ہاتھوں میں
کٹھ پتلی ہوگا۔ آپ اپنے راجہ کو بزدلی کا طعنہ دے سکتے ہیں، لیکن میں پوچھتا ہوں کہ
جب مسلمانوں نے حملہ کیا تھا تو کالنجر اور گوالیار کی فوجیں کہاں چھپ گئی تھیں۔ اگر ان میں
زیادہ غیرت تھی تو وہ گھر میں بیٹھے تماشا دیکھنے کی بجائے ہمارے راجہ کی مدد کے
لیے کیوں نہ آئے؟

آپ کے پتا نے یہ بھی کہا "اس وقت جے کرشن جیسا آدمی بھی آپ لوگوں
کے ساتھ ہے۔ اسے دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے وطن کی عزت و آزادی
کا سودا ہو چکا ہے۔ پہلے اس نے مہابن کے راجہ کی شہ پر ملک میں بغاوت کرانے
کی کوشش کی تھی اور اب یہ ہمیں کالنجر اور گوالیار کے راجاؤں کا غلام بنانا چاہتا ہے۔"

یہ سن کر جے کرشن خاموش نہ رہ سکا اور اس نے پتا کو بزدلی کا طعنہ دیا۔ آپ کے

پتا نے طیش میں آکر تلوار نکال لی۔ جے کرشن پہلے ہی سے تیار بیٹھا تھا۔ آپ کے
تھوڑی دیر لڑنے کے بعد زخمی ہو کر گر پڑے اور جے کرشن نے انھیں دوبارہ
کا موقع نہ دیا۔ انوپ چند کے اشارے سے اس کے آدمیوں نے ان کے نوکروں
حملہ کر دیا جو قریب ہی گھوڑوں کے پاس کھڑے تھے۔ کالو مارا گیا لیکن جے
گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگ آیا۔

”اس واقعے سے اٹھارہ دن بعد ہم نے مہاراجہ کے قتل اور راجکمار کے گ
پر بیٹھنے کی خبر سنی۔ پھر دس دن بھی نہیں گزرے تھے کہ جے کرشن نے نئے راجہ
اپنی پرانی جاگیر پر قبضہ کرنے کی اجازت لے کر ہمارے گاؤں پر حملہ کر دیا۔“

رنبیر نے پوچھا۔ ”تمھیں یقین ہے کہ جے کرشن کے آدمی شکنتلا کو پکڑنے میں
کامیاب نہیں ہوئے تھے؟“

عمر رسیدہ آدمی نے جواب دیا۔ ”ہاں! جے کرشن نے شکنتلا کی تلاش سے ما
ہو کر اس کا پتہ دینے والے کے لیے انعام مقرر کیا تھا، لیکن کسی کو اس کا سراغ نہ
ملا۔“

ایک دیہاتی نے کہا۔ ”مہاراج! اب صبح ہونے میں زیادہ دیر نہیں۔ آپ
جلدی کریں۔“

رنبیر نے کہا۔ ”میں قیدیوں کو کچھ دور اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔ انھ
کسی ایسی جگہ چھوڑنا ضروری ہے جہاں دیر تک انھیں کوئی تلاش نہ کر سکے۔
طرح ہمیں کافی وقت مل جائے گا۔ اب مجھے تمھاری فکر ہے۔ میں قیدیوں کے
سامنے تمھیں ایسی ہدایات دوں گا جن سے ان پر یہ ظاہر ہو کہ تم ہمارے سا
آئے تھے اور ہمارے ساتھ ہی جا رہے ہو لیکن تمھارے لیے یہ ضروری ہے کہ
سے رخصت ہوتے ہی سیدھے اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔ اب میرے ساتھ آ

گھوڑے بھی وہیں لے آؤ۔“

دوبارہ قیدیوں کے پاس جا کر رنبیر نے اپنے گھوڑے کا رسّا کھول کر اس کا
ایک سرا زین کے ساتھ باندھا اور دوسرے سے دو قیدیوں کے ہاتھ باندھ دیے
اور تیسرے قیدی کو اس نے شمبوناتھ کے گھوڑے کی زین کے ساتھ باندھ دیا۔
اس کے بعد وہ دیہاتیوں کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔ ”اب تم جاؤ اور اپنے گھوڑوں
پر سوار ہو کر باقی فوج کے ساتھ جا ملو۔ ان قیدیوں کو کسی محفوظ مقام پر پہنچا کر میں
تمھارے ساتھ آملوں گا اور دیکھو سرحد عبور کرنے سے پہلے تمھارے لیے دیہاتیوں
کا لباس ہی ٹھیک رہے گا۔ اب جاؤ!“

دیہاتی جھاڑیوں میں روپوش ہو گئے اور رنبیر اور شمبوناتھ گھوڑوں پر سوار
ہو گئے۔ تین قیدی ان کے ساتھ ساتھ بھاگ رہے تھے۔ اُن کا رُخ دریا کے کنارے
شمال کی طرف تھا۔

افقِ مشرق پر صبح کا ستارہ نمودار ہو چکا تھا۔ یہ لوگ کوئی دو کوس فاصلہ طے
کر چکے تھے۔ بائیں ہاتھ ایک گھنے جنگل میں داخل ہونے کے بعد رنبیر نے گھوڑا
روکا اور نیچے اتر کر یکے بعد دیگرے تین قیدیوں کو تھوڑے تھوڑے فاصلے پر
باندھ دیا۔

دوبارہ گھوڑے پر سوار ہونے کے بعد اُسے اپنی منزلِ مقصود کا علم نہ تھا
وہ صرف اتنا جانتا تھا کہ صبح کی روشنی میں یہ جنگل اس کے لیے زیادہ محفوظ ہے۔

شمبوناتھ نے پوچھا۔ ”اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟“

رنبیر نے اس کے سوال کا جواب دینے کی بجائے کہا۔ ”تم پتا جی اور شکنتلا
کے متعلق سُن چکے ہو؟“

”ہاں میں سب کچھ سُن چکا ہوں۔“

رنبیر نے کہا۔ "اب شکنتلا کی تلاش کے سوا میری زندگی کا اور کوئی مقصد
میں اُسے جنگلوں، پہاڑوں اور میدانوں میں تلاش کروں گا، میں اُسے جھونپڑ
محلوں اور مندروں میں ڈھونڈوں گا۔ مجھے ہر وقت شکنتلا کی سسکیاں
دیتی رہیں گی اور میں کبھی چین سے نہیں بیٹھوں گا۔"
شمبوناتھ نے کہا۔ "آپ میری ایک بات مانیں گے؟"
"وہ کیا؟"
"دیکھیے، شکنتلا اگر آس پاس ہوتی تو علاقے کے لوگ اب تک اُسے ڈھونڈ
نکالتے۔ وہ ضرور کہیں دور جا چکی ہے۔ آپ پڑوس کی ریاستوں میں اُسے تلاش
کریں اور تمام راجاؤں اور بڑے بڑے راجپوت سرداروں سے ملیں۔ آپ کے
پتا کو کون نہیں جانتا، پھر آپ نے پانچ سال مسلمانوں کی قید میں گزارے ہیں
ملک کے ہر راجہ اور سردار کے دل میں آپ کی عزت ہو گی۔ وہ آپ کی ضرور
مدد کریں گے۔ ممکن ہے کہ شکنتلا ان میں سے کسی کی پناہ میں ہو لیکن قنوج اور
باری میں آپ آزادی سے نہیں پھر سکتے۔ جے کرشن کے آدمی ہر وقت آپ کی
کھوج میں ہوں گے۔ اپنے دیس میں ایک سادھو کا بھیس بدل کر میں اُسے تلاش
کروں گا۔ مجھ پر کسی کو شک نہیں ہو گا۔ اس جنگل سے آگے ایک گاؤں ہے جہاں
میرے ماموں زاد بھائی رہتے ہیں۔ اگر مجھے شکنتلا کا کوئی پتہ چلا تو میں ان کے
پاس پہنچ جاؤں گا۔"
رنبیر نے مرجھائی ہوئی آواز میں کہا۔ "شمبوناتھ! ابھی میرا دماغ کام نہیں
کرتا۔"
جنگل عبور کرنے کے بعد رنبیر اور شمبوناتھ اپنے سامنے ایک چھوٹی سی بستی
دیکھ رہے تھے۔ شمبوناتھ نے کہا۔ "وہ میرے ماموں کے لڑکوں کا گاؤں ہے۔"

رنبیر نے اپنا گھوڑا روکتے ہوئے کہا۔ "شمبو! تم اپنا گھوڑا وہاں لے جانے کی
بجائے جنگل میں چھوڑ دو۔ تمہارے لیے چند دن لوگوں کی نگاہوں سے چھپ کر رہنا
بہتر ہو گا۔ مجھے یقین ہے کہ جے کرشن ہماری تلاش میں یہ تمام علاقہ چھان مارے
گا۔"
شمبوناتھ نے کہا۔ "آپ اطمینان رکھیں۔ میں بھیس بدل کر لوگوں کی نگاہوں
کو دھوکا دینا سیکھ چکا ہوں۔ مجھے صرف آپ کے متعلق پریشانی ہے۔"
رنبیر نے کہا۔ "میں سیدھا سردار پورن چند کے پاس جا رہا ہوں۔ وہ پتا جی
کا پرانا دوست ہے، اگر وہ کوئی اور مدد نہ دے سکا تو کم از کم مجھے تازہ دم گھوڑا
دینے سے انکار نہیں کرے گا۔ اس کے بعد میں گوالیار جاؤں گا۔ وہاں کے ایک
سردار کا بیٹا میرے ساتھ نندنہ کے قلعے میں قید تھا۔ مجھے امید ہے کہ اس کے
ذریعے میں گوالیار کے راجہ کو اپنی مدد کے لیے آمادہ کر سکوں گا۔"
شمبوناتھ نے کہا۔ "تو وقت ضائع نہ کیجیے۔ پورن چند کا گاؤں یہاں سے
بہت دور ہے اور آپ کا گھوڑا جواب دے چکا ہے۔"
رنبیر اور شمبوناتھ یہاں سے جدا ہو کر اپنی اپنی منزل کی طرف روانہ ہوئے۔
اور [illegible] سے دور ہو گئے۔

تلاش

جے کرشن محل کے کشادہ صحن میں کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں بید کی چھڑی تھی۔ چند نوکر اس کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑے تھے۔ جے کرشن نے غضب ناک نگاہوں سے ایک نوکر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم نے انھیں گاؤں میں تلاش کیا ہے؟"

"ہاں مہاراج! گاؤں کے کسی آدمی نے انھیں نہیں دیکھا۔"

"اگر کشتی بھی اس کنارے پر نہیں تو اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ وہ گدھے تک دریا کے پار بیٹھے ہوئے ہیں۔"

"لیکن مہاراج! مجھے اس کنارے پر بھی کوئی کشتی دکھائی نہیں دی۔"

جے کرشن نے چلا کر کہا۔ "تو پھر کشتی کہاں گئی؟"

نوکر نے جواب دیا۔ "مہاراج! میرا خیال ہے کہ انھوں نے دوسرے کنارے پر پہنچ کر کشتی کو کسی چیز سے باندھنے کی بجائے کھلا چھوڑ دیا ہوگا اور وہ بہہ گئی ہوگی۔ ہم نے نچلے گھاٹ سے گاؤں والوں کی کشتی میں ایک آدمی بھیج دیا ہے۔ وہ ابھی پتہ کر کے آجائے گا۔"

"تم نے گاؤں کے آدمیوں کو کہیں یہ تو نہیں بتا دیا کہ میرے نوکر ایک آدمی کو قتل کرنے کے لیے پار لے گئے ہیں؟"

"نہیں مہاراج!"

"سچ کہو۔"

"سچ کہتا ہوں مہاراج۔"

"تم خود پار کیوں نہیں گئے؟"

"مہاراج! آپ نے حکم دیا تھا کہ میں اسی کنارے سے دیکھ کر فوراً واپس آجاؤں۔"

"کشتی ڈوب تو نہیں گئی؟"

"مہاراج! میں یہ کہنے کو ہی تھا۔ کشتی بہت خراب تھی۔ آٹھ نو آدمیوں کا اس پر سوار ہونا خطرے سے خالی نہ تھا۔"

"اسے مرمت کیوں نہیں کرایا گیا۔ میں نے پیارے لال سے کہا تھا کہ وہ کشتی کو فوراً ٹھیک کرائے۔"

"مہاراج! اس نے بڑھئی کو میرے سامنے کہا تھا لیکن ابھی تک اس نے کچھ نہیں کیا۔"

"بلاؤ بڑھئی کو۔ جلدی کرو۔"

نوکر بھاگتا ہوا باہر نکل گیا اور جے کرشن نے اضطراب کی حالت میں ٹہلنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد چار نوکر محل میں داخل ہوئے۔ جے کرشن کے قریب کھڑے ہونے والے نوکروں میں سے ایک نے کہا۔ "مہاراج! وہ آگئے!"

جے کرشن چھڑی گھماتا ہوا آگے بڑھا اور گرجتی ہوئی آواز میں بولا۔ "تم نے اتنی دیر کیوں کر دی؟"

"ایک نوکر بولا" مہاراج! ہم اس پار کشتی . . . . .

جے کرشن نے اسے اپنا فقرہ پورا کرنے کی مہلت نہ دی اور چلّا کر کہا "ہو یہ تو میں بھی جانتا ہوں کہ تم اس کشتی پر گئے تھے لیکن تم نے اتنی دیر کیوں کی۔ تمھارے ساتھی کہاں ہیں؟"

"معلوم نہیں مہاراج! ہم نے پار پہنچتے ہی کشتی بھیج دی تھی۔"

"کہاں"

"اس پار مہاراج!"

"اِس پار، اُس پار۔ کیا بک رہے ہو تم؟"

سپاہی نے بدحواس ہو کر کہا۔" مہاراج! ہم ان کے لیے کشتی بھیج کر انتظار کرتے رہے لیکن بھگوان جانے وہ کیوں نہ آئے اور کشتی کہاں غائب ہو گئی۔"

اس مرتبہ جے کرشن نے چلانے کی بجائے اپنے ہونٹ کاٹتے ہوئے بڑھ کر سپاہی کو دو تین چھڑیاں رسید کر دیں اور اس کے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔" اور تم میری طرف آنکھیں پھاڑ کر کیا دیکھ رہے ہو۔ بکتے کیوں نہیں، کس کا انتظار کرتے رہے تم اور کون نہیں آیا؟"

دوسرے نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔" مہاراج! دریا کے کنارے پہنچ کر پیارے لال نے سوچا کہ ہم تمام آدمیوں کا ایک ہی پھیرے میں پار جانا ٹھیک نہیں۔ اس لیے اس نے بھگت رام کے ساتھ ہم چار آدمیوں کو پہلے بھیج دیا۔ ہم نے پار پہنچتے ہی بھگت رام کو کشتی پر واپس بھیج دیا تاکہ باقی آدمیوں کو لے آئے، لیکن وہ انھوں نے کشتی بھی واپس نہ بھیجی اور ہم دریا کے پار ان کا انتظار کرتے رہے۔ تھوڑی دیر بعد مجھے اس پار کنارے کے ساتھ ساتھ کوئی چیز بہتی ہوئی نظر آئی۔

میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ شاید کشتی نیچے کی طرف جا رہی ہے لیکن ان کا خیال تھا کہ وہ کشتی نہیں کچھ اور ہے۔"

جے کرشن نے پوچھا۔" اب تک تم نے قیدی کو قتل کیا ہے یا نہیں؟"

"مہاراج! قیدی، پیارے لال، جے چند اور سنیا رام کے ساتھ اس کنارے تھا۔"

"میں پوچھتا ہوں تم قیدی کو تین آدمیوں کی حفاظت میں چھوڑ کر کیوں گئے؟"

"مہاراج! یہ پیارے لال کا حکم تھا اور قیدی رسیوں میں جکڑا ہوا تھا۔ اس لیے ہمیں کوئی خطرہ نہ تھا۔"

جے کرشن نے غصّے سے کانپتے اور چھڑی گھماتے ہوئے کہا۔" میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ تم سب گدھے ہو۔ میں تم سب کو پھانسی پر لٹکا دوں گا اور اب تم یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو۔ جاؤ اور انھیں دریا کے آس پاس ہر جگہ تلاش کرو۔ ہو سکتا ہے کہ رنبیر محل میں داخل ہونے سے پہلے اپنے چند ساتھیوں کو باہر کھڑا کر آیا ہو اور اُسے پیارے لال سے چھڑا کر لے گئے ہوں۔ اگر تمھیں قیدی کی لاش نہ ملے تو پیارے لال اور اس کے ساتھیوں کی لاشیں ضرور ملنی چاہییں۔ جاؤ انھیں تلاش کرو۔"

نوکر بھاگتے ہوئے باہر نکل گئے اور جے کرشن نے پھر اسی طرح ٹہلنا شروع کر دیا۔ رنبیر کے بچ نکلنے کے تصور سے اس کا غصّہ اور اضطراب خوف میں تبدیل ہو رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد بھگت رام مشرقی دروازے سے نمودار ہوا اور جے کرشن نے دیکھتے ہی آگے بڑھ کر چلّایا۔" تم کہاں غائب ہو گئے تھے؟ گوپال کہاں ہے؟"

"مہاراج!" اس نے ہاتھ باندھتے ہوئے کہا۔" انھوں نے مجھے باندھ کر کشتی میں ڈال دیا تھا اور مجھے یہاں سے تین چار کوس نیچے ایک چرواہے نے کشتی سے

نکالا ہے۔"

"تمھیں کس نے باندھ کر کشتی میں ڈالا تھا؟"

"قیدی نے مہاراج!"

"کہاں؟ کب؟"

"مہاراج! میں پہلے ان چار آدمیوں کو کشتی پر لے کر دوسرے کنارے..."

جے کرشن نے تلملا کر اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "یہ بکواس میں بار بار نہیں سننا چاہتا تم صرف میرے سوال کا جواب دو۔"

"میں آپ ہی کے سوال کا جواب دے رہا ہوں مہاراج! پیارے نے بتایا کہا کہ کشتی خراب ہے اس لیے پہلے....."

جے کرشن نے اپنی پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ "بھگوان تمھارا ستیاناس کرے۔ اچھا بکتے رہو۔"

بھگت رام نے کہا۔ "مہاراج! میں نے پہلے ان چار آدمیوں کو پار پہنچا دیا۔ جب میں پیارے لال، جے چند، ستیارام اور قیدی کو لینے آیا تو انھوں نے میرے ہاتھ پاؤں باندھ دیے اور کشتی کو گہرے پانی میں دھکیل دیا۔"

"انھوں نے، کس نے؟"

"مہاراج! پہلے مجھ پر قیدی نے حملہ کیا۔ پھر وہ بھی اپنے منہ ڈھاٹوں سے چھپا کر اس کے ساتھ مل گئے۔"

"کون! پیارے لال اور اس کے ساتھی؟"

"ہاں مہاراج! وہاں اور تو کوئی تھا ہی نہیں۔ قیدی مزے سے پانی میں منہ دھو رہا تھا اور وہ کنارے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ جب قیدی نے مجھ پر حملہ کیا وہ بھی بھاگ کر آ گئے۔ ڈھاٹوں کی وجہ سے میں اُن کی شکلیں تو نہیں دیکھ سکا

مہاراج وہ پیارے لال، ستیارام اور جے چند کے سوا اور کون ہو سکتے تھے۔"

"پاجی، نمک حرام، میں انھیں کتوں کے آگے ڈال دوں گا۔ میرا گھوڑا تیار کرو اور گاؤں میں میرے تمام سپاہیوں کو حکم دو کہ وہ اپنے گھوڑوں پر فوراً یہاں پہنچ جائیں۔"

(۲)

جے کرشن محل سے باہر سواروں کے چھوٹے چھوٹے دستے مختلف سمتوں کو روانہ کر کے خود تیس سواروں کی معیت میں شمال کی طرف روانہ ہوا۔ گاؤں سے کوئی ڈیڑھ کوس دور اُسے پیارے لال اور اس کے دو ساتھی اپنی طرف آتے دکھائی دیے۔ جے کرشن نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور انھوں نے آن کی آن میں ان کے گرد گھیرا ڈال دیا۔

"قیدی کہاں ہے؟" جے کرشن نے ان کے قریب اپنا گھوڑا روکتے ہوئے کہا۔

"مہاراج! قیدی جا چکا ہے۔"

"کہاں!"

"... اس کی فوج تھی مہاراج!"

جے کرشن نے گھوڑے سے کود کر پیارے لال کو بید کی چھڑی سے بے تحاشا پیٹنا شروع کر دیا۔ وہ چلا رہا تھا۔ "مہاراج! دیا کیجیے، ہم بے قصور ہیں۔ اس کے ساتھ ایک پورا لشکر تھا۔ مہاراج! مہاراج! وہ بہت تھے۔ وہ گاؤں پر حملہ کرنے کے لیے آئے تھے۔ ہائے مر گیا۔ بھگوان کے لیے معاف کر دیجیے۔ مہاراج! جے چند اور ستیارام سے پوچھ لیجیے۔" اب جے کرشن جے چند اور ستیارام پر ٹوٹ پڑا۔ جب

اس کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو پیارے لال نے اس کے پاؤں پر گرتے ہوئے کہا۔"
دریا کے کنارے ہم پر ان کا حملہ اتنا اچانک تھا کہ ہم تلواریں بھی نہ نکال سکے
گرفتار کر کے جنگل میں لے گئے اور وہاں ہمیں درختوں سے باندھ دیا۔ ہمارے
کپڑے باندھ دیے گئے تھے تاکہ ہم کسی کو آواز نہ دے سکیں۔ ابھی ایک چرواہا
طرف آنکلا اور اس نے ہمیں آزاد کیا۔"

"تم جھوٹ بولتے ہو، تم اس کے ساتھ مل گئے تھے اور اسے بھگا دینے کے
بعد اب تم مجھے بے وقوف بنانا چاہتے ہو۔ میں تم سب کو زندہ زمین پر گاڑ دوں گا
سچ کہو تم نے قیدی کو کہاں چھپایا ہے؟"

"مہاراج! بھگوان کی سوگند، میں سچ کہتا ہوں۔ آپ چرواہے سے پوچھ لیں
ابھی تک وہیں ہو گا۔"

جے کرشن نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔ "اگر تم سچ کہتے ہو تو بتاؤ قیدی کس
طرف گیا ہے؟"

"مہاراج! ان کے پاس گھوڑے تھے اور وہ جنگل میں روپوش ہو گئے۔ ...
گرفتار کرنے کے بعد اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا کہ تم اپنے گھوڑوں ...
ہو کر باقی فوج کے ساتھ جا ملو۔ میں بھی وہاں پہنچ جاؤں گا۔ اس کے بعد وہ اور ...
اور آدمی ہمیں گھوڑوں کے ساتھ باندھ کر جنگل کی طرف لے گئے۔ مہاراج! ...
اس کی فوج کہیں نہیں جا چکی تو جنگل میں ہو گی۔ مہاراج! وہ اس علاقے ...
دیہاتیوں کا بھیس بدل کر پھر رہے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ کسی وقت اچانک ہم پر حملہ
کر دیں۔"

جے کرشن نے سوال کیا۔ "تمہارے خیال میں اس کے ساتھ کتنے آدمی
گئے ہیں؟"

پیارے لال نے جواب دیا۔ "مہاراج! ہم نے آٹھ دس آدمیوں سے زیادہ
نہیں دیکھے لیکن اس کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کے ساتھ بہت بڑا لشکر ہے۔"

جے کرشن چلایا۔ "تم بالکل گدھے ہو۔ اس نے تمہیں الو بنانے کے لیے یہ بات
کہی ہو گی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اتنی دُور سے ایک فوج لے کر آیا ہو اور نندنہ
سے لے کر یہاں تک راستے میں کسی کو خبر نہ ہوئی ہو۔ پھر اگر اس کے پاس اتنی فوج
تھی تو اس نے محل پر حملہ کیوں نہیں کیا۔ اس کے ساتھ صرف وہی آدمی ہوں گے جو
تم نے دیکھے ہیں۔"

ایک سوار نے کہا۔ "مہاراج! آپ تسلی رکھیں، ہم انھیں ابھی ڈھونڈ نکالیں
گے۔"

لیکن جے کرشن صرف اپنی قوت کے بل بوتے پر جنگل میں پاؤں رکھنے کے لیے
تیار نہ تھا۔ اس نے چند سواروں کو آس پاس کے سرداروں کی طرف یہ پیغام دے کر
روانہ کیا کہ "محمود غزنوی کے چند جاسوس جنگل میں چھپے ہوئے ہیں۔ اس لیے تم سب
اپنی اپنی فوج لے کر پہنچ جاؤ۔" اس کے بعد اس نے باقی آدمیوں کی طرف متوجہ ہو کر
کہا۔ "تم صرف ابھی جنگل کے ارد گرد پہرہ دیتے رہو۔ وہ لوگ اگر اب تک جنگل عبور
نہیں کر چکے تو رات سے پہلے باہر نہیں نکلیں گے۔ اتنی دیر میں یہاں تمام علاقوں کے
... پہنچ جائیں گے اور ہم اگر آج شام تک نہیں تو کل پو پھٹتے ہی جنگل میں اُن
کی تلاش شروع کر دیں گے۔ اگر تم میں سے کسی کی غفلت کے باعث وہ لوگ
بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے تو میں تمہیں سخت سزا دوں گا۔ تم جنگل کے آس پاس
کے کسان اور ہر چرواہے سے اس کا پتہ دریافت کرتے رہو۔ میں احتیاط کے طور
پر قلعے اور محل کی حفاظت کا انتظام کر کے واپس آتا ہوں اور پیارے لال تم
میری بات کان کھول کر سن لو اگر اب تم نے کوئی بیوقوفی کی تو میں تمہیں اسی جنگل

کے کسی درخت پر لٹکا دوں گا۔ تم کسی سے گھوڑا لے لو اور ابھی دو تین سوار
ساتھ جنگل کی دوسری طرف پہنچ کر آس پاس کی بستیوں کے لوگوں کو خبردار کر
انھیں یہ بتاؤ کہ میں رنبیر اور اس کے ساتھیوں کو زندہ پکڑنے یا قتل کرنے وا
جھولی سونے چاندی سے بھر دوں گا۔"

(۳)

دن ڈھلے پیارے لال اور بھگت رام جنگل کے قریب ایک کھیت میں
آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ اُن کے دائیں اور بائیں دیہات کے لوگوں کی
چھوٹی ٹولیاں اِدھر اُدھر چکر لگا رہی تھیں۔

پیارے لال نے بھگت رام سے کہا۔ "بھگت رام! ہماری مُصیبت کی
رات شروع ہونے والی ہے۔"

بھگت رام بولا۔ "یار رات تو یہ بھی گزر جائے گی لیکن مجھے صرف اس با
ڈر ہے کہ اگر صبح کو بھی ان کا پتہ نہ چلا تو تمھارا کیا بنے گا؟"

"اس میں میرا کیا قصور ہے۔ ممکن ہے کہ وہ جنگل میں ٹھہرے ہی نہ ہوں۔"

بھگت رام نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ دیہاتیوں کے بھیس میں نکل جا
اور کسی کو ان پر شک نہ ہو۔ آخر رات کے وقت جنگل کے چاروں طرف
آسان کام نہیں۔"

"تمھارا مطلب یہ ہے کہ مجھے آئندہ اس علاقے کے ہر آدمی کی غلطی کی
ملا کرے گی۔"

"دوست بات یہ ہے کہ تمھیں سردار کے سامنے رنبیر کی فوج کا ذکر
چاہیے تھا۔ اب تمھیں یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ رنبیر کے ساتھ سچ مچ ایک

پیارے لال جے کرشن کے تمام نوکروں سے زیادہ معتبر تھا اور عام حالات میں
وہ باقی نوکروں سے ایسی باتیں سن کر آپے سے باہر ہو جایا کرتا تھا لیکن گزشتہ چھ پہر
کے واقعات سے اس کے مزاج میں ایک غیر متوقع تبدیلی آ چکی تھی۔ بھگت رام کے
طنز پر اس نے اپنا غصّہ ضبط کرتے ہوئے کہا۔ "بھگت رام! تمھیں خوش نہیں ہونا
چاہیے۔ تمھیں معلوم ہے کہ اگر سردار مجھے دن میں بیس مرتبہ بُرا بھلا کہے گا تو چھ سات
بار تمھاری شامت بھی آئے گی۔"

بھگت رام خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے ایک دیہاتی کو آواز دے
کر پوچھا۔ "ارے بھائی! یہاں کہیں پانی ہے یا نہیں؟"

دیہاتی نے آگے بڑھ کر جواب دیا۔ "پانی کے لیے آپ کو ندی پر جانا پڑے گا۔"

"ندی کتنی دور ہے؟" اس نے سوال کیا۔

"زیادہ دور نہیں۔ میرے خیال میں آدھ کوس سے بھی کم ہو گی۔"

پیارے لال نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ "یار پیاس سے تو میرا بھی بُرا حال ہو رہا ہے
چلو، ہم گھوڑوں پر جلد واپس آ جائیں گے۔ ابھی وقت ہے، ورنہ ہمیں ساری رات
یہاں سے ہلنے کا موقع نہیں ملے گا۔"

بھگت رام نے اُٹھ کر اپنے گھوڑے کی لگام سنبھالی اور دیہاتی کی طرف متوجہ
ہو کر کہا۔ "دیکھو، تم چوکس رہو۔ اگر کوئی ہمارے متعلق پوچھے تو کہہ دینا کہ ہم جنگل کے
گرد چکر لگا رہے ہیں۔"

تھوڑی دیر میں پیارے لال اور بھگت رام گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے
ایک چھوٹی سی ندی کے کنارے پہنچ گئے۔ وہ نیچے اتر کر پانی پینے کے بعد گھوڑوں
پر سوار ہوئے تھے کہ سامنے کے کنارے سرکنڈوں میں ایک اجنبی آدمی دکھائی
دیا۔ اس نے ایک ہاتھ میں گھوڑے کی لگام پکڑ رکھی تھی جو بڑی مشکل سے آہستہ

آہستہ اجنبی کے پیچھے قدم اٹھا رہا تھا۔ پیارے لال اور اس کا ساتھی واپس مڑنے
بجائے وہیں ٹھہر کر اجنبی کی طرف دیکھنے لگے۔ گھوڑے کی چال اُس کی بھوک پیاس
تھکاوٹ کی آئینہ دار تھی۔ ندی کے قریب پہنچ کر اس نے چند قدم قدرے تیز تیز
اٹھائے اور پانی میں منہ ڈال دیا۔

پیارے لال نے اپنے ساتھی کو ہاتھ سے اشارہ کیا اور وہ دونوں گھوڑوں کو ایڑ
لگا کر ندی کے پار پہنچ گئے۔

"تم کہاں سے آئے ہو؟" پیارے لال نے اجنبی سے سوال کیا۔

"مہاراج! میں بہت دور سے آیا ہوں۔"

بھگت رام نے کہا۔ "تمہارا گھوڑا بہت تھکا ہوا ہے؟"

اجنبی نے جواب دیا۔ "یہ گھوڑا میرا نہیں۔ مجھے راستے میں ملا ہے۔ یہ گر پڑا تھا
اس کا سوار اسے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ میں نے سوچا رات کے وقت اسے درندے کھا جائیں
گے۔ اس لیے بڑی مشکل سے ساتھ لے آیا ہوں۔ ابھی مجھے دو کوس اور آگے جانا
ہے۔"

پیارے لال نے پوچھا۔ "تمہیں یہ گھوڑا یہاں سے کتنی دور ملا تھا؟"

"مہاراج! یہاں سے کوئی آٹھ کوس دور ایک پہاڑی ہے۔ میں اس پہاڑی
سے نیچے اتر رہا تھا کہ مجھے نیچے سے ایک سوار آتا ہوا دکھائی دیا۔ اس کا گھوڑا
چلتے چلتے اچانک گر پڑا۔ سوار نے اُسے اٹھایا۔ لیکن جب وہ دوبارہ سوار ہونے لگا تو گھوڑے
میں چلنے کی ہمت نہ تھی۔ سوار مجبوراً اتر کر پیدل چل پڑا۔ میں نے اُسے آواز دی کہ
گھوڑا چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا۔"

پیارے لال نے سوال کیا۔ "تم اس سوار کا حلیہ بتا سکتے ہو؟"

"ہاں! وہ ایک خوب صورت جوان تھا۔ سفید رنگ، مجھ سے ذرا لمبا،

چوڑا سینہ، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی سے لڑ کر آیا ہے یا لڑنے جا رہا ہے۔ اُس
کی پگڑی کا رنگ شاید گلابی تھا۔"

"تم نے اس کے ساتھ کسی اور کو بھی دیکھا ہے؟"

"نہیں!"

"تم نے اُسے کس وقت دیکھا تھا؟"

"دوپہر سے کچھ دیر بعد۔"

"تم نے اس سے پہلے یا اس کے بعد اپنے راستے میں کسی جگہ ایسے آدمیوں کی
ٹولی تو نہیں دیکھی جنھوں نے اپنے منہ پر ڈھاٹے باندھ رکھے ہوں؟"

"نہیں!"

بھگت رام نے کہا۔ "تم یہ ثابت کر سکتے ہو کہ تم خود اُس کے ساتھ نہیں تھے؟"

اجنبی اس سوال کے جواب میں پریشان ہو کر ان کی طرف دیکھنے لگا۔

پیارے لال نے گرج کر کہا۔ "دیکھو! اگر اپنی جان بچانا چاہتے ہو تو بتاؤ رنبیر کہاں
ہے؟"

"رنبیر کون؟" اجنبی نے اور زیادہ بدحواس ہو کر کہا۔

پیارے لال نے پھر پوچھا۔ "رات کے وقت تم اس کے ساتھ تھے۔ تم نے
اپنے منہ پر ڈھاٹا باندھ رکھا تھا اور اب تم ہمیں دھوکا دے کر کسی اور طرف بھیجنا
چاہتے ہو تاکہ وہ بچ کر نکل جائے لیکن یاد رکھو! اگر وہ صحیح سلامت نکل گیا تو ہم تمہیں زندہ
جلا ڈالیں گے۔"

اجنبی اب یہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ دو پاگل آدمیوں کے درمیان کھڑا ہے اور بولنا
شاید اس کے لیے سودمند ثابت نہ ہو لیکن جب پیارے لال اور بھگت رام نیچے
اترنے سے اس کے ہاتھ باندھنے لگے تو وہ بلبلا اٹھا۔ "بھگوان کے لیے مجھے چھوڑ

دو۔ میں نے تمھارا کیا بگاڑا ہے۔ میں نے تم سے کوئی جھوٹی بات نہیں کہی
سسرال سے واپس آرہا ہوں۔ میں تمھارے ساتھ وہاں تک چلنے کو تیار
ہوں۔ اس گاؤں کے لوگ گواہی دیں گے کہ میں صبح کے وقت وہاں سے روانہ
میں نے صرف اس گھوڑے پر ترس کھانے کی غلطی کی ہے۔ مجھے معاف
مجھے چھوڑ دو۔ اگر تم مجھ پر اعتبار نہیں کرتے تو میں خوشی سے تمھارے ساتھ
کے لیے تیار ہوں۔ مجھے باندھنے کی ضرورت نہیں۔"

لیکن انھوں نے اس کی چیخ پکار کی پروا نہ کی اور اس کے ہاتھ
دیے۔ پھر بھگت رام اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور پیارے لال نے اسے
دے کر اس کے پیچھے بٹھا دیا۔

(۴)

جنگل کا محاصرہ کرنے والے آدمیوں کی تعداد میں ہر آن اضافہ ہو رہا
جوار کی بستیوں کے سردار اور زمیندار جے کرشن کی مدد کے لیے پہنچ رہے
جے کرشن اپنے محل کی حفاظت کے انتظامات سے فارغ ہو کر واپس
تھا۔ بعض سرداروں کی رائے تھی کہ وہ فوراً جنگل میں چھپے ہوئے آدمیوں
شروع کر دیں۔ لیکن جے کرشن دریا کے پار رہنے والے سرداروں اور
آدمیوں کا انتظار کر رہا تھا۔ وہ چند با اثر زمینداروں اور سرداروں کے ساتھ
کے گرد چکر لگاتے ہوئے دیہاتی آدمیوں کو یہ تلقین کر رہا تھا کہ وہ ہوشیار
اچانک پیارے لال اور بھگت رام کو اپنی طرف آتے دیکھ کر اس نے گھوڑا
اور چلا کر بولا۔ "تم کہاں گئے تھے؟"

پیارے لال نے اپنے گھوڑے سے کود کر قیدی کو جلدی سے بھگت

گھوڑے سے نیچے گھسیٹا اور جے کرشن کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا۔ "مہاراج!
ہم نے ان کا ایک ساتھی پکڑ لیا ہے۔ لیکن یہ کہتا ہے کہ میں اُن کا ساتھی نہیں
ہوں۔"

"تم اسے کہاں سے لائے ہو؟" جے کرشن نے سوال کیا۔

"مہاراج! یہ ہمیں ندی کے کنارے ملا تھا۔"

جے کرشن چلا اٹھا۔ "میں نے تمھیں ہدایت کی تھی کہ تم اپنی جگہ سے نہ ہلنا۔"

بھگت رام نے آگے بڑھ کر کہا۔ "مہاراج! اگر ہم نے کوئی غلطی کی ہو تو
ہمیں آپ بعد میں بھی سزا دے سکتے ہیں لیکن یہ آدمی کہتا ہے کہ رنبیر اُسے آٹھ
کوس دور ملا ہے۔ ممکن ہے یہ جھوٹ کہتا ہو لیکن اگر سچ کہتا ہے تو رنبیر کا پیچھا
کرنا ضروری ہے۔"

پیارے لال نے کہا۔ "مہاراج! ہم اُسے آپ کے پاس اس لیے لے آئے ہیں
کہ آپ اسے سچ بولنے پر مجبور کر سکیں گے۔"

جے کرشن نے کہا۔ "تم خاموش رہو۔ بھگت رام کو بات کرنے دو۔"

بھگت رام نے مختصراً اپنی سرگزشت سنا دی تو جے کرشن نے قیدی کی
طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "بتاؤ رنبیر اور اس کے ساتھی کہاں ہیں؟ اگر تم سچ کہو گے
تو میں تمھیں کچھ نہیں کہوں گا، ورنہ میں تمھیں سورج غروب ہونے سے پہلے پہلے تمھیں
زندہ جلا دوں گا۔"

قیدی نے سہمی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "مہاراج! میں یہ نہیں جانتا کہ رنبیر
کون ہے۔"

قیدی اپنی سرگزشت سنا رہا تھا کہ چند اور سوار وہاں جمع ہو گئے۔ ان میں
چند ایسے سردار اور زمیندار بھی تھے جو آس پاس کے دیہات سے جے کرشن

کی مدد کے لیے آئے تھے۔ ایک سردار نے قیدی کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور بڑھاتے ہوئے کہا۔" یہ تو ہمارے گاؤں کا آدمی ہے۔"

جے کرشن نے پیارے لال اور بھگت رام کی طرف دیکھا اور خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

بھگت رام بولا۔" مہاراج! ہم ایک بے گناہ کو سزا دلانے کی نیت سے آپ کے پاس نہیں لائے لیکن اس کی باتیں سننے کے بعد آپ یہ ضرور مانیں گے کہ رنبیر دور جا چکا ہے اور اب کسی تاخیر کے بغیر اس کا تعاقب کرنا چاہیے۔"

قیدی سے چند سوالات پوچھنے کے بعد جے کرشن اور اُس کے ساتھیوں نے یہ فیصلہ کیا چند سوار رنبیر کا پیچھا کریں اور باقی جنگل میں داخل ہو کر اس کے ساتھیوں کی تلاش شروع کر دیں۔

پیارے لال اور بھگت رام کے ہمراہ دس سوار مغرب کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہی شخص جسے وہ پکڑ کر لائے تھے اُن کی راہنمائی کر رہا تھا اور بار بار اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ کاش میں اس گھوڑے کو ہاتھ نہ لگاتا۔

(۵)

سردار پورن چند ایک عافیت پسند آدمی تھا۔ غروبِ آفتاب سے تھوڑی دیر بعد جب وہ گھر میں بیٹھا اپنے پالتو طوطے سے دل بہلا رہا تھا تو نوکر نے اُسے کہا کہ ایک مہمان آیا ہے اور وہ آپ سے فوراً ملنا چاہتا ہے۔ پورن چند اپنے جی پر جبر کر کے اٹھا اور مہمان خانے کی طرف چل دیا۔ اُسے پریشان کرنے کے لیے کا یہی کہہ دینا کافی تھا کہ اُسے فوراً ملنا چاہتا ہے۔

اس نے رنبیر کو دیکھتے ہی سوال کیا۔" تم کہاں سے آئے ہو؟"

رنبیر نے جواب دیا۔" آپ نے مجھے نہیں پہچانا۔ میں سردار موہن چند کا بیٹا ہوں۔"

پورن چند یہ سنتے ہی رنبیر کے چہرے کو غور سے دیکھنے لگا اور اپنی پریشانی پر قابو پاتے ہوئے بولا۔" اوہو! میں تمھیں پہچان نہیں سکا۔ تم تو بہت کمزور ہو گئے ہو۔ اس وقت کہاں سے آ رہے ہو؟"

گزشتہ آٹھ پہر کے واقعات نے رنبیر کو کافی محتاط بنا دیا تھا۔ بوڑھے سردار کے چہرے پر پریشانی کے آثار دیکھ کر اس نے ہونٹوں پر ایک مصنوعی مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔" میں نندنہ سے آیا ہوں۔ آپ کے گاؤں کے قریب سے گزرتے ہوئے خیال آیا کہ آپ کو دیکھتا جاؤں۔"

"تم نے بہت اچھا کیا لیکن......" سردار نے فقرہ پورا کرنے کی بجائے پھر اپنی نگاہیں رنبیر کے چہرے پر مرکوز کر دیں۔

رنبیر نے کہا۔" معاف کیجیے! میں نے آپ کو بے وقت تکلیف دی ہے لیکن یہاں سے تھوڑی دور میرے گھوڑے نے دم توڑ دیا تھا۔ اب مجھے ایک تازہ دم گھوڑے کی ضرورت ہے۔"

سردار نے قدرے توقف کے بعد جواب دیا۔" گھوڑا تمھیں مل جائے گا لیکن تمھارا اپنے گاؤں جانا ٹھیک نہیں۔"

"میرا بھی یہی ارادہ ہے کہ میں رات کے وقت سفر کرنے کی بجائے پچھلے پہر یہاں سے روانہ ہو جاؤں۔ ویسے بھی ایک طویل سفر کے بعد میری ہمت جواب دے چکی ہے۔"

پورن چند بہت کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن رنبیر کا بھوک اور تھکاوٹ سے مرجھایا ہوا چہرہ دیکھ کر اس نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا اور نوکروں کو فوراً کھانا لانے کا حکم

دیا۔

تھوڑی دیر بعد رنبیر اپنے میزبان کے رہائشی مکان کے ایک کمرے میں گہری نیند سو رہا تھا اور پورن چند بالا خانے کے ایک کمرے میں اپنی بیوی سے کہہ رہا تھا "بھگوان کا شکر ہے کہ میرے نوکروں میں سے کسی نے اُسے نہیں پہچانا۔ ورنہ جے کرشن بہت ذلیل آدمی ہے۔ اگر اُسے پتہ چل جائے کہ موہن چند کا لڑکا میرے ہاں ٹھہرا تھا تو وہ عمر بھر کے لیے میرا دشمن بن جائے گا۔ اب مجھے اس بات کی پریشانی ہے کہ میں صبح اُسے کیسے بتاؤں گا کہ تمہارا گھر برباد ہو چکا ہے۔ کھانا کھاتے وقت میں نے کئی بار ارادہ کیا لیکن اس کی صورت دیکھ کر مجھے حوصلہ نہ ہوا۔ مجھے یہ بھی خطرہ ہے کہ وہ تمام حالات جاننے کے بعد بھی شاید اپنے گاؤں جانے سے باز نہ آئے۔ کاش! میں اُس کی مدد کر سکتا لیکن جے کرشن جیسے آدمی کے ساتھ دشمنی مول لینا پہاڑ سے ٹکرانے کے مترادف ہے۔"

بیوی نے کہا۔ "آپ فکر نہ کریں۔ میں اُسے سمجھا دوں گی کہ وہ چپکے سے کسی طرف نکل جائے۔"

علی الصباح سردار پورن چند اور اس کی بیوی رنبیر کے کمرے میں داخل ہوئے تو وہ گہری نیند سو رہا تھا۔ سردار کی بیوی نے کہا۔ "آپ اس کے لیے گھوڑا تیار کرا دیں۔ میں اُسے جگا کر سمجھاتی ہوں۔"

پورن چند نیچے اتر کر ایک کھلے صحن میں داخل ہوا تو ایک نوکر نے آگے بڑھ کر ہاتھ باندھتے ہوئے کہا۔ "مہاراج! رات کے وقت جب آپ سو رہے تھے تو ایک سوار یہاں آیا تھا اور اس نے ہم سے پوچھا تھا کہ وہ مہمان جو تمہارے سردار کے پاس ٹھہرا ہوا ہے کون ہے۔ میں نے کہا تھا کہ میں نہیں جانتا۔ پھر وہ آپ سے ملنا چاہتا تھا لیکن میں نے آپ کو جگانا مناسب نہ سمجھا۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ مجھے دراصل اسی آدمی سے کام ہے جو یہاں ٹھہرا ہوا ہے۔ میں نے اُسے جواب دیا کہ وہ مہمان خانے کی بجائے گھر کے اندر ٹھہرا ہوا ہے اور میں اس وقت وہاں نہیں جا سکتا۔ تم رات ہمارے پاس بسر کرو۔ صبح اس سے مل لینا لیکن اس نے کہا کہ مجھے بہت دور جانا ہے۔ جب وہ باہر نکل گیا تو میں نے پھاٹک سے جھانک کر باہر دیکھا۔ تھوڑی دور دو اور سوار کھڑے تھے۔ وہ کچھ دیر ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہے پھر ایک طرف نکل گئے۔ مجھے ان پر شک ہوا اور میں نے تمام نوکروں کو ہوشیار رہنے کی ہدایت کرنے کے بعد گاؤں کا چکر لگایا اور گاؤں والوں کو بھی یہ ہدایت کی کہ وہ رات کے وقت ہوشیار رہیں۔ گاؤں کے چند آدمیوں نے مجھے بتایا کہ تھوڑی دیر پہلے تین سوار ان سے پوچھ رہے تھے کہ تم نے اس گاؤں میں کسی اجنبی کو تو نہیں دیکھا۔"

"تم نے بہت بُرا کیا۔ مجھے فوراً خبر کر دینی چاہیے تھی۔ اب جلد اصطبل سے ایک گھوڑا لے آؤ۔" یہ کہہ کر پورن چند بھاگتا ہوا رنبیر کے کمرے میں پہنچا اور ہانپتے ہوئے کہا۔ "رنبیر! تم فوراً یہاں سے نکل جاؤ۔ رات کے وقت چند سوار تمہاری تلاش میں آئے تھے۔ تم نے مجھے یہ کیوں نہیں بتایا کہ وہ تمہارا پیچھا کر رہے ہیں۔"

سردار کی بیوی نے آگے بڑھ کر کہا۔ "رنبیر نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے۔ ممکن ہے کہ جے کرشن کے آدمی اس کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں پہنچ گئے ہوں لیکن اب رنبیر کی جان بچانا ہمارا فرض ہے۔"

پورن چند نے رنبیر کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "تم اپنے گاؤں گئے تھے؟"

"ہاں! میں موت کے منہ سے نکل کر آیا ہوں لیکن مجھے یقین نہیں آتا کہ جے کرشن کے آدمی میری تلاش میں یہاں تک آ پہنچے ہیں۔"

"اگر تم جے کرشن کے ہاتھ سے بچ کر نکل آئے ہو تو یقین رکھو کہ اب تک

اس کے آدمی اس گاؤں کو محاصرے میں لے چکے ہوں گے۔ اگر تم آتے ہی یہ
واقعات بتا دیتے تو میں نے اس وقت تک تمھیں یہاں سے کوسوں دور پہنچا دیا ہوتا۔
اب میرے ساتھ آؤ!"

(۶)

رنبیر کچھ کہے بغیر سردار کے پیچھے چل دیا۔ اصطبل کے سامنے نوکر گھوڑا لیے
کھڑا تھا۔ رنبیر نے آگے بڑھ کر گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور اپنے میزبان سے کہا۔
عمر بھر آپ کے احسان کا بدلہ نہیں دے سکوں گا۔"

"میں ایک راجپوت کا فرض ادا کر رہا ہوں۔ بھگوان کے لیے اب جاؤ،
باتوں کا وقت نہیں۔ اگر راستے میں کوئی تمھارا پیچھا کرے تو تم جنوب مشرق کے
جنگل میں پہنچنے کی کوشش کرنا۔"

رنبیر نے گھوڑے کی رکاب پر پاؤں رکھا ہی تھا کہ گاؤں میں کتوں کے بھونکنے
کی آوازیں اور اس کے ساتھ ہی گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دینے لگی۔ ایک آدمی باہر
کی طرف سے بھاگتا ہوا آیا اور اُس نے کہا۔ "مہاراج! مسلح سواروں کی ایک فوج
محل کے گرد جمع ہو رہی ہے۔ چند آدمی پھاٹک پر کھڑے ہیں اور وہ دروازہ کھولنے
کے لیے کہہ رہے ہیں۔ میں نے دروازہ نہیں کھولا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ
محل پر دھاوا بولنے والے ہیں۔"

"شاید وہ آ گئے ہیں۔" پورن چند نے بدحواس ہو کر کہا۔

رنبیر نے کسی توقف کے بغیر نیام سے تلوار نکالتے ہوئے گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔
حویلی سے باہر نکلتے ہی اُسے اپنے بائیں ہاتھ ایک گلی میں چند سوار دکھائی دیے۔
اس نے گھوڑے کو دائیں ہاتھ کی تنگ گلی کی طرف موڑ لیا۔ سوار شور مچاتے ہوئے

اس کے پیچھے ہو لیے۔ تھوڑی دور ایک موڑ سے آگے دو تنگ گلیاں نکلتی تھیں۔
رنبیر کو ایک گلی میں گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دی تو وہ فوراً دوسری گلی میں داخل ہو گیا۔
تھوڑی دیر بعد جب وہ اس گلی سے نکل کر ایک کھلی جگہ پہنچا تو سامنے تین سوار
کمانوں میں تیر چڑھائے کھڑے تھے۔ اس نے زین کے ساتھ لپٹ کر تیروں
کی زد سے بچنے کی کوشش کی۔ دو تیر اس کے اوپر سے نکل گئے اور ایک تیر اس
کے کندھے کے قریب بازو کی جلد چھیدتا ہوا گزر گیا۔ پھر آن کی آن میں ایک سوار
اس کی زد میں آ گیا۔ رنبیر نے تلوار کے ایک ہی وار سے اُسے گھوڑے سے نیچے
لڑھکا دیا۔ اس کے دو ساتھی ابھی تلواریں سونت رہے تھے کہ رنبیر آگے نکل گیا۔
پھر گلی اور گاؤں کے مختلف کونوں سے کوئی تیس سوار اس کا پیچھا کر رہے تھے۔

قریباً دو کوس فاصلہ طے کرنے کے بعد رنبیر کا گھوڑا تعاقب کرنے والوں
سے کافی دور نکل گیا تھا۔ کوئی آدھ کوس اور طے کرنے کے بعد اُسے دائیں اور
بائیں اُسے دو چھوٹی چھوٹی بستیاں دکھائی دیں۔ سامنے ایک وسیع جنگل تھا اور
یہی جگہ اس کی آخری امید تھی۔ وہ ایک بستی کے قریب سے گزر رہا تھا کہ اچانک
آٹھ سواروں کی ایک ٹولی نمودار ہوئی۔ رنبیر نے پگڈنڈی چھوڑ کر ایک طرف نکلنے
کی کوشش کی لیکن انھوں نے جلدی سے اس کا راستہ روک لیا۔ اب رنبیر کے
لیے کھلے میدان میں ان سے پیچھا چھڑانا مشکل تھا۔ چنانچہ وہ دوبارہ گاؤں کی طرف
مڑا اور ایک گھنے باغ میں سے ہوتا ہوا جنگل میں داخل ہو گیا۔ سواروں کی نئی ٹولی
ابھی تک اس کے پیچھے تھی اور دائیں اور بائیں طرف سے اسے گھیرے میں لینے کی
کوشش کر رہی تھی۔ جنگل کا وہ حصہ جہاں گھنے درخت اور جھاڑیاں رنبیر کو اپنی
پناہ میں لے سکتی تھیں، ابھی کچھ دور تھا۔ دو سوار رنبیر کے دائیں ہاتھ سے چکر
کاٹتے ہوئے اس سے آگے نکل گئے اور انھوں نے اچانک مڑ کر اس پر حملہ

کر دیا۔ رنبیر نے ایک سوار کو مار گرایا اور دوسرا خوفزدہ ہو کر ایک طرف ہٹ گیا۔
دیر میں باقی سات سوار اس کے گرد گھیرا ڈال کر ایک دوسرے کو پہل کرنے
تلقین کر رہے تھے۔

ایک سوار نے کہا۔ "اب تم بچ کر نہیں جا سکتے۔ تلوار پھینک دو۔"

"تم میں سے بہت کم ایسے ہوں گے جو مجھے تلوار پھینکتا ہوا دیکھیں گے۔"
کہتے ہوئے رنبیر نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور ایک طرف حملہ کر دیا۔ اس کی ز
میں آنے والا سوار اپنا گھوڑا بھگا کر ایک طرف ہٹ گیا اور رنبیر چند گز آگے
گیا۔ سوار ایک دوسرے کو گالیاں دیتے ہوئے پھر اس کا تعاقب کرنے لگے۔
ایک سوار نے رنبیر کے قریب پہنچ کر پہلو سے نیزہ مارنے کی کوشش کی، لیک
سامنے کسی جھاڑی کی اوٹ سے ایک سنسناتا ہوا تیر آیا اور سوار کے سینے میں
پیوست ہو گیا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے چند اور تیر آئے اور تین اور سوار
گھائل ہو گئے۔ باقی سواروں نے اپنے گھوڑوں کی باگیں موڑ لیں اور پیچھے
جنگل سے باہر نکل گئے۔ اتنی دیر میں جے کرشن کا باقی لشکر جنگل کے قریب
چکا تھا اور پیارے لال اس لشکر کے سالار کی حیثیت سے یہ خبر سن رہا تھا
دشمن تنہا نہیں۔ اس جنگل کے ہر درخت کے پیچھے اس کے تیر انداز چھپے ہو
ہیں۔

رنبیر اپنا گھوڑا روک کر حیرت و استعجاب کے عالم میں اِدھر اُدھر دیکھ رہا
تھا کہ ایک نوجوان کمان ہاتھ میں لیے ایک جھاڑی سے نمودار ہوا اور مسکرا
رنبیر کی طرف بڑھا۔

"تمہارے پیچھے اور کتنے آدمی ہیں؟" نوجوان نے سوال کیا۔

"کوئی تیس چالیس کے قریب ہوں گے۔" رنبیر نے جواب دیا۔

"میرا خیال ہے کہ باقی آدمی جنگل میں داخل ہونے سے پہلے کافی دیر سوچیں
گے۔ تم میرے پیچھے آؤ۔" یہ کہہ کر اجنبی ایک طرف چل دیا اور رنبیر کوئی سوال پوچھے
بغیر اس کے پیچھے ہو لیا۔ تھوڑی دور ایک گھوڑا درخت کے ساتھ بندھا ہوا تھا۔ اجنبی
نے گھوڑا کھولا اور اس پر سوار ہو گیا۔

کوئی آدھ کوس فاصلہ طے کرنے کے بعد اجنبی نے گھوڑے کی رفتار کم کر دی
اور مڑ کر رنبیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہارا گھوڑا بہت تھکا ہوا معلوم ہوتا ہے۔
اب اسے اطمینان سے چلنے دو۔"

نیا ساتھی

دوپہر کے وقت رنبیر اور اس کا ساتھی جنگل عبور کرنے کے بعد ایک چھوٹی سی ندی کے کنارے بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ ان کے گھوڑے جو تھکاوٹ اور بھوک سے نڈھال ہو چکے تھے۔ ندی کے آس پاس اُگی ہوئی گھاس چر رہے تھے۔ رنبیر کی سرگزشت سننے کے بعد اجنبی نے اس سے سوال کیا "اب آپ کہاں جانا چاہتے ہیں؟"

رنبیر نے جواب دیا "میری منزل کوئی نہیں۔ اس وقت زندہ رہنے کی خواہش مجھے کہیں دور لے جانا چاہتی ہے۔ آپ حیران ہوں گے کہ آپ کو دیکھنے کے بعد تک میں نے یہ سوچنے کی ضرورت محسوس نہیں کی کہ میں کہاں جا رہا ہوں اس وقت بھی اگر آپ مجھ سے یہ سوال نہ پوچھتے تو میرے دل میں یہ خیال نہ آتا۔ میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ قدرت نے میرا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں دے دیا ہے اور سوچے سمجھے بغیر آپ کے پیچھے چلنا چاہیے۔"

اجنبی نے غور سے رنبیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "یہ عجیب بات ہے کئی دنوں سے یہ محسوس کر رہا تھا کہ دنیا میں میں ایک ایسا انسان ہوں جس

کی کوئی منزل نہیں۔ جس کی تمام دلچسپیاں صرف زندہ رہنے تک محدود ہیں۔ صرف موت کا خوف میرا دائمی رفیق ہے اور اپنی زندگی کے اُداس، مغموم اور نہ ختم ہونے والے راستوں پر مجھے کوئی ساتھی نہیں ملے گا۔ جنگل میں اپنے دشمنوں سے پیچھا چھڑانے کے بعد جب آپ میرے پیچھے چل دیے تو ہر آن میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ آپ کسی جگہ اچانک اپنا گھوڑا روک کر کہیں گے کہ میں فلاں شہر یا فلاں بستی کی طرف جا رہا ہوں۔ آپ کا چہرہ مغموم ہونے کے باوجود بھی اس بات کی گواہی دے رہا ہے کہ آپ کی دنیا میری دنیا سے مختلف ہے۔ آپ کسی بڑے آدمی کے بیٹے ہیں۔ کسی عالی شان محل میں آپ کا انتظار ہو رہا ہوگا۔ اتنے آدمی ایک معمولی آدمی کے دشمن نہیں ہوتے۔ آپ کے دشمنوں کی طرح آپ کے دوست بھی بہت ہوں گے۔ بہر حال میں آپ کی عارضی رفاقت میں بھی ایک لذت محسوس کر رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے راستے میں آپ سے یہ نہیں پوچھا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں۔ میں چاہتا تھا کہ آپ کچھ دیر اور میرے ساتھ چلتے رہیں اور اب آپ کی آپ بیتی سُننے کے بعد میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ میں آپ کی رہنمائی کرنے کے قابل نہیں۔ لیکن اگر آپ کو ایک ساتھی کی ضرورت ہے تو میں آپ کے ساتھ ہوں۔"

رنبیر نے کہا "میں اس ملاقات کو محض ایک حادثہ نہیں سمجھتا۔ شاید قدرت نے اپنے کسی نامعلوم مقصد کی تکمیل کے لیے ہمیں مختلف سمتوں سے دھکیل کر ایک جگہ اکٹھا کر دیا ہے اور شاید ہمارے لیے اپنی اپنی منزل اور راستہ متعین کرنے کے لیے کچھ عرصہ ایک دوسرے کی رفاقت ضروری ہو۔ کیا میں یہ معلوم کر سکتا ہوں کہ آپ کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں اور وہ واقعات کیا ہیں جنھوں نے آپ کو میرا ساتھی بنا دیا ہے؟"

اجنبی نے زبیر کے سوالات کے جواب میں اپنی سرگزشت سنادی۔

(۲)

یہ اجنبی رام ناتھ تھا، جس نے اپنے باپ کے قتل پر غصے سے مغلوب [ہوکر] ایک برہمن پر ہاتھ اُٹھانے کی جرأت کی تھی، جسے سومنات کا پجاری ہونے کی حیثیت سے بڑے بڑے راجے واجب التعظیم خیال کرتے تھے۔ اپنے گاؤں سے فرار ہونے کے بعد رام ناتھ کو جلد ہی اس بات کا احساس ہوگیا کہ سومنات کے پجاریوں کا عتاب مول لینے والے انسان کے لیے دیوتاؤں کی مقدس سرزمین میں کوئی جگہ نہیں۔ سومنات کی عظمت کا خوف لوگوں کے دلوں میں پہلے بھی کم نہ تھا لیکن محمود غزنوی کے ہاتھوں کئی مندروں کی تسخیر کے بعد ملک کے طول و عرض میں یہ بات مشہور ہو چکی تھی کہ ان مندروں کی شکست کی وجہ یہ ہے کہ سومنات کا دیوتا باقی تمام دیوتاؤں اور ان کے پجاریوں سے ناراض ہو چکا ہے اور اُسے خوش کیے بغیر ہندوستان کے برہمن، سردار اور راجے محمود غزنوی کو شکست نہیں دے سکتے۔

گوالیار کے عوام کے لیے یہ خبر انتہائی پریشان کن تھی کہ ایک سنگ دل نے سومنات کے ایک پجاری کو ہلاک کر دیا ہے۔ گوالیار کا راجہ بھی اس واقعہ سے کم پریشان نہ تھا۔ اُس نے یہ خبر سنتے ہی سومنات کے بڑے پروہت کے غصے سے بچنے کے لیے اس کی خدمات میں بیش قیمت تحائف بھیج دیے تھے اور دوسرے راجاؤں کی ملامت اور اپنی رعایا کے غم و غصہ کے پیش نظر یہ اعلان کر دیا کہ سومنات کے پجاری کے قاتل کو زندہ پکڑنے یا گرفتار کرنے والے کو بہت انعام دیا جائے گا۔

رام ناتھ کو آٹھ دن کے بعد اپنے گاؤں سے کئی کوس دور ایک جھونپڑی

بستی میں پہنچ کر یہ معلوم ہوا کہ سومنات کے پجاری کی موت کی خبر ملک کے طول و عرض میں پھیل چکی ہے۔ اب اُسے فوراً گوالیار کی سرحد عبور کرنے کی فکر ہوئی۔ شہروں اور بستیوں کے قریب جاتے ہوئے اُسے ہمیشہ اس بات کا خطرہ رہتا کہ اس کا کوئی نہ کوئی جان پہچان والا اچانک اُس کی طرف دیکھتے ہی چلا اُٹھے گا۔ "یہ رام ناتھ ہے۔ میں جانتا ہوں، اسے پکڑ لو۔"

ایک شام وہ سرحد کے قریب رات گزارنے کی نیت سے ایک گاؤں میں داخل ہوا۔ گاؤں کے دھرم شالہ میں چند اور مسافر بھی ٹھہرے ہوئے تھے۔ ایک نوجوان نے جو رام ناتھ کے ساتھ فوج میں رہ چکا تھا اسے دروازے پر دیکھتے ہی پہچان لیا۔

"آپ یہاں کیسے آئے؟" نوجوان نے حیران ہو کر کہا۔

رام ناتھ نے اپنی بدحواسی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔ "میں متھرا جا رہا ہوں۔ وہاں میں نے ہنومان جی کے مندر میں منت مانی تھی۔"

نوجوان نے کہا۔ "یہ عجیب اتفاق ہے۔ میں بھی وہیں جا رہا ہوں۔ وہاں میرے چند رشتہ دار ہیں۔ مسلمانوں کے حملے کے بعد اُن کے متعلق کوئی خبر نہیں آئی۔ آپ کا گاؤں سومنات کی جاگیر میں ہے نا؟"

"ہاں!" رام ناتھ نے قدرے پریشان ہو کر جواب دیا۔

"تو آپ نے یہ خبر سنی ہو گی کہ اس علاقے میں کسی نے سومنات کے ایک پجاری کو قتل کر دیا ہے۔"

رام ناتھ نے اور زیادہ پریشان ہو کر جواب دیا۔ "میں نے راستے میں یہ خبر سنی تھی۔"

نوجوان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کسی نے آپ پر شک نہیں کیا۔ میں تو ایک [لمحہ کے لیے] گھبرا گیا تھا"?

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میں ایک چھوٹے سے گاؤں میں سے گزر رہا تھا کہ ایک آدمی نے مجھے دیکھ کر
شور مچا دیا۔ اسے پکڑ لو یہ سومنات کے پجاری کا قاتل ہے۔ چند آدمی میرے گرد جمع
ہو گئے۔ خوش قسمتی سے ان میں سے ایک ہماری فوج کا سپاہی نکل آیا جو مجھ سے
ایک دن پہلے چھٹی پہ آیا تھا۔ اس نے بڑی مشکل سے لوگوں کو سمجھا کر میری جان چھڑائی۔
بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ اس علاقے کے سردار نے لوگوں کو بلا کر سرحد کی طرف جانے
والے ہر شخص کی نگرانی کرنے کی ہدایت کی تھی اور لوگوں نے اس کی زبانی قاتل
کا جو حلیہ سنا تھا وہ مجھ سے ملتا تھا۔ فرق صرف یہ تھا کہ میرا رنگ زیادہ سانولا ہے۔"
رام ناتھ نے کہا۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ مجھے دیکھتے تو زیادہ شک
کرتے کیونکہ میرا رنگ زیادہ سانولا نہیں۔"
نوجوان نے غور سے رام ناتھ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔" ہاں آپ کو دیکھ
کر وہ زیادہ شک کرتے۔ آپ کا سینہ بھی زیادہ کشادہ ہے اور قد بھی مجھ سے
لمبا ہے اور ......"
" اور میرا نام بھی قاتل کے نام سے ملتا ہے۔" رام ناتھ نے یہ کہہ کر گھوڑے کو
ایڑ لگا دی۔
یہ رات رام ناتھ نے جنگل میں گزاری۔ اگلے دن اس نے دریائے جمنا
عبور کیا اور قنوج کی سرحد میں داخل ہو گیا۔ اب اس کا خطرہ نسبتاً کم ہو چکا تھا
لیکن اسے اطمینان نصیب نہ ہو سکا۔ رات کے وقت وہ کسانوں یا چرواہوں
کی کسی چھوٹی سی بستی میں ٹھہر جاتا اور دن بھر ویرانوں اور جنگلوں میں بھٹکتا رہتا۔
ان تلخ ایام میں صرف روپ وتی ہی اس کا آخری سہارا تھی۔ تنہائی میں وہ اکثر
سوچا کرتا تھا۔ کہ زندگی کی ناہموار اور دشوار گزار راہوں سے گزرنے کے بعد
وہ کسی دن اس کے پاس پہنچ سکے گا۔ سرِدست سومنات کے مندر کا رُخ کرنا

خطرے سے خالی نہیں لیکن شاید کچھ عرصہ کے بعد لوگ پجاری کے قتل کا واقعہ بھول
جائیں اور وہ وہاں جا سکے۔
ہمالیہ کے دامن کی کسی دور افتادہ ریاست میں پناہ لینے کی نیت سے رام ناتھ
نے شمال مشرق کا رُخ کیا۔ ایک مرتبہ اُسے ایک جنگل کے قریب رات ہو گئی اور
اس نے ایک چرواہے کی جھونپڑی میں پناہ لی۔ اگلی صبح وہ جنگل کے ساتھ ساتھ
مشرق کا رُخ کر رہا تھا کہ اسے چند سوار ایک اور سوار کا تعاقب کرتے ہوئے دکھائی
دیے۔ وہ جلدی سے جنگل میں داخل ہو کر ایک درخت کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ جب
سوار قریب آ گئے تو وہ جلدی سے گھوڑے سے اُترا اور اسے کچھ دور درختوں میں
باندھ دیا۔ پھر وہ واپس آ کر جنگل کے کنارے ایک جھاڑی کی اوٹ میں بیٹھ گیا۔
یہ زنبیر کی خوش قسمتی تھی کہ وہ جنگل میں داخل ہوتے ہی اس طرف آ نکلا جہاں
رام ناتھ بیٹھا ہوا تھا اور جب اس پر آخری حملہ ہونے والا تھا تو اس کے دشمن
رام ناتھ کے تیروں کی زد میں آ چکے تھے۔ ابتدا میں رام ناتھ ان لوگوں کی لڑائی میں
مداخلت کی بجائے صرف چھپ کر یہ تماشا دیکھنا چاہتا تھا لیکن جب یہ لڑائی انتہائی
مرحلے پر پہنچ گئی تو اچانک اس کے دل میں خیال آیا کہ میری مداخلت ایک بہادر
نوجوان کی جان بچا سکتی ہے۔ چنانچہ اس نے نتائج سے بے پروا ہو کر فوراً تیر چلانے
شروع کر دیے۔
رام ناتھ کی سرگزشت سننے کے بعد زنبیر نے کہا۔" تو آپ نے صرف اس
لیے میری مدد کی ہے کہ میں اکیلا تھا اور میرے دشمن زیادہ تھے۔"
" ہاں! لیکن اس سے زیادہ مجھے آپ کی ہمت اور جرأت نے متاثر کیا تھا۔
اگر آپ دشمن کے کہنے پر ہتھیار پھینک دیتے تو میں شاید آپ کی مدد کرنے کی
بجائے اپنی جان بچانے کی فکر کرتا لیکن جب آپ نے انتہائی مایوسی کی حالت

میں بھی حوصلہ نہ ہارا اور زندگی اور موت سے بے پروا ہو کر اپنے دشمنوں پر ٹوٹ
پڑے تو میں نے محسوس کیا کہ آپ کی مدد نہ کرنا انتہائی بزدلی ہے۔"

"آپ نے ایک ایسے آدمی کی جان بچائی ہے جو کبھی کسی کا احسان نہیں بھولتا۔
آج سے آپ میرے بھائی ہیں۔" یہ کہتے ہوئے رنبیر نے اپنا ہاتھ رام ناتھ کی طرف
بڑھا دیا اور رام ناتھ نے اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا،
"آپ کا چھوٹا بھائی۔"

قنوج کی شمالی سرحد عبور کرنے کے بعد رنبیر اور رام ناتھ چند دن ادھر ادھر
بھٹکتے رہے۔ دیہاتی لوگ بیرونی حملوں کے باعث اپنے وطن کے ہر سپاہی کی
آؤ بھگت کے عادی ہو چکے تھے۔ اس لیے راستے کی ہر بستی کے سرکردہ آدمی ان
کا خیر مقدم کرتے تھے۔ رام ناتھ نے فوج کی ملازمت کے آخری چند مہینوں کی تنخواہ
سے سونے اور چاندی کے چند سکے بچا رکھے تھے اور یہ چھوٹی سی رقم ابھی تک اس
کے پاس تھی۔ رنبیر شکنتلا کے زیورات کی تھیلی کھو بیٹھنے کے بعد تہی دست تھا۔

(۳)

رنبیر سوتے جاگتے اور اٹھتے بیٹھتے ہر وقت اپنی بہن کے خیال میں کھویا رہتا
تھا۔ ایک روز وہ ایک چھوٹی سی بستی کے چودھری کے مہمان تھے۔ رات کے
وقت کھانا کھانے کے بعد جب وہ ایک تنگ کمرے میں چارپائیوں پر لیٹ
گئے تو رام ناتھ نے سوال کیا۔ "اب ہم خطرے کی حدود سے بہت دور آ چکے ہیں۔
صبح آپ کا کیا ارادہ ہے؟"

رنبیر نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اچانک اٹھ کر بیٹھتے ہوئے جواب
دیا۔ "رام ناتھ! حالات نے ہم دونوں کو ایک ہی کشتی میں ڈال دیا ہے۔ تم

کی تلاش میں ہو وہ یہاں سے سینکڑوں دور سومنات کے مندر میں تمہارا انتظار کر
رہی ہو گی لیکن جب تک ایک پجاری کی مدت کا قصہ پرانا نہیں ہو جاتا، تم وہاں
نہیں جا سکتے اور اس طرح نہ جانے کتنی مدت گزر جائے لیکن تمہیں مایوس نہیں
ہونا چاہیے۔ میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ تمہاری جگہ خود سومنات جاؤں گا اور اگر روپ
وتی کو میں وہاں سے لانے میں کامیاب نہ بھی ہو سکا تو بھی اتنا ضرور معلوم ہو
جائے گا کہ مستقبل میں تمہاری کامیابی اور ناکامی کے امکانات کیا ہیں لیکن میرے
حالات اس کے برعکس ہیں۔ میرے چاروں طرف تاریکی ہی تاریکی ہے۔ میں ایک
ایسی منزل کا راہی ہوں جس کا راستہ متعین نہیں۔ کاش مجھے صرف اتنا معلوم ہوتا
کہ شکنتلا کہاں ہے؟ ابھی میں یہ سوچ رہا تھا کہ وہ جے کرشن کے خوف سے قنوج
کی حدود سے باہر نکل گئی ہو گی اور وہ کسی نہ کسی طریقے سے گاؤں کے حالات
ضرور معلوم کرتی رہے گی۔ اگر میں اپنے گاؤں اور اپنے محل پر قبضہ کر سکوں تو اس
کا پتہ لگانا میرے لیے مشکل نہ ہو گا۔ اگر وہ زندہ ہے تو مجھے یقین ہے کہ وہ خود ہی
یہاں پہنچ جائے گی۔ اس مقصد کے لیے جے کرشن اور اس کے حلیف سرداروں
کو مغلوب کرنا ضروری ہے لیکن میرے یہ ارادے ایک دیوانے کے خواب سے
زیادہ حقیقت نہیں رکھتے۔ قنوج کا نیا حکمران جے کرشن کی پشت پر ہے۔ اس
لیے جے کرشن کو وہی طاقت مغلوب کر سکتی ہے جو قنوج کی نئی حکومت کا تختہ
الٹ سکتی ہو۔ آج میں تم سے ایک خاص بات کہنا چاہتا ہوں جو میری روح کی آواز
اور میرے دل کی پکار ہے۔ شاید تم اسے سننے کے بعد محسوس کرو کہ تم نے مجھے اپنا
دوست اور بھائی سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ میری آخری امید محمود غزنوی ہے۔"

رنبیر یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گیا۔ اس کا خیال تھا کہ رام ناتھ اچانک اٹھ
کر اس کا گلا دبانے کی کوشش کرے گا لیکن جب وہ اطمینان سے لیٹا رہا تو رنبیر

نے کہا "کئی دن سے میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ وہ ضرور آئے گا۔ قدرت نے
جو کام سونپا ہے وہ پورا ہو کر رہے گا۔ کالنجر کے راجہ نے جو حالات پیدا کر دیے ہیں
کے متعلق میں یہ یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ میری فریاد اُسے متاثر کر سکے گی لیکن ا
کی فوج میں عبدالواحد جیسے لوگ موجود ہیں۔ مجھے امید ہے کہ وہ ضرور مدد کریں گے
تم یہ کہو گے کہ میں اپنے وطن کے ساتھ غداری کر رہا ہوں لیکن میرا ضمیر مطمئن ہے
وطن کی خدمت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ اُسے جے کرشن جیسے درند
سے پاک کیا جائے۔ تم مجھے سماج کا دشمن کہو گے لیکن میری نگاہوں میں سماج کا
ٹوٹ چکا ہے جو انسانوں کو بھیڑوں اور بھیڑیوں کے گروہوں میں تقسیم کرتا ہے۔
رام ناتھ! میں محمود غزنوی کی راہ دیکھنے جا رہا ہوں۔ اگر میری یہ آرزو پوری ہوتی تو مجھے
یقین ہے کہ شکنتلا کو تلاش کرنے میں دیر نہیں لگے گی اور اس کے بعد میں تمہارے
سومنات جانے کا وعدہ پورا کر سکوں گا۔ اگر شکنتلا کے بارے میں مایوسی ہوئی تو
میں سومنات ضرور جاؤں گا لیکن اس وقت میں تمہیں اپنا ساتھ دینے پر مجبور نہیں کر
گا۔"

رام ناتھ نے اُٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا "کاش! تمہیں معلوم ہوتا کہ تمہاری زبان
سے میرے دل کی آواز نکل رہی ہے۔ محمود صرف تمہارا ہی نہیں، میرا بھی آخری سہارا
ہے۔ میں فوراً سومنات کا رُخ کرنے سے اس لیے نہیں گھبراتا کہ مجھے موت کا خوف
ہے۔ میرے نزدیک اپنی جان کی کوئی قیمت نہیں رہی اور پھر یہ بھی ضروری نہیں
سومنات کے جن پجاریوں نے مجھے صرف ایک ثانیہ کے لیے دیکھا ہے وہ مجھے د
دیکھتے ہی پہچان لیں۔ میری جھجک کی وجہ اور ہے۔ میں یہ سوچتا ہوں کہ روپ وتی
لڑکیوں میں سے نہیں جو اپنی خوشی سے سومنات کے مندر میں داخل ہوتی ہیں
اور اپنی مرضی سے واپس آ جاتی ہیں۔ اُسے اس کی پیدائش سے پہلے سومنات کی بھینٹ

کیا جا چکا ہے اور پروہت کی مرضی کے بغیر اگر ہندوستان کے تمام راجے اُسے وہاں
سے نکالنے کی کوشش کریں تو بھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ میرے اور روپ وتی کے
درمیان پروہت کی مرضی اور مندر کی ناقابلِ تسخیر دیواریں حائل ہیں۔ کبھی میں یہ سوچا
کرتا تھا کہ ایک دن میں راجہ کا سپہ سالار بنوں گا اور پروہت کے سامنے سونے
اور جواہرات کا انبار لگا کر یہ کہوں گا کہ میں روپ وتی کی آزادی کی قیمت ادا کرنے
آیا ہوں لیکن اب میری آخری اُمید یہی ہے کہ قدرت کی اَن جانی اور ان دیکھی قوت
میری راہ کی مشکلات دور کر دے گی۔ جس دن آپ فراسدیو کا قصہ سنا رہے تھے، میں
یہ سوچ رہا تھا، کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ محمود غزنوی کو راستہ دکھانے والی قوت جسے وہ
خدا کے نام سے یاد کرتا ہے کسی دن سومنات کی طرف اس کے گھوڑے کی باگ
پھیر دے۔ رنبیر میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

رُہت کے کنارے

نندنہ کی شکست کے بعد راجہ ترلوچن پال نے اپنی رہی سہی فوج کے ساتھ ک[illegible]
شوالک میں ڈیرے ڈال دیے لیکن سلطان محمود کی فوج کی خبر سنتے ہی وہ قنوج[illegible]
نئے حکمران؎ اور کالنجر اور گوالیار کے مہاراجوں کے ساتھ متحدہ محاذ بنانے [illegible]
نیت سے جنوب کی طرف بھاگ نکلا۔ سلطان محمود ایک حیرت انگیز رفتار[illegible]
اس کا تعاقب کرتا ہوا دریائے رہت کے کنارے جا پہنچا لیکن اس سے قبل
ترلوچن پال کی فوج دریا عبور کر چکی تھی۔

کوہِ شوالک سے دریائے رہت کے طویل سفر میں راستے کے کئی سرد[illegible]
چھوٹے چھوٹے راجے ترلوچن پال کی فوج کے ساتھ شامل ہو چکے تھے۔ تاہم [illegible]
قوت کے بل بوتے پر کسی میدان میں محمود کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار نہ [illegible]
اب اس کی فوج اور دشمن کے درمیان دریا حائل ہو چکا تھا اور اُسے اس [illegible]
اطمینان تھا کہ وہ کسی خطرے کا سامنا کیے بغیر محمود کو کئی دن تک دریا عبور کر[illegible]

؎ قنوج کے نئے حکمران کا نام بھی ترلوچن پال تھا۔

سے روک سکتا ہے۔ اس نے دریا کے کنارے تھوڑی دور ہٹ کر پڑاؤ ڈال دیا اور
جنوب میں اپنے حلیف راجاؤں کو یہ پیغام بھیج دیا کہ دشمن کے ساتھ فیصلہ کن معرکہ
کے لیے یہ مقام نہایت موزوں ہے، اگر دشمن دریا عبور کرنے کی جرأت کرے
تو اس کے سامنے کنارے کے ساتھ ساتھ تیر اندازوں اور جنگی ہاتھیوں کی ناقابلِ
تسخیر دیواریں کھڑی کی جا سکتی ہیں اور اگر وہ ہمت ہار کر لوٹ جائے تو بھی ہماری
ہی فتح ہوگی۔ اس کی پسپائی ہمارے ملک کے لوگوں میں ایک نیا عزم بیدار
کر دے گی۔ ترلوچن پال کے اطمینان کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ سلطان محمود کے تیز
رفتار دستوں کے سوا باقی فوج ابھی کئی منزلیں پیچھے تھی اور اس کا یہ خیال تھا کہ سلطان
دریا عبور کرنے سے پہلے ان کا انتظار ضرور کرے گا۔ ترلوچن پال کے ہمراہ بیس ہزار
سپاہی اور قریباً تین سو ہاتھی تھے۔ ان کے ساتھ وہ سلطان کی پوری فوج کو کئی دن
تک دریا عبور کرنے سے روک سکتا تھا۔

سلطان محمود ایک سفید گھوڑے پر سوار دریائے رہت کے کنارے ایک
ٹیلے کی چوٹی پر کھڑا اپنے گرد و پیش کا جائزہ لے رہا تھا۔ ٹیلے سے نیچے اس کے
سپاہی صفیں درست کر رہے تھے۔ چند افسر اور سپاہی ٹیلے کی چوٹی سے لے کر
نیچے تک سلطان کے دائیں، بائیں اور پیچھے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کھڑے
[illegible] فوج کے مختلف دستوں کے درمیان پیام رسانی کا کام دے رہے تھے
سلطان اپنے قریب کھڑے ہونے والے افسروں میں سے کسی کو کوئی حکم دیتا
[illegible] آن کی آن میں یہ حکم میمنہ، میسرہ یا عقب کے دستوں تک جا پہنچتا۔ پھر اچانک
[illegible] صفوں کی ترتیب بدل جاتی۔ آٹھ ہزار جاں باز دریا کی طوفانی موجوں سے کھیلنے
کے لیے امیر لشکر کے اشارے کے منتظر تھے۔

ترلوچن پال کی فوج کے سوار کبھی کبھی اپنے پڑاؤ سے نکل کر دریا کے دوسرے

کنارے نمودار ہوتے اور سلطان کے سپاہیوں کو للکارنے اور ہاتھوں کے اشارے سے انھیں دریا عبور کرنے کی دعوت دینے کے بعد جنگل میں روپوش ہو جاتے۔

سلطان کے ہونٹوں پر ایک خفیف سی مسکراہٹ اپنے جانبازوں کو ... کی بشارت دے رہی تھی۔ اس کے چہرے پر سکون تھا۔ ایک دریا کا سکون شور مچاتی ہوئی پہاڑی ندیوں اور آبشاروں کو اپنے آغوش میں لیتا ہوا ... ہے۔ گزشتہ تیس سال میں وہ کئی دریاؤں کی گہرائیوں اور پہاڑیوں کی بلندیوں، صحراؤں کی وسعتوں کے سامنے ایک انسان کے ناقابلِ تسخیر عزم و ہمت کا مظاہرہ کر چکا تھا۔ پچاس سال کی عمر میں اس کا چہرہ سمندر کی اس چٹان کی طرح تھا جس کے ساتھ اَن گنت لہریں ٹکرا چکی ہوں لیکن اس کی نگاہوں میں ابھی تک عقاب کی تیزی اور شیر کا جبروت تھا۔

ترلوچن پال کو یہ معلوم نہ تھا کہ جس فوج کو وہ دریا کے پار روکنا چاہتا ہے اس کا ہر سپاہی آنے والی رات دریا کے دوسرے کنارے گزارنے کا عزم کر چکا ہے۔

سلطان نے اپنے ایک افسر کی طرف متوجہ ہو کر کہا "ہم ظہر کی نماز دریا کے پار ادا کریں گے۔" اور آن کی آن میں یہ الفاظ فوج کے ہر افسر اور ہر سپاہی کے کانوں تک پہنچ گئے۔

(۲)

دشمن پر حملے کے لیے سلطان کے حکم کا انتظار کرنے کی بجائے ترکمانوں کے ایک دستے کے آٹھ سرفروش ہوا سے بھرے ہوئے مشکیزوں کے سہارے تیرتے ہوئے منجدھار میں پہنچ چکے تھے۔ دشمن کا ایک دستہ جو دوسرے کنارے

پر متعین تھا۔ ان پر تیر برسا رہا تھا۔ سلطان جس قدر بہادری کا قدردان تھا اسی قدر حکم عدولی کے معاملے میں سخت گیر تھا لیکن اس موقعہ پر اس نے غیر متوقع ضبط سے کام لیا اور اپنے گرد جمع ہونے والے افسروں کی طرف دیکھ کر بلند آواز میں کہا "آگے بڑھو!" آن کی آن میں فوج کے بعض سپاہی مشکیزوں کے ساتھ اور باقی گھوڑوں سمیت دریا میں کود پڑے۔ سلطان نے خود بھی ٹیلے سے نیچے اتر کر دریا میں ڈال دیا۔

آٹھ سرفروش جنھوں نے مشکیزوں کے سہارے دریا عبور کرنے میں سبقت کی تھی، دشمن کی تیروں کی زد میں آ چکے تھے۔ اچانک دو سرپٹ سوار جو بظاہر ہندو فوج کے سپاہی معلوم ہوتے تھے۔ ایک چھوٹے سے ٹیلے کے پیچھے سے نمودار ہوئے اور انھوں نے دریا عبور کرنے والے ترکمانوں کی طرف توجہ دینے کی بجائے تیراندازوں کے مورچے پر حملہ کر دیا اور پانچ آدمی موت کے گھاٹ اتار دیئے، باقی تیرانداز انتہائی سراسیمگی کی حالت میں بھاگ نکلے۔ ہندو سواروں کے چند اور دستے جو دریا اور پڑاؤ کے درمیان پھیلے ہوئے تھے۔ آگے بڑھے لیکن دریا عبور کرنے والے لشکر کی جرأت و ہمت سے مرعوب ہو کر وہ مقابلہ کیے بغیر پیچھے ہٹ گئے۔

آٹھ ترکمان دریا عبور کرتے ہی اپنے ہندی مددگاروں کے گرد جمع ہو گئے۔ ان میں سے ایک نے اپنے سر سے کھال کی ٹوپی اتار کر ایک سوار کو پیش کرتے ہوئے ٹوٹی پھوٹی ہندی اور فارسی میں کہا "ہم نہیں جانتے کہ تم کون ہو لیکن ہم تمھارے شکر گزار ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ ہمارے ساتھی تمھیں پہچاننے میں غلطی نہ کریں۔ تم اپنی پگڑی کی جگہ یہ ٹوپی پہن لو۔"

دوسرے ترکمان نے اس کی تقلید کی اور اپنی ٹوپی اتار کر دوسرے سوار کو

پیش کر دی۔

ان سواروں میں سے ایک رنبیر اور دوسرا رام ناتھ تھا۔ ترکمانوں کی ... پہنچنے کے بعد دریا عبور کرنے والی فوج کی طرف دیکھ رہے تھے۔ رام ناتھ نے ... ساتھی کی طرف متوجہ ہو کر کہا "بھگوان کی قسم! یہ انسان نہیں۔ آج کے بعد کوئی مجھ سے یہ کہے کہ لشکر سمندر کی سطح پر دوڑ کر کسی دوسرے ملک پہنچ گیا ... میں تعجب نہیں کروں گا۔"

دریا کے کنارے گھنے درختوں کے پیچھے گھوڑوں کی ٹاپیں، ہاتھیوں کی ... اور آدمیوں کی چیخ اور پکار یہ ظاہر کر رہی تھی کہ ترلوچن پال کی ساری فوج ... صورت حال کا سامنا کرنے کے لیے حرکت میں آ چکی ہے لیکن اتنی دیر میں ... کی فوج کے کئی دستے دریا عبور کر چکے تھے۔

رنبیر کو اپنے قریب درختوں کے پیچھے سے پانچ ہاتھیوں کا ایک دستہ ... ہوا دکھائی دیا۔ ہاتھیوں کا رُخ رنبیر کے دائیں ہاتھ سپاہیوں کے اس گروہ کی طرف تھا جنھیں دریا عبور کرنے کے بعد ابھی کنارے پر پاؤں جمانے کا ... نہیں ملا تھا۔ بعض سپاہی اِدھر اُدھر منتشر ہو گئے اور بعض نے کنارے کے ... کی آڑ لے کر ہاتھیوں پر تیروں کی بارش شروع کر دی۔ دو ہاتھی بدحواس ہو کر ... مڑے اور اپنے عقب میں پیش قدمی کرنے والے تیر اندازوں کو روندتے ہوئے ... نکل گئے لیکن تین ہاتھی بدستور آگے بڑھ رہے تھے۔ ایک ہاتھی پتھر ... سے تیر برسانے والے آدمیوں کے قریب آ چکا تھا۔ چند سپاہی اُلٹے پاؤں ... ہوئے دریا میں کود پڑے اور باقی اِدھر اُدھر ہٹ گئے لیکن تین جو سب ... تھے اپنی جگہ سے نہ ہلے۔ ایک ہاتھی ان کے تیروں سے زخمی ہونے کے ... غضب ناک ہو کر اپنی سونڈ بلند کیے چیختا چنگھاڑتا آگے بڑھا۔ ایک ...

اچانک پتھر کی آڑ سے نکل کر تلوار سونت لی اور ہاتھی کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اس کی ہلاکت یقینی سمجھ کر رنبیر نے اچانک گھوڑے کو ایڑ لگائی اور نیزہ بلند کرتے ہوئے ہاتھی پر حملہ کر دیا۔ اس کا نیزہ ہاتھی کی سونڈ میں اٹک کر رہ گیا۔ ہاتھی نے ایک دل ہلا دینے والی چیخ کے ساتھ رنبیر پر حملہ کیا، رنبیر نے گھوڑے کو ایک طرف موڑنے کی کوشش کی لیکن بدحواس گھوڑا اسیخ پا ہو کر گر پڑا۔ رنبیر ایک طرف لڑھک کر اُس کے نیچے آنے سے بچ گیا لیکن ابھی وہ اُٹھ کر سنبھلنے نہ پایا تھا کہ دوبارہ ہاتھی کی زد میں آ گیا۔ رام ناتھ نے اُسے بچانے کے لیے حملہ کرنا چاہا لیکن اس سے پہلے ایک اور سپاہی نے تلوار کے بھرپور وار سے ہاتھی کی سونڈ کاٹ دی۔ پھر رام ناتھ کا نیزہ بھی ہاتھی کی آنکھ پر آ کر لگا اور وہ ایک چکر کاٹنے کے بعد بھاگ نکلا۔ اتنی دیر میں ترکمان آگے بڑھ کر باقی دو ہاتھیوں کا منہ پھیر چکے تھے۔

ترلوچن پال کی فوج میں قریباً تین سو ہاتھی تھے لیکن پیشتر اس کے کہ وہ اپنی فوج کو منظم کر کے حملہ کرتا۔ سلطان کی فوج دریا عبور کر چکی تھی۔ ہاتھیوں کے منتشر دستے ساری فوج میں بکھرے ہوئے تھے اور وہ دشمن کی بجائے اپنی ہی فوج میں تباہی مچا رہے تھے۔

سلطان کی فوج نے آن کی آن میں پوری تنظیم کے ساتھ دشمن پر حملہ کر دیا۔ سلطان کی قیادت میں ترک اور افغان سواروں کے چند دستے آندھی کے تیز جھونکے کی طرح دشمن کی فوج کو درمیان سے چیرتے ہوئے عقب میں جا پہنچے، اس کے ساتھ ہی باقی سوار ترلوچن پال کی فوج کے دائیں اور بائیں بازو پر ٹوٹ پڑے۔ سلطان کی فوج کے ہندی سپاہیوں کے دستے ساٹھ ہاتھیوں کی ایک قطار کے سامنے آ چکے تھے۔ ہر ہاتھی کی ہودج میں دو دو تیر انداز بیٹھے ہوئے تھے جو تیر برسا رہے تھے۔ رنبیر اور رام ناتھ سلطان کی فوج کے ہندی دستوں

میں شامل ہو چکے تھے۔ ہاتھیوں کی قطار جو ان دستوں کی طرف بڑھ رہی تھی منظم تھی کہ سامنے سے حملہ کر کے اُن کا منہ پھیر دینا ناممکن تھا۔ ہندی س ہاتھیوں پر تیر برساتے ہوئے اُلٹے پاؤں دریا کی طرف ہٹنے لگے اور ان کے نے انھیں دائیں ہاتھ سمٹ کر دریا کا کنارہ خالی کرنے کا حکم دیا۔ یہ دیکھ کر فیل نے ہاتھیوں کا رُخ بھی اسی طرف پھیرنے کی کوشش کی لیکن ہندی دستوں کے سالار نے اچانک ایک چھوٹا سا چکر کاٹنے کے بعد دائیں ہاتھ مڑ کر ہاتھیوں کے عقب میں پیش قدمی کرنے والے دستوں پر حملہ کر دیا اور کسی شدید مزاحمت کا سامنا کیے بغیر انھیں تتر بتر کر دیا۔

اس کے بعد ہندی سپاہی ہاتھیوں کو تین اطراف سے گھیر کر دریا کی طرف ہانک رہے تھے۔ رنبیر نے ان کے سالار کی طرف دیکھا اور اس کا دل مسرت سے اچھلنے لگا۔ یہ عبدالواحد تھا۔ رنبیر نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور عبدالواحد کے قریب جا پہنچا اور اس کی زرہ میں اٹکا ہوا تیر کھینچ کر اُسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

عبدالواحد اُسے دیکھ کر مسکرایا اور کہا "میرے دوست! میں تمھیں دیکھ چکا ہوں۔"

میدانِ جنگ کے باقی حصّوں میں بھی ترلوچن پال کی فوج منتشر ہو چکی تھی۔ ترلوچن پال زخمی ہونے کے بعد میدان سے بھاگ نکلا اور سلطان کے لشکر نے اس کے مستقر پر قبضہ کر لیا۔ اس جنگ میں مالِ غنیمت کے ہاتھیوں کی تعداد دو سو ستّر تھی۔

(۳)

کچھ دیر بعد سلطان کی فوج دریا کے کنارے ظہر کی نماز پڑھ رہی تھی اور رنبیر اور

رام ناتھ تھوڑی دور ایک درخت کے نیچے بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد عبدالواحد اُن کے قریب آ بیٹھا۔ رنبیر نے رام ناتھ سے اس کا تعارف کرایا اور پھر عبدالواحد کے سوالات کے جواب میں مختصراً اپنی اور اپنے ساتھی کی سرگزشت سنادی۔

عبدالواحد نے رنبیر سے چند اور سوالات پوچھے۔ پھر اس نے ہاتھ سے بالشت بھر زمین صاف کی اور اپنے خنجر کی نوک سے چند لکیریں کھینچنے کے بعد کہا "یہ قنوج کا نقشہ ہے۔ اب آپ یہ بتائیں کہ آپ کا گاؤں کس جگہ واقع ہے؟"

رنبیر نے ایک جگہ انگلی رکھتے ہوئے جواب دیا۔ "قریباً اس جگہ۔"

عبدالواحد نے کہا "یہ مقام ہمارے راستے سے زیادہ دور نہیں ہوگا۔ اگر مجھے آج شام سلطان معظم کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملا تو ممکن ہے کہ سونے سے پہلے آپ کو کوئی اچھی خبر سنا سکوں۔ سرِدست آپ یہ اطمینان رکھیں کہ اگر اب نہیں تو اس مہم کے خاتمے پر آپ کے گاؤں ضرور جائیں گے۔"

رنبیر کے لیے عبدالواحد کے چہرے کا خلوص اس کے الفاظ سے کہیں زیادہ موثر تھا۔

عبدالواحد نے رام ناتھ کی طرف متوجہ ہو کر سوال کیا "یہ ممکن ہے کہ سلطانِ معظم آپ کو بھی باریابی کا موقع دیں اور گوالیار، کالنجر اور قنوج کی فوجی قوت کے متعلق آپ سے سوالات پوچھیں۔ اگر آپ کسی سوال کا جواب دینا اپنے ضمیر کے خلاف سمجھیں تو بے شک جواب نہ دیں۔ آپ کو مجبور نہیں کیا جائے گا لیکن کوئی غلط جواب نہ دیں۔ کیونکہ سلطان کی معلومات آپ کی نسبت بہرحال زیادہ ہوں گی۔ میں یہ اس لیے کہہ رہا ہوں کہ آپ رنبیر کے دوست ہیں۔"

رام ناتھ نے کہا "رنبیر کے دوست کی حیثیت سے میں بھی آپ کی کشتی میں

سوار ہو چکا ہوں لیکن مجھے ڈر ہے کہ کہیں سلطان میری صاف گوئی پر برہم نہ
فرض کیجیے اگر میں یہ کہہ دوں کہ صرف کالنجر کا راجہ آپ کے ہر سپاہی کے مقابلے میں
سپاہی میدان میں لاسکتا ہے اور سلطان اگر قنوج کے بعد کالنجر کا رخ کرنا چاہتا
ہے تو اس کا ہر قدم فتح کی بجائے تباہی کی طرف ہوگا تو اس ملاقات کے بعد مجھے
کتنی دیر زندہ رہنے کی اجازت دی جائے گی؟"

عبدالواحد مسکرایا۔ "اس بارے میں تمھیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں
میں یہ کہہ چکا ہوں کہ سلطان کی معلومات تمھاری معلومات سے زیادہ ہوں گی۔ ایک
اور دس کی نسبت سلطان کو پریشان نہیں کر سکتی۔ شہباز جب پرواز کے لیے پر
کھولتا ہے تو وہ کبوتروں اور مرغابیوں کی تعداد سے مرعوب نہیں ہوتا۔ معاف کیجیے
میں ہندی سپاہیوں کو حقیر نہیں سمجھتا۔ میں راجپوتوں کی بہادری کا معترف ہوں لیکن
ہماری فتح کا راز اس اصول کی برتری میں ہے جو زمانے کے ہر اصول پر حاوی ہے۔
ہم اپنی تلواروں کی تیزی اور بازوؤں کی طاقت سے زیادہ اپنے ضمیر کی روشنی کو
اپنی فتوحات کا ضامن سمجھتے ہیں۔ ہماری طاقت کا سرچشمہ اسلام ہے۔ جب تک
ہمارا مقصد ہماری آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوتا ہمارا ہر قدم فتح کی طرف اٹھے گا۔
جو لوگ کل ہمارے راستے میں کھڑے تھے، آج ہمارے جھنڈے تلے لڑ رہے
ہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ کل قنوج، گوالیار اور کالنجر کے سپاہی ہمارے رفیق
نہیں ہوں گے؟"

عبدالواحد کی گفتگو کے دوران میں فوج کے چند افسر اس کے گرد جمع ہو گئے
تھے۔ ایک ترک جرنیل چند افسروں کے ساتھ باتیں کرتا ہوا اس طرف آ نکلا اور عبدالواحد
کو دیکھ کر تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔ ایک افسر نے عبدالواحد کو
جرنیل کی طرف متوجہ کیا اور وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

ترک جرنیل نے کسی تمہید کے بغیر کہا۔ "میں آپ کو دیر سے تلاش کر رہا تھا۔ مجھے
معلوم ہوا ہے کہ وہ دو سوار جنھوں نے ہمارے آٹھ جوانوں کو دریا عبور کرنے کے بعد
دشمن کے تیراندازوں سے بچایا تھا، ہندی تھے۔ ایک نوجوان نے مجھے بھی ہاتھی
کے پاؤں تلے روندے جانے سے بچایا تھا۔ شاید آپ کو ان کا پتہ ہو۔ میں ان کا
شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔" اچانک اس کی نگاہ رنبیر پر پڑی اور اس نے کہا۔
"اگر میں غلطی نہیں کرتا تو وہ تم ہی تھے۔"

ترک جرنیل نے رنبیر کے جواب کا انتظار کیے بغیر اس کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔
اور گرم جوشی سے مصافحہ کرنے کے بعد رام ناتھ کی طرف متوجہ ہوا۔ "اچھا تو یہ تمھارا
ساتھی ہے۔" پھر عبدالواحد کی طرف دیکھ کر بولا۔ "مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ ان نوجوانوں
کو ہمارے یہاں پہنچنے سے پہلے ہی دریا کے پار بھیج چکے ہیں۔"

عبدالواحد نے جواب دیا۔ "یہ میرے دستوں سے تعلق نہیں رکھتے۔ ان میں
سے ایک قنوج کے رہنے والے ہیں اور دوسرے گوالیار سے آئے ہیں۔ حالات
نے ان دونوں کو ہمارا رفیق بنا دیا ہے۔"

"پھر تو مجھے ان کا اور زیادہ شکر گزار ہونا چاہیے۔" یہ کہتے ہوئے جرنیل نے
رنبیر اور رام ناتھ سے دوبارہ مصافحہ کیا اور اپنے خیمہ کی طرف چل دیا۔
"میں تھوڑی دیر تک آتا ہوں۔" یہ کہہ کر عبدالواحد تیزی سے قدم اٹھاتا ہوا
جرنیل کے ساتھ چلا گیا۔

(۴)

اگلی صبح رنبیر اور رام ناتھ، سلطان محمود کے خیمے کے سامنے کھڑے تھے۔
عبدالواحد رات کے وقت انھیں یہ بتا چکا تھا کہ سلطان معظم نے صبح کی نماز کے

بعد فوج کے اعلیٰ عہدیداروں کا اجلاس بلایا ہے اور اس سے فارغ ہونے کے
بعد وہ آپ سے ملاقات کریں گے۔

رنبیر اور رام ناتھ دیر تک باہر کھڑے رہے۔ بالآخر اُمراء کی مجلس برخاست
ہوئی اور وہ سلطان کے خیمے سے نکل کر اپنی اپنی قیام گاہ کی طرف چل دیے۔ ایک
افسر خیمے سے نکلتے ہی سیدھا رنبیر اور رام ناتھ کی طرف بڑھا اور اُن کے قریب آ
کر بولا "سلطان معظم ابھی تمہیں ملاقات کے لیے بلائیں گے۔ عبدالواحد ابھی تک
خیمے کے اندر ہے۔"

یہ وہی ترک جرنیل تھا جو ایک دن قبل رنبیر اور رام ناتھ کی طرف دوستی کا
ہاتھ بڑھا چکا تھا۔ رنبیر اس کے ساتھ باتیں کر رہا تھا کہ عبدالواحد خیمے سے باہر نکلا
اور اس نے قریب آ کر کہا "آئیے۔"

رنبیر اور رام ناتھ عبدالواحد کے پیچھے کمرے میں داخل ہوئے۔ سلطان خیمے
کے درمیان کھڑا تھا اور اس کے دائیں ہاتھ ایک کاتب قالین پر بیٹھا کچھ لکھ رہا
تھا۔ رنبیر اور رام ناتھ ہندو رسم کے مطابق ہاتھ باندھ کر آداب بجا لائے اور سر
جھکا کر کھڑے ہو گئے۔

عبدالواحد نے فارسی زبان میں کہا "عالی جاہ! یہ رنبیر ہے اور یہ رام ناتھ
ہیں ان دونوں کے متعلق آپ کی خدمت میں عرض کر چکا ہوں۔"

سلطان نے رنبیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا "تو یہ وہ نوجوان ہے
جو ہماری قید میں تھا۔"

"ہاں عالی جاہ!" عبدالواحد نے جواب دیا "قید کے زمانے میں یہ ہماری
زبان سیکھ چکا ہے۔"

سلطان نے براہِ راست رنبیر سے مخاطب ہو کر کہا "نوجوان میں نے تمہاری

سرگزشت سنی ہے اور تمہاری بہن کی تلاش اپنے فرائض میں شامل کر چکا
ہوں۔"

رنبیر نے تشکر کے جذبات سے مغلوب ہو کر سلطان کی طرف دیکھا اور دوبارہ
گردن جھکاتے ہوئے کہا "عالی جاہ! مجھے یہی اُمید تھی۔"

سلطان نے عبدالواحد کی طرف متوجہ ہو کر کہا "عبدالواحد اگر تمہیں یقین ہے
کہ تم اپنی مہم سے فارغ ہو کر بروقت ہمارے ساتھ آ ملو گے تو آج ہی روانہ ہو جاؤ۔
باقی فوج بھی بہت جلد پہنچ جائے گی اور میں کسی تاخیر کے بغیر یہاں سے قنوج کا رُخ
کروں گا۔"

عبدالواحد نے جواب دیا "عالی جاہ! آپ مجھے اپنے راستے میں منتظر پائیں
گے۔"

سلطان نے رام ناتھ کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا "اور میں تمہارے لیے کیا کر سکتا
ہوں؟"

رام ناتھ کی خاموشی پر عبدالواحد نے ترجمان کے فرائض ادا کرتے ہوئے کہا۔
"عالی جاہ! یہاں پہنچنے سے قبل یہ نوجوان گوالیار کے راجہ کی فوج میں ملازم تھا۔
اس کے باپ کو سومنات کے پجاریوں نے قتل کیا تھا اور یہ ایک پجاری کو موت
کے گھاٹ اتارنے کے بعد اس ملک کے ہر ہندو کو اپنا دشمن بنا چکا ہے۔"

"سومنات" کا لفظ سُن کر سلطان زیادہ دلچسپی کے ساتھ رام ناتھ کی طرف
دیکھنے لگا اور اُس نے قدرے توقف کے بعد سوال کیا "تم نے سومنات کا مندر
دیکھا ہے؟"

رام ناتھ نے جواب دیا "نہیں عالی جاہ! میرا گاؤں گوالیار میں سومنات کے
مندر کی جاگیر کا حصہ ہے اور سومنات کے پجاریوں نے میرے پتا کو لگان ادا نہ

کرنے کے جرم میں قتل کیا تھا۔"

سلطان نے کہا "میں نے سنا ہے کہ باقی ریاستوں کے حکمرانوں نے بھی
کے مندر کو بڑی بڑی جاگیریں عطا کر رکھی ہیں۔"

"ہاں عالی جاہ! سومنات ایک مندر نہیں بلکہ ایک سلطنت ہے ہند
کی سب سے بڑی سلطنت۔ سومنات کا پروہت ہندوستان کے ہر حکمران
خراج وصول کرتا ہے۔ راجے اور مہاراجے اس کے قدموں میں سر جھکا
ہیں۔"

"اس کی وجہ؟" سلطان نے سوال کیا۔

"اس کی وجہ سومنات کے پجاریوں کی طاقت اور دولت ہے اور ہمیں طا
اور دولت کی پوجا کرنا سکھایا گیا ہے۔"

سلطان مسکرایا۔ "میں نے سنا ہے سومنات کے پجاری یہ کہتے ہیں کہ میرا
فتوحات کی وجہ صرف یہ ہے کہ دوسرے مندروں کے بتوں اور ان کے پجا
سے سومنات کا بت خفا ہو چکا ہے؟"

"ہاں عالی جاہ! وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جب آپ سومنات کی طرف بڑے
سے بڑھیں گے تو آپ کا ہر قدم فتح کی بجائے تباہی کی طرف ہو گا۔"

"میں یہ بھی سن چکا ہوں اور یہ میرے لیے ایک دعوت ہے لیکن کیا
کے پجاریوں کی خود اعتمادی کا باعث یہ نہیں کہ وہ مجھ سے دور رہے ہیں؟"

رام ناتھ نے جواب دیا "عالی جاہ! اگر آپ خفا نہ ہوں تو میں یہ کہوں گا کہ
کی خود اعتمادی کی وجہ صرف یہی نہیں۔ اگر وہ محض اپنی قوت کے بل بوتے
سومنات کو ناقابلِ تسخیر سمجھیں تو اسے اُن کی نادانی یا حماقت نہیں سمجھنا چاہیے
یہ یقین ہے کہ سومنات کی مورتی کی حفاظت کے لیے گنگا اور جمنا کے میدانوں

ہے کر جنوبی ہندوستان کے آخری کونے تک تمام راجے اور سردار جمع ہو جائیں گے۔
سومنات کے دیوتا کی بدولت فتح کی اُمید لاکھوں انسانوں کو مندر کی چار دیواری
کے نیچے جانیں دینے پر آمادہ کر دے گی۔"

سلطان نے کہا "اور وہ دن پتھر کی مورتیوں پر انسان کے اعتماد کا آخری دن
ہوگا، پھر سومنات کے کھنڈروں سے وہ انسانیت نمودار ہو گی جو اپنے معبودِ حقیقی
کو پہچان سکے گی۔ سومنات کفر کی تاریکیوں کا آخری مسکن ہے اور تاریکیوں کے
آغوش میں آنکھ کھولنے والے یقیناً اس کی حفاظت کے لیے آئیں گے لیکن وہ
ہمارا راستہ نہیں روک سکتے۔ میں اس دن کے لیے زندہ رہنا چاہتا ہوں اور شاید
وہ دن دور نہ ہو۔" سلطان بظاہر رام ناتھ سے مخاطب تھا لیکن ایسا معلوم ہوتا
تھا کہ وہ اپنے آپ سے ہم کلام ہے۔ عبدالواحد نے اس مرحلہ پر مترجم کے فرائض
ادا کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔

"سومنات بتوں کا آخری مسکن۔ سومنات تاریکیوں کی آماجگاہ۔"

سلطان نے قدرے توقف کے بعد دبی زبان سے یہ الفاظ دہرائے اور
عبدالواحد کی طرف متوجہ ہو کر کہا "عبدالواحد! اب تم جا سکتے ہو اور دیکھو جب
تک یہ نوجوان ہمارے مہمان ہیں۔ ان کا ہر طرح خیال رکھا جائے۔"

خیمے سے باہر نکلتے ہی رنبیر نے عبدالواحد سے سوال کیا "آپ کون سی مہم
[illegible] رہے ہیں؟"

"تمھیں معلوم نہیں؟" اس نے جواب دیا۔

"آپ کا مطلب ہے کہ آپ ......؟"

"ہاں!" عبدالواحد نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا "ہم تمھارے
[illegible] جا رہے ہیں۔"

رنبیر کی واپسی

طلوعِ آفتاب کے ساتھ چرواہے اپنے ریوڑ اور کسان اپنے ہل چھوڑ کر دا
اپنے گاؤں کی طرف بھاگے اور انھوں نے یہ خبر سنائی کہ جنگل کی طرف سے ایک
فوج آرہی ہے۔ تھوڑی دیر بعد رنبیر، عبدالواحد اور پانچ سو سواروں کے ہمراہ گاؤں
میں داخل ہوا۔ جے کرشن کے سپاہیوں نے لڑنے کی بجائے بھاگنا بہتر خیال کیا
اور رنبیر نے ایک قطرۂ خون بہائے بغیر اپنے گاؤں پر قبضہ کر لیا۔ گاؤں کے کسان
اور چرواہوں میں سے بعض نے خوفزدہ ہو کر اپنے گھروں کے دروازے بند کر لیے
اور بعض ادھر ادھر بھاگ نکلے۔ حملہ آور چند آدمیوں کو گھیر کر رنبیر کے پاس لے
آئے۔ ان میں سے بعض نے رنبیر کو دیکھتے ہی پہچان لیا۔ رنبیر نے انھیں تسلی دیتے
ہوئے کہا "تمھیں کوئی خطرہ نہیں۔ میرا مقصد تمھیں جے کرشن کے مظالم سے نجات
دلانا ہے۔ تم جاؤ اور باقی آدمیوں کو بھاگنے سے منع کر دو۔"

اس کے بعد حملہ آور فوج نے محل کا رُخ کیا۔ محل کے پہریداروں کی اکثریت
سلطان محمود کی فوج کی آمد کی اطلاع ملتے ہی راہِ فرار اختیار کر چکی تھی۔ چند آدمی
دروازوں کی حفاظت کے لیے کھڑے لیکن جب حملہ آور چار دیواری پھاند کر

اندر داخل ہونے لگے تو انھوں نے مقابلہ کرنا بے سود سمجھ کر ہتھیار ڈال دیے۔
عبدالواحد باقی فوج کو باہر ٹھہرنے کا حکم دے کر رنبیر، رام ناتھ اور اپنے چند افسروں
کے ساتھ محل کے اندر داخل ہوا۔ اس نے دہشت زدہ پہریداروں کو تسلی دیتے
ہوئے کہا "ہتھیار ڈالنے کے بعد تم ہماری پناہ میں آ چکے ہو۔ میں وعدہ کرتا ہوں
کہ تم پر کوئی سختی نہیں کی جائے گی۔ ہم صرف تمھارے سردار کو تلاش کرنا چاہتے
ہیں۔ وہ کہاں ہے؟"

"سردار یہاں نہیں ہے۔ وہ یہاں سے آٹھ کوس پر ایک دوسرے گاؤں گیا
ہوا ہے۔"

عبدالواحد نے رنبیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "آپ تسلی کر لیں۔"

رنبیر نے پہریدار سے سوال کیا "مکان کے اندر کتنے آدمی ہیں؟"

"اندر سردار کی بیوی اور لڑکی کے علاوہ صرف دو نوکرانیاں ہیں۔"

"میں ابھی آتا ہوں۔" رنبیر یہ کہہ کر رہائشی مکان کی طرف بڑھا۔ عبدالواحد
نے رام ناتھ اور تین اور سپاہیوں کو ہاتھ سے اشارہ کیا اور وہ رنبیر کے پیچھے
ہو لیے۔

نچلی منزل کے تمام کمرے خالی تھے۔ بالائی منزل کی سیڑھی کا دروازہ بند
تھا۔ رنبیر نے دروازے کو دھکا دیتے ہوئے کئی مرتبہ آوازیں دیں لیکن کوئی جواب
نہ ملا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو دروازہ توڑنے کا حکم دیا۔ چار آدمیوں نے مل
کر دروازے کو زور سے دھکیلا۔ اچانک اندر سے کنڈی ٹوٹ گئی اور کواڑ پھٹ
سے کھل گئے۔ رنبیر بھاگتا ہوا سیڑھیوں پر چڑھنے لگا۔ رام ناتھ اور باقی تین آدمی
اس کے پیچھے ہو لیے۔ بالائی منزل کے کونے کے ایک کمرے کا دروازہ اندر
سے بند تھا۔ رنبیر کواڑ پر زور زور سے ہاتھ مارتے ہوئے چلایا "دروازہ کھولو،

ورنہ ہم توڑ ڈالیں گے۔"

اچانک اندر سے عورتوں کی چیخ پکار سنائی دی۔ ایک عورت بلند
سے چلائی۔ "کیا کر رہی ہو نرملا۔ بھگوان کے لیے ایسا نہ کرو۔ پکڑو اسے تم کیا
رہی ہو۔"

"نہیں نہیں"۔ دوسری عورت کی آواز آئی۔ "وہ صرف میری لاش کو ہاتھ لگا
سکیں گے۔ مجھے چھوڑ دو، مجھے مرنے دو۔"

"نرملا! ہوش میں آؤ بیٹی، بھگوان کے لیے ایسا نہ کرو۔"

رنبیر کے اشارے سے اس کے ساتھیوں نے دھکا دے کر دروازہ توڑ دیا
رنبیر بھاگ کر اندر داخل ہوا۔ اسے عورتوں کی چیخ پکار کی وجہ معلوم کرنے میں
نہ لگی۔ ایک نوجوان لڑکی کھڑکی سے باہر کودنے کی کوشش کر رہی تھی اور تین
عورتیں اسے بازوؤں سے پکڑ کر اندر کھینچ رہی تھیں۔ رنبیر کے اندر داخل ہوتے
ہی اس لڑکی نے اپنا ایک بازو چھڑا لیا اور دوسرا بازو چھڑانے کی کوشش کی
رنبیر نے بھاگ کر لڑکی کا بازو پکڑ لیا اور اسے اندر کھینچ لیا۔ عورتوں کی چیخ پکار
ایک دم بند ہو گئی اور نوجوان لڑکی چند ثانیے اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش
کرنے کے بعد رنبیر کے مضبوط ہاتھوں کی گرفت میں بے بس ہو کر رہ گئی۔

رنبیر نے کہا۔ "تم ہر انسان کو جے کرشن سمجھنے کی غلطی نہ کرو۔ اس مکان
چار دیواری میں عورتوں کو کوئی خطرہ نہیں۔"

لڑکی نے گردن اٹھائی اور اُس کی نگاہیں رنبیر کے چہرے پر مرکوز ہو کر
گئیں۔ "تم!" اس نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔ "رنبیر!"

"ہاں!" رنبیر نے اُسے اپنی گرفت سے آزاد کرتے ہوئے کہا۔

عمر رسیدہ عورت نے آگے بڑھ کر کہا۔ "بھگوان کے لیے ہم پر دیا

میری بچی نے تمہارا کچھ نہیں بگاڑا۔ اگر تم معاف نہیں کر سکتے تو ہمیں اپنے ہاتھوں
سے مار ڈالو لیکن ہمیں غیروں کے حوالے نہ کرو۔"

"تم میری پناہ میں ہو اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں کوئی خطرہ نہیں۔ مکان
کے اس حصے میں تمہاری اجازت کے بغیر کوئی داخل نہیں ہوگا۔" رنبیر یہ کہہ کر
کمرے سے باہر نکل آیا۔

(۲)

رہت کی جنگ میں ترلوچن پال کی شکست اور قنوج کی طرف سلطان محمود کی
پیش قدمی کی خبر ملک کے طول و عرض میں مشہور ہو چکی تھی۔ جے کرشن کے گاؤں
کے جنوب میں کوئی آٹھ دس کوس کے فاصلے پر اردگرد کے تمام سردار علاقے
کے پروہت کے گاؤں میں جمع ہو کر اپنی حفاظت اور راجہ کو مدد دینے کی تجاویز
پر بحث کر رہے تھے۔

سرداروں کا یہ اجلاس ایک عالیشان مندر سے باہر کھلے صحن میں ہو رہا
تھا۔ پروہت اس بات پر زور دے رہا تھا کہ ہر سردار اپنے سپاہیوں کو تین مساوی
حصوں میں تقسیم کرے۔ ایک حصہ وہ اپنے علاقے کی حفاظت کے لیے چھوڑ
دے، ایک حصہ اس مندر کی حفاظت کے لیے بھیج دے اور باقی سپاہیوں کی
ایک فوج فوراً راجہ کی مدد کے لیے روانہ کی جائے۔

جے کرشن نے اس تجویز کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں اپنی قوت کو
اس طرح منتشر نہیں کرنا چاہیے۔ ہمیں اپنی مجموعی فوج کا تیسرا حصہ فوراً راجہ کی
مدد کے لیے بھیج دینا چاہیے لیکن باقی تمام سپاہیوں کو شمالی سرحد کی حفاظت
کے لیے بھیج دینا چاہیے۔ اگر سرحد محفوظ ہے تو اس مندر اور ہماری بستیوں

کو کوئی خطرہ نہیں اور اگر دشمن کے چند دستے سرحد عبور کر کے اس طرف آ
ہم کئی حصّوں میں تقسیم ہونے کے باعث ان کا راستہ نہیں روک سکیں گے۔
دشمن صرف شمال سے آ سکتا ہے اس لیے ہمیں اب باقی تمام قوّت سرحد پر
کر دینی چاہیے۔"

ایک عمر رسیدہ سردار نے اُٹھ کر کہا "آپ یہ مشورہ اس لیے دیتے ہیں کہ
آپ کا گاؤں سرحد کے زیادہ قریب ہے۔ آپ کی یہ خواہش ہے کہ ہم نہ تو راجہ
مندر کی فکر کریں اور نہ اپنے گھروں کی بلکہ سب کچھ چھوڑ کر آپ کے گاؤں کی حفاظت
کے لیے جمع ہو جائیں۔ ہم سب یہ جانتے ہیں کہ دشمن کا سب سے پہلا مقصد باری
اور قنوج کو فتح کرنا ہے اور ہمارا علاقہ اس کے راستے سے بہت دور ہے۔ قنوج اور
باری کو بچانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم اپنی فوج کا ہر سپاہی راجہ کی مدد
کے لیے بھیج دیں۔ اگر ہمارا راجہ سلامت ہے تو ہمارے گھروں کو کوئی خطرہ
نہیں اور اگر اُسے شکست ہو گئی تو ہم سب کچھ کھو بیٹھیں گے۔ اس لیے
میری تجویز یہ ہے کہ ہمیں اپنے تمام سپاہیوں کے ساتھ راجہ کی مدد کے لیے
پہنچ جانا چاہیے۔"

جے کرشن نے غصّے سے کانپتے ہوئے جواب دیا "تم میں سے کوئی مجھے
بزدلی کا طعنہ نہیں دے سکتا اور نہ کوئی یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ وہ مجھ سے بڑھ کر
راجہ کا وفادار ہے۔ میرا مقصد صرف یہ تھا کہ ہم اپنے تمام سپاہی بھیجنے سے پہلے
یہ معلوم کر لیں کہ دشمن کا رُخ کس طرف ہے۔ جب ہمیں یہ معلوم ہو جائے گا کہ دشمن
کا لشکر سیدھا قنوج یا باری کا رُخ کر رہا ہے اور اس کی فوج کے کسی حصّے کے
اس طرف آنے کا کوئی امکان نہیں تو ہم اپنے باقی تمام سپاہیوں کا رُخ بھی اس
طرف پھیر دیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ اس دفعہ اگر دشمن نے ان شہروں کا رُخ کیا تو

ہمارا راجہ تنہا نہیں ہوگا۔ کالنجر، گوالیار اور آس پاس کے تمام راجاؤں کی فوج اس
کی مدد کے لیے پہنچ جائے گی۔"

عمر رسیدہ سردار نے اُٹھ کر جواب دیا "لیکن ہم چند دن انتظار کیوں کریں۔ آپ
یہ کیوں سوچتے ہیں کہ دشمن کی فوج کا کوئی حصّہ اس طرف ضرور آئے گا۔ کیا اس کی
وجہ یہ تو نہیں کہ سردار موہن چند کے بیٹے اور اس کی ان دیکھی فوج کا خوف ابھی
تک آپ کے دل پر سوار ہے؟"

چند بڑے بڑے سردار اس پر ہنس پڑے لیکن حاضرین کی اکثریت ایسے
لوگوں پر مشتمل تھی جو ایک قہقہے کے عوض عمر بھر کے لیے جے کرشن کا عتاب مول
لینے سے گھبراتے تھے۔ عام حالات میں جے کرشن ایسا مذاق برداشت کرنے کا عادی
نہ تھا لیکن یہ صورت عام حالات سے مختلف تھی۔ وہ پرلے درجے کا جلد باز ہونے
کے باوجود کسی کی گالی کا جواب دینے سے پہلے اس کی قوت کا اندازہ کرنے کا
عادی تھا اور یہ عمر رسیدہ سردار جس نے بھری محفل میں اس کا مذاق اڑانے کی
کوشش کی تھی۔ سارے علاقے میں غیر معمولی اثر و رسوخ کا مالک تھا۔

جے کرشن نے انتہائی ضبط سے کام لیتے ہوئے کہا "آپ عمر میں مجھ سے
بڑے ہیں۔ اس لیے میں آپ کی ہر گالی برداشت کر سکتا ہوں لیکن میں آپ کو
یقین دلاتا ہوں کہ جب آپ تمام سپاہیوں کے ساتھ راجہ کی مدد کے لیے
روانہ ہوں گے تو مجھے ہر منزل پر اپنے آگے پائیں گے۔"

اچانک کہیں پاس ہی چند گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دی اور حاضرینِ مجلس
اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد مندر کے صحن کے سامنے آٹھ سوار نظر
آئے۔ جے کرشن نے انھیں دیکھتے ہی پہچان لیا۔ یہ سب اس کے نوکر تھے
ہرپالے لال سب سے آگے تھا۔ وہ گھوڑا روک کر اپنے سردار کی طرف دیکھنے

ہی چلایا۔ "مہاراج! مہاراج!! اندھیر ہوگیا۔ مسلمانوں کی فوج ہمارے گاؤں پر
قبضہ کرچکی ہے اور زنبیر اُن کے ساتھ ہے۔"

حاضرینِ مجلس چند ثانیے مبہوت ہوکر ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے
پھر آہستہ آہستہ ان کی زبانیں حرکت میں آنے لگیں۔ چند آدمی اُٹھ کر پیارے لال
اور اس کے ساتھیوں کے گرد جمع ہوگئے۔ "وہ کب آئے؟ وہ کتنے ہیں؟ تم نے
انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے؟ کسی نے تمھارے ساتھ مذاق کیا ہوگا۔ یہ نہیں
ہوسکتا ہے، یہ ناممکن ہے۔"

اور پیارے لال اپنے ساتھیوں کو ان سوالات کے جواب کا موقع دینے کی
بجائے بلند آواز سے چلا رہا تھا۔ "آپ سب میرا مذاق اڑایا کرتے تھے اور اب
وہ آگئے ہیں، وہ اب کسی کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ ان کی فوج کا کوئی شمار نہیں
آس پاس کی تمام بستیاں خالی ہوچکی ہیں۔ تھوڑی دیر میں وہ یہاں بھی پہنچ
جائیں گے۔ اس ملک کا کوئی کونہ ان سے محفوظ نہیں۔"

جے کرشن سکتے کے عالم میں کھڑا تھا۔ اس کے چہرے کا رنگ اڑ چکا
تھا۔ آن کی آن میں تمام سردار وہاں سے رفوچکر ہوگئے۔ پیارے لال اپنے
گھوڑے سے اترا اور آگے بڑھ کر جے کرشن کا بازو جھنجھوڑتے ہوئے بولا
"مہاراج! اپنی جان بچائیے، زنبیر ان کے ساتھ ہے، میں نے اسے اپنی آنکھوں
سے دیکھا ہے۔ وہ محل پر قبضہ کرچکے ہیں۔ مہاراج! جلدی کیجیے۔"

(۳)

دن کے تیسرے پہر گاؤں کے قریباً ڈیڑھ سو آدمی محل کے دروازے پر
جمع ہوچکے تھے۔ آس پاس کی چھوٹی چھوٹی بستیوں کے کسان بھی زنبیر کی

آمد کی اطلاع پاکر جوق در جوق محل کا رُخ کر رہے تھے۔

زنبیر عبدالواحد کے ساتھ محل کے دروازے سے باہر نکلا تو اُسے دیکھتے ہی
اس کے باپ کے پرانے وفادار آگے بڑھ بڑھ کر اس کے پاؤں چھونے لگے۔ ان
لوگوں میں وہ نوجوان بھی تھے جنھوں نے چند ماہ قبل زنبیر کی جان بچائی تھی اور
زنبیر یکے بعد دیگرے ان کے ساتھ بغلگیر ہو رہا تھا۔ زنبیر کے باپ کے چند جاں نثاروں
نے مطالبہ کیا کہ شکنتلا کا انتقام جے کرشن کی بیوی اور بیٹی سے لیا جائے لیکن زنبیر
نے انھیں یہ کہہ کر خاموش کردیا کہ میں جے کرشن کے جرم کی سزا اس کی بیوی
اور بیٹی کو نہیں دے سکتا۔ میں بے بس عورتوں پر ہاتھ اٹھانے کا مشورہ دینے والوں
کو اپنا دوست نہیں سمجھتا۔ وہ میری پناہ میں ہیں اور اُن کی حفاظت میرا فرض ہے۔"

عبدالواحد نے کہا۔ "میرے دوست اب یہاں میرا کام ختم ہوچکا اور میں
آج زنبیر کے بغیر یہاں سے کوچ کرنا چاہتا ہوں۔ پہلے میرا خیال تھا کہ اپنے چند
آدمی تمھارے پاس چھوڑ جاؤں لیکن اب میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ تمھیں میری
اعانت کی ضرورت نہیں۔ مجھے امید ہے کہ آس پاس کے سردار بھی تمھارے
ساتھ ہو جائیں گے۔ تم انھیں یہ بتا سکتے ہو کہ اس مہم سے فارغ ہونے کے
بعد سلطان کی پوری فوج اس راستے سے گزرے گی۔ جو لوگ تمھارے دوست
ہوں گے ان کے ساتھ ہمارا سلوک بھی دوستانہ ہوگا۔ میں رخصت ہونے سے
پہلے ایک بار پھر یہ مشورہ دیتا ہوں کہ عفو اور درگزر انتقام سے بہتر ہے۔ میں
تم سے دوبارہ ملنے کی امید پر رخصت ہوتا ہوں۔"

زنبیر کے ساتھ مصافحہ کرنے کے بعد عبدالواحد رام ناتھ کی طرف ہاتھ
بڑھاتے ہوئے بولا۔ "رام ناتھ! ابھی تمھاری منزل بہت دور ہے اور مجھے اُن
دشواریوں کا احساس ہے جو تمھاری راہ میں حائل ہیں لیکن تمھیں مایوس نہیں ہونا

چاہیے۔ امید کا دامن تھامے رہو اور وقت کا انتظار کرو۔"

تھوڑی بعد عبدالواحد اور اس کے ساتھ آنے والے سوار جنوب کی طرف روانہ ہو رہے تھے اور رنبیر اور رام ناتھ لوگوں کے ہجوم میں گاؤں سے باہر انھیں گرد و غبار کے بادلوں میں روپوش ہوتا دیکھ رہے تھے۔ گاؤں والے کہہ رہے تھے "اس فوج کا سردار تو دیوتا معلوم ہوتا ہے۔"

(۴)

عبدالواحد کا قیاس صحیح ثابت ہوا۔ چند دن کے بعد کسانوں اور چرواہوں کی طرح علاقے کے سردار بھی رنبیر کے گرد جمع ہونے لگے۔ یہ خبر دور دور مشہور ہو چکی تھی کہ سلطان محمود رنبیر کی پشت پر ہے اور جب واپسی پر سلطان کی فوج اس راستے سے گزرے گی تو صرف وہی لوگ محفوظ ہوں گے جو رنبیر کی نظر میں قابل رحم ہوں گے۔ چنانچہ رنبیر کی دوستی کو اپنی حفاظت کا ضامن سمجھ کر لوگ اس کی آمد پر خوشی کا اظہار کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ہر سردار جے کرشن کے خلاف انتہائی نفرت کا اظہار کرتا تھا اور بعض سردار رنبیر کے پاس آنے سے پہلے اس کے سامنے اپنی وفاداری کا عملی ثبوت پیش کرنے کے لیے انتہائی شد و مد کے ساتھ جے کرشن کی تلاش شروع کر چکے تھے۔ انھوں نے اس کی گرفتاری کے لیے انعامات کا اعلان بھی کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ علاقے بھر میں رنبیر کی بہن شکنتلا کی تلاش شروع ہو چکی تھی۔

وہ سردار جو جے کرشن کی دوستی کے باعث زیادہ بدنام ہو چکے تھے جنھیں رنبیر سے کسی نیک سلوک کی توقع نہ تھی۔ سرحد عبور کر کے دور

پاٹنوں میں پناہ لے چکے تھے۔

رنبیر کے پاس جو لوگ آتے تھے وہ ان سے بظاہر خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آتا تھا لیکن جب اُسے رام ناتھ کے ساتھ تنہائی میں باتیں کرنے کا موقع ملتا تو وہ اکثر یہ کہا کرتا تھا "رام ناتھ! مجھے اُن میں سے کسی کے متعلق غلط فہمی نہیں۔ یہ سب چڑھتے سورج کی پوجا کرنے والے ہیں۔ میرا باپ انھی لوگوں کے سامنے قتل کیا گیا تھا اور پھر جب مجھ پر مصیبت آئی تھی تو یہ لوگ جے کرشن کو خوش کرنے کے لیے میری تلاش میں مارے مارے پھرتے تھے۔ آج یہ سب میرے دوست ہیں تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ جے کرشن بازی ہار چکا ہے۔"

شکنتلا کے متعلق رنبیر کی بے قراری میں آئے دن اضافہ ہو رہا تھا۔ وہ چند سواروں کے ہمراہ علی الصباح باہر نکل جاتا اور میلوں اِدھر اُدھر گھومتا رہتا۔ راستے کی بستیوں کے لوگ اس کے ساتھ ہو لیتے۔ شام کے وقت وہ تھکا ماندہ اپنے دل کو یہ تسلیاں دیتا ہوا گھر لوٹتا کہ شکنتلا گاؤں کے تازہ حالات سے باخبر ہوتے ہی گھر پہنچنے کی کوشش کرے گی۔ ممکن ہے کہ آج جب میں گھر پہنچوں تو وہ دروازے پر کھڑی میرا انتظار کر رہی ہو لیکن محل کے اندر پاؤں رکھتے ہی اس کا دل بیٹھ جاتا۔ عام طور پر ہر روز علاقے کے دو چار باثر آدمی اس کے دیوان خانے میں موجود ہوتے اور وہ یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتے کہ وہ شکنتلا کے بارے میں کم پریشان نہیں۔

جے کرشن کی بیٹی نرملا کے بارے میں رنبیر کا طرزِ عمل علاقے کے ہر آدمی کی توقع کے خلاف تھا۔ حملے کے روز اُن سے ملاقات کے بعد اس نے دوبارہ انھیں دیکھنے کی کوشش نہ کی۔ رہائشی مکان کا بالائی حصہ ان کے لیے وقف تھا اور نوکروں کو بن بلائے اس طرف جانے کی اجازت نہ تھی۔ رنبیر اور رام ناتھ نچلی

منزل کے ایک کونے کے دو کمروں میں رہتے تھے اور ان کمروں میں آنے
کے لیے وہ صحن کی بجائے باہر کی طرف کھلنے والے برآمدے کا راستہ استعمال
کرتے تھے۔ صحن کی طرف کھلنے والے دروازے عام طور پر بند رہتے تھے
طرح رنبیر نے دو کمروں کے سوا باقی تمام محل نرملا، اس کی ماں اور ان کی
کے سپرد کر رکھا تھا۔ بیٹھک اور مہمانوں کے کمرے محل سے الگ صحن کے
حصے میں تھے۔

گاؤں پر قابض ہونے کے آٹھ دن بعد ایک شام رنبیر دن بھر ادھر اُدھر
گھوم کر واپس آرہا تھا کہ محل کے دروازے پر ایک سادھو دکھائی دیا۔ رنبیر نے
اُسے دیکھتے ہی پہچان لیا۔ یہ شمبوناتھ تھا۔

رنبیر نے اپنے دل کی دھڑکنوں پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے سوال
کیا "شکنتلا کا کچھ پتہ چلا؟"

شمبوناتھ نے مغموم نگاہوں سے رنبیر کی طرف دیکھا اور جواب دینے کی
بجائے اپنا سر ہلا دیا۔

(۵)

"میرے پتا کہاں ہیں؟ میرا اور میری ماں کا انجام کیا ہوگا؟" نرملا ہر وقت
ان سوالات کا جواب سوچا کرتی تھی۔ اس کے سامنے تاریکیوں کے سوا کچھ
نہ تھا۔ کبھی کبھی رنبیر کی صورت اس کی نگاہوں کے سامنے پھرنے اور اُسے
کی ہلکی سی روشنی دکھائی دینے لگتی۔ ایک عورت کی ذکاوتِ حس سے وہ رنبیر
کے دل کا راز اس کے چہرے پر دیکھ چکی تھی۔ پہلے دن جب وہ ایک اجنبی کی حیثیت
سے اس کے کمرے میں داخل ہوا تھا تو وہ اسے چور سمجھ کر ڈر گئی تھی لیکن
یہ موقع حالات میں بھی رنبیر کے خدوخال اُسے یہ اطمینان دلانے کے لیے کافی
تھے کہ وہ چور نہیں۔ پھر جب رنبیر کی باتوں سے اُسے یہ اطمینان ہوا کہ وہ موہن چند
کا بیٹا ہے تو اس کا اطمینان اچانک خوف میں تبدیل ہو گیا تھا اور وہ انتہائی اضطراب
کی حالت میں یہ سوچ رہی تھی کہ ابھی یہ حالات سے بے خبر ہے لیکن اگر اسے یہ
معلوم ہو جائے کہ میرا باپ اس کے باپ کا قاتل ہے تو میرا حشر کیا ہوگا لیکن اس
موقع پر بھی رنبیر کی صورت دیکھ کر وہ یہ محسوس کرتی تھی کہ زندگی کے بدترین
حادثات سے دوچار ہونے کے بعد بھی یہ نوجوان ایک عورت پر ہاتھ نہیں اُٹھا
سکتا۔ رنبیر اس کی نگاہ میں ایک شریف اور باوقار دشمن ہے۔ یہی وجہ تھی کہ
جب وہ گرفتار ہوا تھا تو اس نے اپنے باپ سے رحم کی التجائیں کی تھیں اور
جب وہ اُسے قتل کرنے کے لیے لے گئے تھے تو وہ اپنی زندگی میں پہلی بار جی
کھول کر روئی تھی۔ اسے اپنے باپ کے دشمن کی موت نہیں بلکہ ایک ایسے مرد
کی موت کا افسوس تھا جسے اس نے پہلی بار اس قدر قریب سے دیکھا تھا۔
اس کے بعد جب اسے یہ معلوم ہوا کہ وہ فرار ہو چکا ہے تو اپنے باپ کے
خوف و اضطراب کے باوجود وہ مسرور تھی۔ جب جے کرشن کے آدمی رنبیر
کی تلاش کر رہے تھے تو وہ محل کے ایک کمرے میں بھگوان کی مورتی کے سامنے
بیٹھ کر اس کی سلامتی کے لیے دعائیں مانگ رہی تھی۔

جس دن اُسے معلوم ہوا تھا کہ اس کی دُعائیں قبول ہو چکی ہیں۔ رنبیر بچ
نکلا ہے۔ وہ جانتی تھی کہ وہ ہمیشہ کے لیے جا چکا ہے اور وہ چاہتی بھی یہی
تھی۔ رنبیر کا ایک موہوم سا تصوّر اس کے دل پر چند نہ مٹنے والے نقوش۔
چھوڑ گیا تھا۔ کبھی کبھی یہ نقوش اس کے دل کی گہرائیوں تک جا پہنچتے اور وہ
سوچتی۔ اگر وہ موہن چند کا بیٹا نہ ہوتا اور اسی قسم کا کوئی حادثہ ہمیں چند

لمحات کے لیے ایک دوسرے کے قریب لے آتا تو کیا ہوتا؟ پھر
اپنے آپ کو ملامت کرنے لگتی۔

اب وہ رنبیر کے رحم و کرم پر تھی اور یہ محل اس کے لیے ایک [قید خانہ]
تھا۔ اس کی ماں کہا کرتی تھی کہ رنبیر اپنی بہن کے عوض ہمیشہ کے لیے ہمیں
قید میں رکھے گا۔ رنبیر کو اس بات کا بھی یقین ہو گا کہ تمہارا باپ ہماری [خاطر]
اس کے پاس ضرور آئے گا اور وہ اپنے باپ کا انتقام لے سکے گا لیکن [نرملا]
کے احساسات اپنی ماں سے مختلف تھے۔ وہ یہ ماننے کے لیے تیار [تھی کہ اس]
کے باپ کے لیے رنبیر کے دل میں رحم کی کوئی گنجائش نہیں ہو سکتی [لیکن وہ]
یہ ماننے کے لیے تیار نہ تھی کہ انتقام کے جوش میں وہ اپنے دشمن کی بیوی [اور بیٹی]
کو بھی قابلِ رحم نہیں سمجھے گا۔ وہ یہ محسوس کرتی تھی کہ رنبیر انھیں اگر قابلِ [عزت نہیں]
تو قابلِ رحم ضرور سمجھتا ہے۔ رنبیر کے طرزِ عمل بھی نرملا کے ان خیالات کی [تائید]
ہوتی تھی۔ اس نے دو کمروں کے سوا باقی سارا محل انھیں سونپ رکھا [تھا۔]
اس کے نوکر ان کی ضروریات کا خیال رکھتے تھے اور براہِ راست ان [سے مخاطب]
ہونے کی بجائے دروازے سے باہر نوکرانیوں کو آواز دے کر پوچھ لیا [کرتے تھے کہ]
گھر میں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔ انھیں کھانے پینے کی جو اشیا بھیجی [جاتیں]
وہ ہمیشہ ان کی ضرورت سے وافر ہوتی تھیں۔ محل کے ایک کمرے [میں]
کرشن کی دولت سے صندوق بند پڑے تھے اور ان کو کسی نے ہاتھ [تک نہیں]
لگایا تھا۔

یہ تمام حالات نرملا کو اس بات کا احساس دلانے کے لیے کافی [تھے کہ]
اس کا معاملہ ایک ایسے دشمن کے ساتھ ہے جو انتہائی غضب کی حالت [میں بھی]
شرافت کا دامن ہاتھ سے چھوڑنے کے لیے تیار نہ ہو گا۔ ایک عورت

[نرملا رنبیر کی عظمت کا] اعتراف کرنے پر مجبور تھی لیکن بحیثیت کرشن کی بیٹی کی حیثیت
[سے اسے اپنے] باپ کے بدترین دشمن کی فتح گوارا نہ تھی۔ ایسے انسان کی قربت
[جو خود بھی] اس کے لیے ناقابلِ برداشت تھا جو اس کے باپ کے ہاتھوں اس
[قدر] مجروح ہو چکا تھا۔ وہ بھاگنا چاہتی تھی۔ گوالیار میں اس کے ماموں تھے اور
[وہ جانتی تھی] کہ اس کا باپ وہاں پہنچ گیا ہو گا۔ کبھی کبھی وہ یہ سوچتی تھی کہ اگر
[میں اپنی] ماں کے ساتھ وہاں جانے کا ارادہ ظاہر کروں تو رنبیر شاید مجھے روکنے
[کی کوشش نہ کرے۔] ممکن ہے اس نے اتنے دن ہمیں صرف اس خیال سے
[یہاں رہنے دیا ہو] کہ ہمارا باپ روپوش ہے اور ہمارے لیے کوئی جائے پناہ
[نہیں۔]

ایک رات وہ دیر تک سوچتی رہی۔ علی الصباح اس نے ایک نوکرانی
[کو زیورات کی] تھیلی دے کر رنبیر کے پاس بھیج دیا۔ یہ وہی زیورات تھے جو رنبیر
[نے کرشن] کے گرفتار کرنے سے پہلے نرملا کے پاس چھوڑ گیا تھا۔
[نوکرانی] رنبیر سے ملاقات کے بعد واپس آئی تو اس نے کہا "اس نے
[زیورات] لینے سے انکار کر دیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ دی ہوئی چیز واپس نہیں لی
[جاتی۔ میں نے] اصرار کیا تو یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گیا کہ بھگوان کے لیے مجھے
[تنگ نہ کرو۔]"

[نرملا کو پہلی بار] اس بات کا احساس ہوا کہ وہ رنبیر کے خیالات کی دنیا سے
[بہت دور ہے۔] جس شخص کے سامنے وہ اپنی نفرت کا مظاہرہ ضروری سمجھتی تھی
[وہ اس کا وجود] تسلیم کرنے کے لیے بھی تیار نہ تھا۔
[نرملا کی ماں] کی حالت اس کی نسبت کہیں زیادہ قابلِ رحم تھی۔ وہ اپنے شوہر
[اور اپنی] بیٹی کے مستقبل کے فکر میں گھلی جا رہی تھی۔ اسے رنبیر سے کسی نیک

سلوک کی توقع نہ تھی۔ رنبیر اس کی نگاہ میں صرف اس کے شوہر کے خون
تھا بلکہ ہندو سماج کا باغی اور اپنے وطن کا دشمن بھی تھا۔ اس کا آخری
یہ یقین تھا کہ جن لوگوں کی مدد سے رنبیر نے اس کے شوہر پر فتح حاصل
بالآخر قنوج اور اس کے ہمسایہ راجاؤں کے ہاتھوں شکست کھائیں
اس کا شوہر قنوج کے راجہ کی مدد سے دوبارہ اس گاؤں پر قبضہ کر لے گا۔
وہ صبح شام بھگوان اور اس کے دیوتاؤں کے سامنے مسلمانوں کی شکست
لیے دعائیں مانگا کرتی تھی۔ آہستہ آہستہ نرملا بھی اپنی ماں کی ہم خیال ہو گئی
اپنے دھرم کا باغی اور اپنے وطن کا دشمن ہونے کے باعث اس کی نگاہ میں
سزا کا مستحق بن چکا تھا۔

ایک دن نرملا کی ماں شدید بخار کی حالت میں بستر پر لیٹی نرملا سے کہ
تھی۔ ”بیٹی! مجھے یقین ہے کہ مسلمانوں کی فوج کو شکست ہو گی۔ تمہارا باپ
کی فوج لے کر آئے گا لیکن میں شاید موہن چند کے بیٹے کا انجام دیکھنے
لیے زندہ نہ رہوں۔“

”نہیں ماتا جی!“ نرملا نے اُس کی پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا
نہ کیجیے، آپ بہت جلد ٹھیک ہو جائیں گی۔“

ماں نے کہا۔ ”بیٹی تم یہ سمجھتی ہو گی کہ تمہارے باپ نے ہمیں دشمن
میں چھوڑ کر بھاگنے میں بے غیرتی کا ثبوت دیا ہے لیکن تم جانتی ہو کہ وہ
آدمیوں سے نہیں لڑ سکتا۔ وہ وقت کا انتظار کر رہا ہو گا۔“

ایک نوکرانی بھاگتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی اور کہا۔ ”محل سے
کے آدمی جمع ہو رہے تھے اور رنبیر کے سپاہی گھوڑوں پر زینیں ڈال
رہے تھے۔ رنبیر کا ایک نوکر کہتا ہے کہ وہ کہیں دور جا رہا ہے۔ علاقے

سردار بھی اپنی اپنی فوج لے کر اس کے ساتھ جا رہے ہیں۔ میں نے آپ کو بتایا تھا
کہ آج صبح چند سردار رنبیر کے پاس آئے تھے۔“

نرملا نے کہا۔ ”ماتا! معلوم ہوتا ہے کہ بھگوان نے آپ کی دُعائیں سن لی ہیں،
مجھے یقین ہے کہ مسلمانوں کو شکست ہو چکی ہے اور رنبیر اب بھاگنا چاہتا ہے اور جن
سرداروں نے اُسے خوش کرنے کے لیے راجہ کی مدد کے لیے اپنے سپاہی
بھیجنے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ بھی اب راجہ کے انتقام کے خوف سے بھاگنے
کی فکر میں ہیں۔“

دوسری نوکرانی جو گاؤں کے طبیب سے نرملا کی ماں کے لیے دوائی لینے گئی
تھی، ہانپتی کانپتی کمرے میں داخل ہوئی اور کہنے لگی۔ ”آپ نے سُن لیا مسلمانوں نے
باری پر قبضہ کر لیا ہے اور راجہ بھاگ گیا ہے۔ اب مسلمانوں کی فوج کالنجر پر حملہ کرنے
والی ہے اور رنبیر علاقے کے کئی سرداروں کے ساتھ اُنکی مدد کے لیے جا رہا ہے۔“

نرملا اور اس کی ماں سکتے کے عالم میں خادمہ کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ اچانک
ایک نوکرانی چلائی۔ ”نرملا! نرملا! انھیں کچھ ہو گیا ہے۔“

”ماتا! ماتا!“ نرملا اپنی ماں کا بازو جھنجھوڑتے ہوئے چلائی لیکن آنکھوں کے سوا
اس کے جسم کے کسی حصے میں زندگی کے آثار نہ تھے۔ تھوڑی دیر بعد شمبو ناتھ گاؤں
کے طبیب کو لے آیا۔ اس نے بتایا کہ مریضہ پر فالج کا حملہ ہوا ہے۔

دس دن بعد جب نرملا کی ماں اپنی زندگی کا آخری سانس لے رہی تھی تو
اس کی نگاہیں اپنی بیٹی کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ ان نگاہوں میں نرملا کے لیے ایک
نہ بھولنے والا پیغام تھا۔ موت کے بعد نرملا ماں کے سینے پر سر رکھ کر یہ کہہ رہی
تھی۔ ”ماتا! میں تمہارا انتقام لوں گی۔ میں تمہارے دشمن کو کبھی معاف نہیں کروں
گی۔ مجھے بھگوان کی قسم! مجھے دیوتاؤں کی قسم!“

ایک اور فتح

کالنجر کا حکمران راجہ گنڈا اپنے تخت پر رونق افروز تھا۔ کالنجر کے سرداروں کے علاوہ پڑوس کی سلطنتوں کے چند حکمران جو اس کے باجگزار تھے تخت سے نیچے دائیں اور بائیں دو قطاروں میں حسب مراتب کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ دوسرے درجے کے سردار اور عہدہ دار کرسیوں کے پیچھے کھڑے تھے۔ عہدا[illegible] اور غزنی کی فوج کے چار اور افسر تخت کے سامنے کھڑے تھے۔

راجہ کچھ دیر خاموشی سے درباریوں کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اچانک ایک باوقار انداز میں کہنے لگا۔ "میں اپنا فیصلہ سنانے سے پہلے یہ جاننا چاہتا ہوں کہ [illegible] کے لیے دشمن کی شرائط کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟"

پڑوس کے راجاؤں کے ترجمان کی حیثیت سے گوالیار کے راجہ نے [illegible] کر جواب دیا۔ "مہاراج! ہم ان شرائط پر صلح کرنے کی بجائے موت کو ترجیح دیں گے۔ دشمن صرف ہماری لاشوں پر پاؤں رکھ کر آگے بڑھ سکتا ہے۔"

ایک اور راجہ نے اُٹھ کر کہا۔ "ان داتا! دشمن نے ایسی شرائط پیش [illegible] اس ملک کے کروڑوں انسانوں کی توہین کی ہے۔ اس توہین کا بدلہ صر[illegible]

ہو سکتا ہے کہ ہم ملک کا بچہ بچہ اس کے راستے میں کھڑا کر دیں اور اسے ایسی شکست دیں کہ وہ دوبارہ اس پوتر دھرتی کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہ کر سکے۔"

چند اور راجاؤں نے یکے بعد دیگرے جنگ کی حمایت میں تقریریں کیں، اُس کے بعد سرداروں کی باری آئی اور انھوں نے بھی اس قسم کے جوش و خروش کا مظاہرہ کیا۔ کالنجر کے ایک سردار نے جو راجہ کے بعد سلطنت میں سب سے زیادہ اثر و رسوخ کا مالک سمجھا جاتا تھا۔ ایک پرجوش تقریر کرتے ہوئے کہا:

"ان داتا! دشمن کی اس جرأت کا جواب صرف تلوار ہی سے دیا جا سکتا ہے۔ آپ کے اشارے کی ضرورت ہے۔ کالنجر کا ہر بچہ، جوان اور بوڑھا اپنی گردن کٹانے کے لیے تیار ہے۔ جنگ میں ہم یہ ثابت کر دکھائیں گے کہ کالنجر کے راجپوتوں کا خون منجمد نہیں ہوا اور ہم شمال کے راجاؤں کی طرح بے غیرت نہیں، جنھوں نے اپنی جانیں بچانے کے لیے قومی عزت اور آن بان کربان کر دی، ہماری تلواریں حاضر ہیں۔"

راجہ گنڈا نے کہا۔ "کیا کوئی ایسا بھی ہے جو ان شرائط کے ماننے کے حق میں ہو؟"

"مہاراج! کوئی نہیں۔ کوئی نہیں۔" حاضرین نے یک زبان ہو کر کہا۔

[illegible] نے وفد کے ارکان کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "تم ہمارا جواب سن چکے ہو۔ ہندوستان کی پوتر دھرتی کے دیوتا تمہارے بادشاہ کے پاپ کا بدلہ لینے کے لیے [illegible] وقت کا انتظار کر رہے تھے وہ آ چکا ہے۔ اب وہ ہمارے دیوتاؤں کے عتاب سے بچ کر نہیں جا سکتا۔ اُسے جا کر ہماری طرف سے یہ پیغام دو کہ موت اس کا انتظار کر رہی ہے اور ہماری تلواریں اپنے دیوتاؤں کی توہین کا بدلہ لینے کے لیے بے تاب ہیں۔"

عبدالواحد نے اپنے ساتھیوں کو فارسی زبان میں راجہ کے الفاظ کا مفہو
اور پھر راجہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "میں آخری بار یہ کہتا ہوں کہ اگر قنوج کے
تدبر سے کام لیں تو ان گنت انسانوں کو بلاوجہ ہلاک ہونے سے بچا سکتے ہیں۔ ریت
بند دریاؤں کے سیلاب نہیں روک سکتے۔ تم عنقریب وہ طوفان دیکھو گے جو
راستے کی ہر شے کو تنکوں کی طرح اُڑا کر لے جائے گا۔ تم اس شخص کی راہ میں
کی دیواریں کھڑی نہیں کر سکتے جو اژدہوں کی گردنیں مروڑنے کے لیے پید
ہے۔ تمہارے دیوتا وہ بھاری پتھر ہیں جن کے بوجھ کے نیچے انسانیت صد
سے پس رہی ہے۔ یہ پتھر اس کے پاؤں کی ٹھوکر سے ریزہ ریزہ ہو جائیں گے
وہ آئے گا اور ان گنت مظلوموں اور بے گناہوں کی بھٹکتی ہوئی روحیں اس
استقبال کریں گی۔ صدیوں کی روندی اور پسی ہوئی انسانیت اس کے گلے
پھولوں کے ہار ڈالے گی۔ جو اس کا ساتھ دے گا سرخرو ہو گا اور جو اس کا
روکیں گے، کانٹوں کی طرح مسل دیے جائیں گے۔"

حاضرین کے پرخلوص احتجاج نے عبدالواحد کو اپنی تقریر ختم کرنے کا
نہ دیا، چند سردار تلوار سونت کر اس کے گرد جمع ہو گئے۔ راجہ نے بلند آواز
کہا۔ "ٹھہرو!" اور محفل پر ایک بار پھر سکوت طاری ہو گیا۔

راجہ نے قدرے توقف کے بعد عبدالواحد کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "تم
ایلچی کی حدود سے تجاوز کر چکے ہو۔ جاؤ یہاں سے فوراً نکل جاؤ۔"

عبدالواحد کچھ کہے بغیر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ باہر نکل گیا۔

(۲)

راجہ گنڈا نے کھلے میدان میں مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی نیت سے

سے چند کوس دور شمال کی طرف پڑاؤ ڈال دیا۔ اس کی فوج ایک لاکھ پینتالیس ہزار
پیادہ سپاہیوں، تیس ہزار سواروں اور چھ سو چالیس جنگی ہاتھیوں پر مشتمل تھی۔ سلطان
محمود نے دریائے جمنا عبور کر کے اپنے لشکر کو دشمن کے پڑاؤ سے پانچ کوس دور قیام
کا حکم دیا۔

دشمن کی فوجی طاقت کے متعلق اپنے جاسوسوں کی اطلاعات سننے کے بعد
سلطان نے ایک عام سپاہی کے بھیس میں اپنے چند افسروں کے ہمراہ دشمن کے
پڑاؤ کا رخ کیا۔ غروب آفتاب سے کچھ دیر قبل مغرب کی جانب ایک طویل چکر
لگانے کے بعد وہ دور سے دشمن کے پڑاؤ کا منظر دیکھ رہا تھا۔ دشمن کی فوج کے
خیمے میلوں تک پھیلے ہوئے تھے اور مختلف اطراف سے راجہ گنڈا کے باجگزار
راجاؤں اور سرداروں کی افواج پڑاؤ میں داخل ہو رہی تھیں۔ سلطان نے اس
سے زیادہ حوصلہ شکن منظر اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا اور اُسے پہلی بار اس
بات کا احساس ہو رہا تھا کہ وہ غزنی سے بہت دور آ چکا ہے۔ کسی نازک مرحلے پر
اُسے کمک پہنچنے کی اُمید نہ تھی۔ شکست یا پسپائی کی صورت اس کے لشکر کی مکمل
تباہی یقینی تھی۔

غروب آفتاب کے ساتھ پڑاؤ کے طول و عرض میں ہاتھیوں کی چنگھاڑ
گھوڑوں کی ہنہناہٹ اور آدمیوں کی چیخ پکار، ناقوس اور گھنٹیوں کی صداؤں
میں غائب کر رہ گئی۔ سلطان نے اپنے ساتھیوں کو واپسی کا حکم دیا۔ تھوڑی دور
پہنچنے کے بعد انھوں نے ایک جگہ اتر کر نمازِ مغرب ادا کی اور دوبارہ اپنے گھوڑوں
پر سوار ہو کر اپنے خیموں میں آ گئے۔

رات کے تیسرے پہر سلطان اپنے خیمے میں سربسجود ہو کر یہ دعا مانگ رہا
تھا۔ "اے رب العزت! مجھے اس امتحان میں ثابت قدم رہنے کی ہمت دے۔ دشمن

کو اپنی بے شمار فوج اور اپنے ان گنت دیوتاؤں کی اعانت پر بھروسہ ہے لیکن
صرف تیری رحمت کا سہارا لے کر یہاں آیا ہوں۔ مجھے اور میرے سپاہیوں
ہمت دے کہ ہم اپنے آپ کو تیری رحمت کا حقدار ثابت کر سکیں۔ ہمیں
دے کہ ہم دشمن کے تیروں اور نیزوں کے سامنے سینے تان کر کھڑے ہو سکیں
ہمیں اپنے غازیوں اور اپنے شہیدوں کے راستے پر چلنے کی توفیق دے۔ ہم زند
اور موت میں صرف تیری رضا کے طلب گار ہوں۔ مولائے کریم! جن لوگوں کے
سر تیری بارگاہ میں جھکتے ہیں وہ کسی اور کے جاہ و جلال سے مرعوب نہیں ہو
صرف ایسی زندگی اور ایسی موت کی تمنا دے جو تیرے حبیب کے غلاموں کی
شان کے شایاں ہو۔"

دعا کے اختتام پر سلطان کے منہ سے الفاظ کی بجائے صرف ہچکیاں نکل
رہی تھیں۔ اچانک اُسے اپنے پڑاؤ کے ایک گوشے میں پہریداروں کا شور
و غوغا سنائی دیا اور اس کے ساتھ ہی پڑاؤ کے طول و عرض میں نقاروں کی صدا
سنائی دینے لگیں۔ سلطان نے دعا ختم کی اور خیمے سے باہر نکل آیا۔ فوج کے
چند افسر خیمے کے دروازے سے باہر کھڑے تھے اور باقی اپنے اپنے دستوں کو
کسی غیر متوقع صورت حال کا سامنا کرنے کے لیے تیار کر رہے تھے۔

سلطان نے اس ہنگامے کی وجہ پوچھی تو ایک افسر نے جواب دیا۔ "سلطان
معظم پڑاؤ کے شمال مشرقی کونے میں پہریداروں نے اچانک شور مچا
کر دیا تھا۔ فوج ہر متوقع صورت حال کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہے لیکن
نقارے کی صدا یہ ظاہر کرتی ہے کہ اس طرف دشمن کے شب خون کا خطرہ
معلوم ہوتا ہے کہ کوئی جاسوس پکڑا گیا ہے۔ ابھی تمام حالات معلوم ہو جا
سلطان نے حکم دیا۔ "میرا گھوڑا لاؤ۔"

تھوڑی دیر کے بعد سلطان چند افسروں کے ہمراہ پڑاؤ کے جنوب مشرقی کونے
کا رخ کر رہا تھا۔ وہ ابھی زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ سامنے سے چند مشعل بردار پہریداروں
کی ایک ٹولی آتی ہوئی دکھائی دی۔ سلطان کے ساتھیوں میں سے ایک سوار گھوڑا بھگا
کر ان کے راستے میں کھڑا ہو گیا اور بلند آواز میں بولا "ٹھہرو!"

پہریدار رک گئے اور ان کے ایک ساتھی نے کہا۔ "ہم سلطان معظم کے پاس جا رہے
ہیں"

"سلطان معظم یہاں ہیں"۔ سلطان کے ایک اور ساتھی نے چند قدم سے آواز دی۔
پہریدار ایک نوجوان کو سلطان کے پاس لے آئے اور اس نے آگے بڑھتے ہوئے
بلند آواز میں کہا۔ "سلطان معظم! میرا نام رنبیر ہے۔ آپ کی فوج کا ہندی سالار
عبدالواحد مجھے جانتا ہے۔ رہت کی لڑائی کے بعد مجھے آپ کی خدمت میں حاضر
ہونے کا شرف حاصل ہوا تھا۔"

سلطان نے گھوڑا بڑھاتے ہوئے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ "میں جانتا ہوں
تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"عالی جاہ! میرے ساتھ میرے وطن کے پندرہ سردار دو ہزار سپاہی لے
کر آپ کی مدد کے لیے آ رہے تھے۔ شام کے وقت ہم لوگ یہاں سے مشرق کی
طرف کوئی دس کوس کے فاصلے پر جنگل عبور کر رہے تھے کہ ہمیں ایک جگہ گھوڑوں
کی آہٹ سنائی دی۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو شمال کی طرف ہٹنے کا مشورہ
دیا اور خود اس طرف چل دیا۔ گھنے جنگل میں کالنجر کی فوج کے کئی دستے ڈیرہ ڈالے
ہوئے تھے۔ میں نے اپنا گھوڑا ایک درخت کے ساتھ باندھ دیا اور رات کی
تاریکی سے فائدہ اُٹھا کر ان کے ساتھ جا ملا۔ وہاں سپاہیوں کی باتوں سے مجھے
معلوم ہوا کہ یہ لوگ مشرق کی طرف سے جنگل کے راستے ایک لمبا چکر کاٹ کر

آپ کے پڑاؤ پر حملہ کرنے کی نیت سے یہاں جمع ہو رہے ہیں۔ سپاہیوں کی باتوں سے مجھے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ یہ لوگ رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر پیش قدمی کریں گے۔ پھر سواروں کے دستے کچھ دور رک جائیں گے اور پیادہ سپاہی پڑاؤ کے نزدیک پہنچ جائیں گے۔ صبح ہوتے ہی وہ پڑاؤ پر حملہ کر دیں گے۔ سواروں کے دستے ان کی مدد کریں گے۔ اس کے بعد کالنجر کی فوج عام حملہ شروع کر دے گی۔ میں وہاں سے بھاگ کر اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا اور انھیں دشمن کے ان دستوں کے عقب میں رہنے کا مشورہ دیا۔ پھر آپ کی فوج کے پڑاؤ کا رخ کیا۔ میرا کچھ وقت آپ کے پہرے داروں کو یہ یقین دلانے میں بھی ضائع ہوا ہے کہ میں جاسوس نہیں ہوں۔"

سلطان نے سوال کیا۔ "ان کی تعداد کے متعلق تمہارا اندازہ کیا ہے؟"

"میرے خیال میں وہ بیس ہزار سے زیادہ ہوں گے۔ سواروں کی تعداد کوئی ... ہزار ہوگی، باقی پیادہ ہیں۔" رنبیر نے جواب دیا۔

اتنی دیر میں سلطان کی فوج کے چیدہ چیدہ افسر وہاں جمع ہو چکے تھے۔ سلطان نے اپنے ہراول دستوں کے نامور جرنیل ابوعبداللہ محمد کو حکم دیا کہ تم آٹھ ہزار سپاہیوں کے ہمراہ فوراً روانہ ہو جاؤ۔"

اس کے بعد اس نے فوج کے باقی افسروں کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "مجھے اندیشہ ہے کہ راجہ صبح سے پہلے اپنا ارادہ تبدیل کر دے گا۔ تاہم تم لوگ مدافعت کے لیے تیار رہو۔ اگر دشمن نے ہم پر حملہ نہ کیا تو ابوعبداللہ کی کامیابی کے بعد ہم دشمن کی سراسیمگی سے فائدہ اٹھائیں گے۔ عبدالواحد تم چند ہوشیار آدمی لے کر دشمن کے ... کی طرف روانہ ہو جاؤ اور ہمیں اس کی نقل و حرکت سے باخبر رکھو۔"

تھوڑی دیر بعد ابوعبداللہ کی قیادت میں پانچ ہزار سوار اور تین ہزار پیادہ سپاہی مشرق کا رخ کر رہے تھے۔ رنبیر ان کا راہبر تھا۔ چند کوس چلنے کے بعد رنبیر نے ابوعبداللہ سے کہا۔ "میرے خیال میں اب دشمن زیادہ دور نہیں ہوگا۔"

ابوعبداللہ نے فوج کو رکنے کا حکم دیا اور پیادہ سپاہیوں کے سالار سے مخاطب ہو کر کہا۔ "تم احتیاط کے ساتھ پیش قدمی جاری رکھو۔ ہم دشمن کو دائیں اور بائیں بازو سے گھیرے میں لینے کے بعد اس کے عقب میں پہنچنے کی کوشش کریں گے۔ اگر رنبیر کا اندازہ صحیح نکلا تو دشمن طلوع سحر سے قبل تمہارے تیروں کی زد میں ہوگا اور ہم اسے دائیں بائیں اور پیچھے سے ہانک رہے ہوں گے۔ اگر دشمن نے تمہاری صفوں کو توڑ کر نکلنے کی کوشش کی تو سواروں کے چند دستے تمہاری مدد کے لیے پہنچ جائیں گے۔"

(۳)

افق مشرق سے صبح کا ستارہ نمودار ہو رہا تھا۔ راجہ گنڈا اپنے ہاتھی کے سنہری ہودج میں کھڑا اپنی سپاہ کی قوت و شوکت کا نظارہ کر رہا تھا۔ اس کے دائیں بائیں اور اس کے پیچھے گھوڑ سواروں اور ہاتھیوں کی ایک لمبی قطار تھی۔ اور پیادہ سپاہی صف باندھے کھڑے تھے۔ ناقوس بجانے اور بھجن گانے والے برہمنوں کی ٹولیاں سپاہیوں کی صفوں میں گھوم رہی تھیں۔ فضا میں "بھگوان کی جے، دیوتاؤں کی جے" کے نعرے گونج رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہندوستان کی ... مدافعت سمٹ کر اس خطۂ زمین پر جمع ہو گئی ہے۔ راجہ نے اپنے ان سرداروں کی طرف دیکھا جو ہاتھیوں پر سوار ہو کر اس کے دائیں بائیں کھڑے تھے اور بلند آواز میں چلایا۔ "بھگوان کی قسم! اس لشکر کے ساتھ میں دنیا کے آخری کونے تک دشمن کا پیچھا کر سکتا ہوں۔"

"مہاراج کی جے ہو۔" راجہ کے جاں نثاروں نے یک زبان ہو کر کہا۔

ایک سردار گھوڑا دوڑاتا ہوا راجہ کے قریب رُکا اور بولا "مہاراج! اب صبح ہونے والی ہے۔"

راجہ نے جواب دیا "نہیں، جب تک راجکمار کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں آتی۔ ہم آگے نہیں بڑھیں گے۔ اس کے حملے سے پہلے دشمن کو چوکنا کر دینا ہمارے لیے نقصان دہ ہوگا۔ ہم اس وقت پہنچیں گے۔ جب راجکمار دشمن کو اپنی طرف پھیر چکا ہوگا۔"

راجہ کے قریب ایک سردار جو اپنے ہاتھی کے ہودج میں کھڑا اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ سامنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بلند آواز میں چلایا "مہاراج! شاید کوئی راجکمار کا پیغام لے کر آرہا ہے۔"

راجہ دم بخود ہو کر سامنے کی طرف دیکھنے لگا۔ صبح کے دھندلکے میں کچھ دور پر سرپٹ سواروں کی ایک ٹولی دکھائی۔ تھوڑی دیر میں ایک سوار ہاتھیوں کی قطار کے سامنے سے گزرتا ہوا راجہ کے سامنے رُکا۔ یہ کالنجر کا ولی عہد تھا اور اسے دیکھتے ہی کلیجہ مسوس کر رہ گیا۔

"کیا ہوا؟ تم خود کیوں آگئے۔ تمھاری فوج کہاں ہے؟ بھگوان کے لیے بولو....."

"مہاراج!" راجکمار نے اپنے باپ کی طرف پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "مہاراج! دشمن نے ہمیں جنگل سے نکلتے ہی گھیرے میں لے لیا تھا۔ ہمیں معلوم نہ تھا کہ یہ تمام علاقہ اس کے آدمیوں سے بھرا ہوا ہے۔ ہمارے بہت کم آدمی زندہ بچ کر نکل سکیں گے۔ دشمن نے پہلے ہمارے دائیں اور بائیں بازو پر حملہ کیا۔ ہم پیچھے ہٹ کر دوبارہ جنگل میں داخل ہونے پر مجبور ہو گئے لیکن جنگل کا راستہ بھی دشمن کے آدمیوں سے بھر چکا تھا۔ اس کے بعد ہم آگے بڑھے تو ہمارے سامنے دشمن کے تیراندازوں کی دیواریں کھڑی تھیں۔ اگر آپ کو خبردار کرنا ضروری نہ ہوتا تو میں دشمن کا گھیرا توڑ کر باہر نکلنے کی بجائے لڑ کر جان دینا بہتر سمجھتا۔ ہمارے آدمیوں کو دشمن مکمل طور پر نرغے میں لے چکا ہے اور صبح کی روشنی کے ساتھ ہی وہ ان کا صفایا کر دے گا۔ اب تک شاید....."

راجہ نے ولی عہد کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "اس کا مطلب یہ ہے کہ دشمن کا پڑاؤ خالی ہوگا اور ہمیں کسی تاخیر کے بغیر حملہ کر دینا چاہیے۔"

ولی عہد نے کہا۔ "نہیں میں دشمن کے نرغے سے نکل کر اُس کے لشکر کے پڑاؤ کے قریب سے گزرا ہوں۔ پڑاؤ میں اس کی فوج اطمینان سے صفیں درست کر رہی تھی۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ پیش قدمی کے لیے صبح کا انتظار کر رہے ہیں اور وہ فوج جس نے ہم پر حملہ کیا تھا، کسی اور سمت سے آئی تھی۔ ممکن ہے یہ دشمن کی کمک کے دستے ہوں جنھوں نے اپنے پڑاؤ کا رُخ کرتے ہوئے ہمیں راستے میں دیکھ لیا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دشمن ہمیں دھوکے میں رکھنے کے لیے اپنی فوج کا بیشتر حصہ کہیں پیچھے چھوڑ آیا ہو۔ بہرحال یہ یقینی امر ہے کہ دشمن کی تعداد ہماری توقع سے بہت زیادہ ثابت ہوگی۔"

راجہ گنڈا کے تمام حوصلے اور ولولے مایوسی اور خوف میں تبدیل ہو گئے۔ تھوڑی دیر پہلے وہ فتح کے خیال میں مگن تھا لیکن اب تصور میں دشمن کی لاتعداد فوج دیکھ کر مرعوب ہو رہا تھا۔ اس کی قوت فیصلہ جواب دے چکی تھی۔

"اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟" اس نے گھٹی ہوئی آواز میں سوال کیا۔

راجکمار نے جواب دیا۔ "مہاراج! ہمیں آگے بڑھنے کی بجائے اپنی حفاظت کی فکر کرنی چاہیے۔"

ایک سردار جو اپنے ہاتھی سے اتر کر راجہ کے قریب آچکا تھا۔ ہاتھ جوڑ کر کہنے

لگا۔ "مہاراج! اگر ہمیں پسپا ہونا پڑا تو دشمن کے سوار آندھی کی طرح ہمارے
شہر میں داخل ہو جائیں گے۔ اس لیے ہمیں راجدھانی کی فکر کرنی چاہیے۔"

تھوڑی دیر میں ہمسایہ ریاستوں کے حکمران اور سردار بھی راجہ گنڈا کے پاس
جمع ہو چکے تھے۔ بعض فوری حملے کے حامی تھے لیکن اکثریت کی رائے یہ تھی کہ
جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیے۔ اچانک سامنے سے تیس چالیس سوار نمودار
ہوئے اور کوئی دو سو قدم کے فاصلے پر رک کر چند ثانیے راجہ کی طرف دیکھنے کے بعد
واپس چلے گئے۔

ایک سردار نے کہا۔ "مہاراج! دشمن حملہ کرنے والا ہے معلوم ہوتا ہے کہ
فوج قریب آ چکی ہے۔ آپ ہاتھی سے اتر کر گھوڑے پر سوار ہو جائیں۔"

راجہ گنڈا قدرے رد و قدح کے بعد ہاتھی سے اتر کر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔
فوج کے چیدہ چیدہ سرداروں نے اس کی تقلید کی۔ ایک ساعت کے اندر اندر
فوج میں افراتفری مچ گئی۔ ناقوس اور نرسنگوں کی صدائیں انسانوں کی چیخ پکار میں
دب کر رہ گئیں، راجہ کی ٹڈی دل فوج انتہائی انتشار کی حالت میں پسپا ہو رہی تھی۔
ہر سپاہی کے دل پر تلواروں کی جھنکار اور تیروں کی سنسناہٹ کے خوف سے
زیادہ ان دیکھے دشمن کا خوف طاری تھا۔

طلوع آفتاب سے تھوڑی دیر بعد سلطان محمود اس مقام سے پانچ کوس دور اپنے
خیمے کے سامنے کھڑا تحیر کے عالم میں یہ خبر سن رہا تھا کہ دشمن میدان سے فرار ہو
چکا ہے۔ ذات باری کے لیے ہونٹوں پر دعائیں اور آنکھوں میں تشکر کے آنسو تھے۔
فوج کی قیام گاہ کے طول و عرض میں اللہ اکبر کی صدائیں گونج رہی تھیں۔ سلطان
نے فوج کو پیش قدمی کا حکم دیا اور دوپہر تک دشمن کا تعاقب جاری رکھا۔ اس
کے بعد وہ اپنے پڑاؤ کی طرف لوٹ آیا۔ شام تک پانچ سو ہاتھی سلطان کے

قبضے میں آچکے تھے۔

اس فتح کے چند دن بعد سلطان کا لشکر واپس غزنی کا رخ کر رہا تھا۔ رنبیر اور
علاقے کے وہ سردار جو اس کے ساتھ آئے تھے، سلطان کے ہمرکاب تھے۔ سلطان
نے عبدالواحد کو حکم دیا کہ تم ہندی سپاہیوں کے ساتھ قنوج چلے جاؤ اور میری
واپسی تک وہیں رہو۔"

جے کرشن کی بیٹی

اپنی ماں کی موت کے بعد نرملا محل میں انتہائی بے بسی کے دن گزار رہی تھی۔ رنبیر کے لیے اس کے دل میں اب نفرت اور حقارت کے سوا کچھ نہ تھا۔ رنبیر کی غیر حاضری کے دوران میں اس کی نگرانی شمبوناتھ کے سپرد تھی اور شمبوناتھ کے رویے نے اس پر یہ حقیقت روشن کر دی تھی کہ اس کی حیثیت ایک قیدی سے زیادہ نہیں۔ اسے پہلی بار صرف اپنی ماں کی ارتھی کے ساتھ مرگھٹ تک جانے کے لیے محل سے باہر نکلنے کی اجازت دی گئی تھی لیکن وہاں بھی شمبوناتھ اور چند نوکر اس کے پاس کھڑے رہے۔ اس کے بعد بھی اُسے کبھی کبھی رنبیر کے نوکروں کے پہرے میں اپنی ماں کی سمادھی تک جانے کی اجازت ملتی تھی اور خاص طور پر شمبوناتھ سائے کی طرح اس کے ساتھ رہتا تھا۔ ان پابندیوں نے اس کے دل میں فرار ہونے کی خواہش پیدا کر دی۔ چنانچہ ایک دن علی الصباح وہ اپنی نوکرانی کا لباس پہن کر گھونگٹ نکالے مکان سے باہر نکلی لیکن شمبوناتھ اس کی چال دیکھ کر پہچان گیا اور آگے بڑھ کر راستہ روکتے ہوئے کہا۔ "آپ اس وقت آپ کہاں جا رہی ہیں؟"

اس نے گھبرا کر جواب دیا۔ "میں... میں نرملا کے لیے دوا لینے جا رہی ہوں۔

اسے بخار ہے۔"

شمبوناتھ نے جواب دیا۔ "آپ تکلیف نہ کریں۔ میں وید کو بلا لاتا ہوں۔"

وہ بولی۔ "گاؤں میں مجھے ایک اور کام بھی ہے۔"

شمبوناتھ نے کہا۔ "آپ مجھے گستاخی پر مجبور نہ کریں۔ میں جانتا ہوں آپ کون ہیں۔"

نرملا نے تلملا کر اپنا گھونگٹ اتار دیا اور غصے سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ "تمہارا مطلب ہے کہ میں تمہاری قید میں ہوں۔"

شمبوناتھ نے جواب دیا۔ "جب تک ہمارا سردار واپس نہیں آتا۔ آپ تنہا اس محل سے باہر نہیں جا سکتیں۔ وہ مجھے آپ کی حفاظت کی ذمہ داری سونپ کر گیا ہے۔"

"میری حفاظت!" نرملا نے حقارت آمیز لہجے میں کہا۔ "تم یہ کیوں نہیں کہتے کہ اپنی ماں کی طرح مجھے بھی صرف موت ہی اس قید خانے سے رہائی دلا سکتی ہے لیکن یاد رکھو کہ کسی دن تمہارا سردار پچھتائے گا۔

شمبوناتھ نے کہا۔ "جب وہ یہاں تھے تو آپ نے کبھی یہاں سے جانے کا ارادہ ظاہر نہ کیا۔ ان کا خیال تھا کہ آپ اپنی خوشی سے یہاں رہنا چاہتی ہیں۔ اگر آپ انہیں یہ بتا دیتیں کہ آپ کہیں جانا چاہتی ہیں تو وہ کبھی آپ کو روکنے کی کوشش نہ کرتے لیکن اب ان کی غیر حاضری میں ہم آپ کو یہاں سے جانے کی اجازت نہیں دے سکتے۔"

"میں اپنے باپ کے دشمن، اپنی ماں کے قاتل اور اپنی قوم اور اپنے وطن کے دشمنوں کے دوست کا اپنا محافظ سمجھنے کی بجائے مر جانا بہتر سمجھتی ہوں۔"

شمبوناتھ نے کہا۔ "میں آپ کی باتوں کا جواب نہیں دے سکتا۔ سردار

کی طرف سے ہمیں حکم ہے کہ آپ کی عزت کی جائے۔"

نرملا کچھ اور کہے بغیر واپس چلی آئی لیکن وہ اپنے دل میں بار بار یہ الفاظ دہرا رہی تھی۔ "تم پچھتاؤ گے۔ رنبیر کو میرے انتقام سے ڈرنا چاہیے، میں اُسے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔"

(۲)

ایک دن نرملا کی نوکرانی اس کے پاس یہ خبر لے کر آئی کہ گاؤں کے لوگ جو رنبیر کے ساتھ گئے تھے، واپس آ گئے ہیں۔ سلطان محمود کی فوج یہاں سے تین کوس پر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔ واپس آنے والے سپاہی بتاتے ہیں کہ سلطان نے رنبیر کے ساتھ کالنجر کے راجہ کے خلاف جنگ میں حصہ لینے والے تمام سرداروں کو خلعتیں تقسیم کی ہیں اور سلطان کے سامنے علاقے کے تمام سرداروں نے رنبیر کو اپنا بڑا سردار مان لیا ہے۔ مسلمانوں کا لشکر کل روانہ ہو جائے گا اور رنبیر انھیں رخصت کرنے کے بعد یہاں آ جائے گا۔ سپاہی کہتے ہیں کہ سلطان کی فوج اس گاؤں کے قریب سے گزرے گی۔"

اگلے دن نرملا اپنی نوکرانیوں سمیت بالائی منزل کی چھت پر مسلمانوں کا لشکر گزرتا دیکھ رہی تھی۔

دوپہر کے قریب نرملا کے پاس شمبوناتھ آیا اور اُس نے کہا۔ "مجھے سردار نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ انھیں آپ کی ماتا کی موت کا سُن کر بہت افسوس ہوا ہے اور وہ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو وہ ابھی آپ کے پاس آ جائیں۔"

نرملا نے جواب دیا۔ "اسے ایک قیدی کے پاس آنے کے لیے اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔"

شمبوناتھ چلا گیا تو نرملا نے اپنی نوکرانیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "وہ آئے تو اسے میرے کمرے میں بھیج دو اور دیکھو جب تک میں آواز نہ دوں، تم میں سے کوئی وہاں نہ آئے۔"

نرملا نے اپنے کمرے میں جا کر ایک کونے میں پڑا ہوا صندوق کھولا اور ایک چمکتا ہوا خنجر نکال کر اپنی قمیض میں چھپا لیا۔ اس کے بعد وہ اضطراب کی حالت میں کمرے کے اندر ٹہلنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد برآمدے میں کسی کے پاؤں کی آہٹ سن کر اس کا دل دھڑکنے لگا اور وہ جلدی سے اپنے پلنگ کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ رنبیر اندر داخل ہوا تو اس کے چہرے پر نگاہ ڈالتے ہی نرملا نے اپنے جسم میں ایک کپکپی سی محسوس کی۔ رنبیر کمرے کے درمیان رکا اور ایک ثانیہ نرملا کی طرف دیکھنے کے بعد آنکھیں نیچی کر کے بولا۔ "میں نے ابھی آپ کی ماں کے متعلق سنا ہے۔ مجھے بہت افسوس ہے۔"

نرملا نے کوئی جواب نہ دیا۔ رنبیر نے ایک ثانیہ کے لیے پھر اس کی طرف دیکھا اور اضطراری حالت میں آگے بڑھ کر باہر کی طرف کھلنے والی کھڑکی کے قریب جا کھڑا ہوا۔ قدرے توقف کے بعد اس نے کھڑکی سے باہر جھانکتے ہوئے کہا۔ "آپ کو شاید میری بات پر یقین نہ آئے لیکن اگر میں یہاں ہوتا تو اُن کی جان بچانے کی ہر ممکن کوشش کرتا۔ میں آپ کے باپ کو معاف نہیں کر سکتا لیکن ایک عورت کے ساتھ مجھے کوئی دشمنی نہ تھی۔"

"مجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں۔" نرملا نے ذرا آگے بڑھ کر اپنی گھبراہٹ پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

رنبیر نے اس کی طرف مڑ کر دیکھے بغیر کہا۔ "یہ مکان میری نگاہ میں ایک مندر ہے۔ نرملا! یہاں کسی کی موت بھی میرے لیے تکلیف دہ ہے۔"

نرملا نے ایک قدم اور آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "اس کمرے میں آپ کی ...
کرتی تھی۔"

"ہاں!" رنبیر نے بھرائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "اس رات میں ...
اس کمرے میں داخل ہوا تھا کہ شکنتلا یہاں ہے۔ نند نہ میں مجھے معلوم ہوا تھا کہ ...
میرے انتظار میں رات بھر اپنے کمرے میں دیا روشن کرتی ہے لیکن میں حیران ہوں
کہ جب وہ یہاں نہ تھی تو آپ کو دیا جلانے کا خیال کیسے آیا۔ میں نے گاؤں کے ...
سے سنا ہے کہ شکنتلا کے روپوش ہونے کے بعد بھی یہ کمرہ ساری رات روشن رہتا
تھا۔ آپ نے شاید شکنتلا کو دیکھا بھی نہ ہوگا لیکن اگر آپ اُسے ایک بار دیکھ لیتیں تو
مجھے اس کی خاطر اس سماج کے خلاف تلوار اٹھانے میں حق بجانب سمجھتیں۔ کاش
مجھے کوئی یہ بتا سکے کہ شکنتلا کہاں ہے؟"

رنبیر نرملا کی طرف دیکھے بغیر بولتا جا رہا تھا۔ اس کی نگاہیں اس درخت پر ...
تھیں، جس سے وہ بچپن میں اس کمرے تک پہنچنے کے لیے سیڑھی کا کام لیا کرتا تھا۔
وہ اس بات سے غافل نہ تھا کہ نرملا اس کے بہت قریب آ چکی ہے لیکن یہ احساس
کہ وہ شکنتلا کا بھائی اور موہن چند کا بیٹا ہے۔ اس کی نگاہوں کے سامنے دیوار بن کر
حائل ہو چکا تھا۔ غیرت اس کی آنکھوں کے سامنے پہرا بٹھا چکی تھی۔ شکنتلا کے متعلق
بڑھتی ہوئی مایوسی نے اُسے تنکوں کا سہارا بنا دیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ نرملا ضرور شکنتلا
کے متعلق جانتی ہے۔ چنانچہ آج وہ یہ اُمید لے کر آیا تھا کہ شاید نرملا کا دل پسیج
جائے اور وہ شکنتلا کے بارے میں کچھ بتا دے۔

نرملا نے رنبیر کی گفتگو کے دوران میں دو دفعہ وار کرنے کے لیے ہاتھ اٹھایا لیکن
ہر دفعہ اس کی ہمت جواب دے گئی۔ اس نے تیسری دفعہ ہاتھ بلند کیا تو رنبیر نے
اچانک مڑ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ نرملا کے ہاتھ سے خنجر گر پڑا۔ رنبیر نے جھک کر

خنجر اٹھا لیا اور نرملا کو پیش کرتے ہوئے کہا۔ "آپ مجھے قتل نہیں کر سکیں۔"
نرملا بھاگ کر منہ کے بل اپنے بستر پر گر پڑی اور سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔
"کاش میں آپ کو قتل کر سکتی۔ کاش میں آپ کو اپنا دشمن سمجھ سکتی۔"

رنبیر نے آگے بڑھ کر اس کا بازو پکڑ کر اٹھانا چاہا لیکن اس کا لرزتا ہوا ہاتھ
نرملا کے بازو تک پہنچ کر رک گیا۔ ایک جھرجھری لینے کے بعد اس نے پیچھے ہٹتے
ہوئے کہا۔ "شمبوناتھ نے مجھے بتایا تھا کہ آپ کہیں جانا چاہتی تھیں، میں آپ کی یہ
غلط فہمی دور کر دینا چاہتا ہوں کہ آپ میری قید میں ہیں۔ اگر آپ کو یہاں رہنا پسند
نہ ہو تو آپ جا سکتی ہیں۔ سنا ہے کہ آپ کے رشتہ دار گوالیار میں ہیں۔ اگر آپ کی
مرضی ہو تو میں آپ کو وہاں پہنچانے کا بندوبست کر دوں۔ شکنتلا کا بھائی کسی لڑکی
کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا۔ میں پہلی اور آخری بار آپ سے اپنی بہن کے متعلق
پوچھنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ مجھے تھوڑی بہت ہمدردی کا مستحق سمجھیں تو مجھے اس
کے بارے میں بتا دیں۔ ورنہ میں آپ کو جواب دینے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ میں صرف
یہ جاننا چاہتا ہوں کہ شکنتلا کہاں ہے؟ وہ زندہ ہے یا مر چکی ہے؟"

نرملا اُٹھ کر بیٹھ گئی اور اس نے آنسو پونچھتے ہوئے جواب دیا۔ "اگر مجھے شکنتلا کے
متعلق علم ہوتا تو میں آپ کو پوچھے بغیر بتا دیتی۔ آپ میری بات پر یقین نہیں کریں
لیکن بھگوان جانتا ہے کہ اس کے متعلق میرے پتا کو بھی کوئی علم نہیں۔ پتا جی
نے اُسے ہر جگہ تلاش کرایا لیکن اس کا کوئی سراغ نہ ملا۔"

"مجھے یقین ہے کہ آپ جھوٹ نہیں کہہ سکتیں۔ میں آپ سے آئندہ ہرگز یہ
سوال نہیں کروں گا لیکن کیا یہ محض اتفاق تھا کہ شکنتلا کے روپوش ہو جانے کے بعد
یہ کمرہ رات بھر روشن رہتا تھا؟ کیا آپ کو یہ معلوم تھا کہ محل میں داخل ہوتے
ہی سیدھا اس کمرے میں آؤں گا؟ آپ کی ایک نوکرانی بھی کہتی تھی کہ اس محل میں

آنے کے بعد آپ نے کسی رات انھیں اس کمرے کا دیا بجھانے کی اجازت نہیں

نرملا نے جواب دیا۔ "یہ محض اتفاق نہ تھا۔ مجھے گاؤں کی عورتوں نے بتایا تھا رات کے وقت شکنتلا کے کمرے میں لکشمی دیوی آیا کرتی تھی اور وہ اس کے انتظار میں ہر رات اپنا کمرہ روشن رکھتی تھی۔ چنانچہ میں نے بھی رہنے کے لیے اسی کمرے کو پسند کیا اور سوتے وقت بھی اسے روشن رکھتی تھی۔ یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھی کہ میرے کمرے کی روشنی کسی دن آپ کو دھوکا دے گی۔ میں سچ کہتی ہوں میں نے شکنتلا کو نہیں دیکھا۔ میں اس کے روپوش ہونے کے چند دن بعد یہاں آئی تھی۔ اگر میں اُسے دیکھ لیتی تو پتا جی کی ناراضی کا خوف بھی مجھے اس کی حمایت سے باز نہ رکھ سکتا لیکن مجھے بے حد افسوس ہے کہ میں اس کے کسی کام نہ آ سکی۔ یہ میں آپ کی ہمدردی حاصل کرنے کے لیے نہیں کہہ رہی بلکہ یہ ایک عورت کے متعلق ایک عورت کے جذبات ہیں۔ میں اپنے باپ کے دشمن سے رحم کی بھیک نہیں مانگوں گی۔ اگر مجھ سے اپنی بہن کا بدلہ لے کر آپ کو اطمینان نصیب ہو سکتا ہے تو میں حاضر ہوں۔ ہم ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ میں جے کرشن کی بیٹی ہوں اور آپ موہن چند کے بیٹے ہیں۔ ابھی اگر میری ہمت جواب نہ دے جاتی تو میں آپ کو قتل کر دیتی۔ شکنتلا سے ہمدردی کے باوجود آپ کو قتل کرنا میرا فرض تھا۔ آپ کو بھی اپنا فرض ادا کرنا چاہیے۔"

رنبیر بے حس و حرکت کھڑا تھا۔ اس میں نرملا کی طرف آنکھ اٹھانے کی جرأت نہ تھی۔ اس کے سامنے صرف ایک لڑکی تھی۔ ایک ایسی لڑکی جس کا ہلکا سا تبسم تپتی ہوئی چٹانوں کی بے جان چٹانوں میں بھی نغمے بیدار کر سکتا تھا۔ جس کے آنسو ایک جلاد کے سینے میں بھی دھڑکنیں بیدار کر سکتے تھے۔ جے کرشن کی بیٹی التجا کرنے کے لیے نہیں حکم دینے کے لیے پیدا ہوئی تھی۔"

رنبیر نے کہا۔ "شاید ہم دونوں عمر بھر اس غلط فہمی میں مبتلا رہنے کے لیے پیدا ہوئے ہیں کہ ہم ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ یہ ہماری آخری ملاقات ہے۔ اب فیصلہ کرنا آپ کا کام ہے کہ آپ کب اور کہاں جانا چاہتی ہیں؟"

"میں اسی وقت جانے کے لیے تیار ہوں۔"

"کہاں؟"

"گوالیار، اپنے ماموں کے پاس۔"

"آپ کے پتا جی وہاں ہوں گے؟"

"شاید۔"

"اب شام ہونے کو ہے۔ میں علی الصباح آپ کو یہاں سے روانہ کر دوں گا۔ شمبوناتھ آپ کے ہمراہ جائے گا۔" رنبیر یہ کہہ کر باہر نکل آیا۔

(۳)

رات کو رنبیر دیر تک کھلے صحن میں ٹہلتا رہا۔ آدھی رات کے قریب اس نے اپنے کمرے میں جا کر سونے کی کوشش کی لیکن اُسے نیند نہ آئی۔ نرملا کا تصور اس کے دل و دماغ پر حاوی ہو چکا تھا۔ تیسرے پہر اس نے دوسرے کمرے میں جا کر رام ناتھ کو جگایا اور اسے ساتھ لے کر دریا کی طرف چلا گیا۔ شام کو اس نے رام ناتھ کو بتایا تھا کہ نرملا علی الصباح گوالیار جا رہی ہے اور وہ رخصت کے وقت اس سے ملنا چاہتا ہے۔ رام ناتھ اس کے چہرے سے اس کے دل کی کیفیت کا اندازہ لگا چکا تھا۔

وہ خاموشی سے کچھ دور تک دریا کے کنارے کنارے چلتے رہے۔ پھر ایک جگہ رک گئے۔ رام ناتھ نے کہا۔ "میں نے سنا ہے وہ بہت خوبصورت ہے۔"

رنبیر نے جواب دیا۔ "مجھے معلوم نہیں۔ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ میں اس کی طرف غور سے دیکھنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ نرملا صرف ایک عورت نہیں، بلکہ توڑنے پھوڑنے اور بہلائے جانے والی قوت کا نام ہے۔ دیکھنے والے کی نگاہیں اس کے چہرے پر مرکوز ہونے کی بجائے اِدھر اُدھر بھٹک جاتی ہیں۔ رام ناتھ! تم ایک شاعر ہو، شاید ان باتوں کو میری نسبت زیادہ سمجھ سکو۔"

رام ناتھ نے کہا۔ "اگر وہ جے کرشن کی بیٹی نہ ہوتی تو آپ کیا کرتے؟"

"مجھے معلوم نہیں۔ شاید میرے لیے اس کا جانا تکلیف دہ ہوتا۔"

"آپ کو یقین ہے کہ اب اس کا جانا آپ کے لیے تکلیف دہ نہیں۔ آپ ساری رات نہیں سوئے اور اب بھی آپ کا محل سے دور چلے آنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ آپ میں ایک تلخ حقیقت کا سامنا کرنے کی ہمّت نہیں۔"

"میں نے کل ہی یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ میں اسے دوبارہ نہیں دیکھوں گا۔"

"اور آپ اپنے اس فیصلے پر قائم رہنا چاہتے ہیں؟"

"ہاں! مجھے یقین ہے کہ اگر میں کم ہمتی کا ثبوت دوں تو بھی ہمارے راستے ایک دوسرے سے کبھی نہیں مل سکتے۔"

رام ناتھ نے سوال کیا۔ "وہ آپ کے متعلق کیا خیال کرتی ہے؟"

"میں تمہیں بتانا بھول گیا، اس نے مجھے قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔"

"پھر تو اس کی حالت آپ کی نسبت زیادہ قابلِ رحم ہے۔"

"وہ کیوں؟"

"وہ آپ سے محبت کرتی ہے۔"

"تم سچ مچ شاعر ہو۔ اب کوئی اور بات کرو۔"

طلوعِ آفتاب کے وقت رنبیر واپس گھر پہنچا تو معلوم ہوا کہ نرملا جا چکی ہے۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ اپنے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا تو کسی نے اندرونی صحن میں کھلنے والے دروازے پر دستک دی۔

"کون ہے؟" رنبیر نے کہا۔

نرملا کی ایک خادمہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک تھیلی تھی۔ اس نے کہا۔ "یہ تھیلی مجھے نرملا دے گئی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ آپ کے پاس پہنچا دوں۔ اس میں وہی زیور ہیں جنھیں آپ نے اس دن واپس لینے سے انکار کر دیا تھا۔"

رنبیر نے کہا۔ "تم نے اس سے کیوں لیے؟"

"میں نے اُسے کہا تھا کہ آپ خفا ہوں گے لیکن وہ پھینک کر چلی گئی۔"

"بہت اچھا، اسے اپنے پاس رکھو۔"

نوکرانی نے کہا۔ "اور ہمارے متعلق آپ کا کیا حکم ہے؟"

"کیسا حکم؟"

"ہمارے یہاں رہنے کے متعلق۔"

"اگر تم یہاں رہنا چاہو تو مجھے خوشی ہوگی۔"

خادمہ دعائیں دیتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

نئی منازل

چند دن بعد دوپہر کے وقت رنبیر اور رام ناتھ محل کے بیرونی صحن میں ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تھے۔ رام ناتھ ہلکے ہلکے سروں میں گا رہا تھا۔

رنبیر نے کہا "رام ناتھ! ذرا بلند آواز میں گاؤ۔"

رام ناتھ نے جواب دیا "گانا کیسا، اب تو آواز گلے سے باہر ہی نہیں نکلتی۔"

کچھ دیر دونوں خاموش رہے۔ پھر رنبیر نے کہا "رام ناتھ! میں چاہتا ہوں کہ تم یہاں رہو اور میں سومنات ہو آؤں۔"

"آپ تنہا وہاں جا کر کیا کریں گے؟"

"ممکن ہے میں وہاں تمہارے اور روپ وتی کے ملاپ کا کوئی راستہ معلوم کر سکوں۔"

رام ناتھ نے جواب دیا "یہ کام بہت مشکل ہے لیکن اگر آپ کوئی صورت پیدا کر بھی لیں تو بھی یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں اپنی جان کے خوف سے آپ کو وہاں جانے دوں؟ موجودہ حالات میں آپ کو سب سے پہلے اپنی بہن کو تلاش کرنا چاہیے۔"

رنبیر نے مغموم لہجے میں کہا "میری بہن اگر قنوج کی حدود میں ہوتی تو اب تک

مجھے اس کا سراغ ضرور مل چکا ہوتا۔ مجھے ابھی تک قطعی طور پر یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ زندہ بھی ہے یا نہیں۔"

رام ناتھ نے ڈیوڑھی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "دیکھیے شمبو ناتھ آ رہا ہے۔"

رنبیر نے چونک کر ڈیوڑھی کی طرف دیکھا۔ سامنے شمبو ناتھ آ رہا تھا۔

شمبو ناتھ ابھی چند قدم دور ہی تھا کہ رنبیر نے پوچھا "چچا شمبو! انھیں پہنچا آئے؟"

"جی مہاراج!" اس نے ہاتھ باندھ کر آگے بڑھتے ہوئے جواب دیا۔

"راستے میں کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی۔"

"نہیں مہاراج!"

"جے کرشن سے ملے تھے؟"

"نہیں مہاراج! وہ کہیں باہر گیا ہوا تھا۔ نرملا کا ماموں گھر میں تھا اور وہ کہتا تھا کہ اگر میں بیمار نہ ہوتا تو تمہارے سردار کے چرن چھونے جاتا۔ اس کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ جے کرشن سے بہت نفرت کرتا ہے۔ نرملا نے آپ کے نام ایک خط دیا ہے۔" یہ کہہ کر شمبو ناتھ نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک خط نکال کر رنبیر کو پیش کر دیا۔ رنبیر نے خط کھول کر پڑھا۔ نرملا نے لکھا تھا:

"ماموں جان نے حکم دیا ہے کہ میں خط لکھ کر آپ کا شکریہ ادا کروں۔ اگر پتا جی یہاں موجود ہوتے تو شاید یہ خط ان سے لکھوایا جاتا۔ آپ نے مجھ سے جو نیک سلوک کیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ بھگوان آپ کو اس کا بدلہ ضرور دے گا اور جس طرح میں اپنے ماموں کے ہاں پہنچ گئی ہوں اسی طرح کسی دن آپ کی بہن بھی آپ کے پاس پہنچ جائے گی۔ آپ اس کی تلاش جاری رکھیں۔ میں آپ کو ایک بار پھر اس بات کا یقین

دلاتی ہوں کہ آپ کی بہن کے غائب ہونے میں میرے پتاجی کا کوئی
ہاتھ نہیں۔

میرے اور آپ کے خاندان کے درمیان نفرت کی جو خلیج حائل
ہو چکی ہے۔ اسے پاٹنا میرے بس کی بات نہیں لیکن اس کے باوجود
میں بھگوان سے ہمیشہ یہ دعا کروں گی کہ آپ کی بہن جلد آپ کو مل
جائے۔

نرملا"

رنبیر نے خط پڑھ کر رام ناتھ کو دے دیا اور خود گہری سوچ میں پڑ گیا۔ تھ
دیر بعد رام ناتھ نے خط واپس دیتے ہوئے کہا" میرے دوست! اس خط کا ہر لفظ
بتا رہا ہے کہ وہ تم سے پریم کرتی ہے۔"

رنبیر نے قدرے جوش میں آکر کہا" نہیں رام ناتھ! اُسے یہ غلط فہمی ہو گئی
کہ میں اس کی باتوں میں آکر اپنے باپ کے قاتل کو بھول جاؤں گا۔ جے کرشن جیسے
سنگدل انسان کے متعلق میں یہ کیسے سوچ سکتا ہوں کہ اگر میری بہن اس کے ہا
میں آجاتی تو وہ اس کے ساتھ شرافت سے پیش آتا۔ میں وہ وقت بھی کیسے بھول
سکتا ہوں جب اس کے ہاتھ میری شہ رگ تک پہنچ چکے تھے۔ جے کرشن نے
جس زمین میں کانٹے بوئے ہیں میں وہاں کیونکر پھول تلاش کر سکتا ہوں۔ تمھیں مے
سامنے پریم کا ذکر نہیں کرنا چاہیے۔ اس سے میری غیرت کو ٹھیس لگتی ہے۔ میں نے
نرملا سے جو سلوک کیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں اس کے باپ کی طرف دوستی کا ہاتھ
بڑھانا چاہتا ہوں۔"

رام ناتھ نے نادم سا ہو کر کہا" معاف کیجیے مجھ سے غلطی ہوئی۔"
رنبیر نے شمبھو ناتھ کی طرف متوجہ ہو کر کہا" چچا شمبھو! جاؤ اب تم آرام کرو۔"

شمبھو ناتھ چلا گیا۔ رنبیر اور رام ناتھ کچھ دیر خاموش بیٹھے رہے۔ بالآخر رام ناتھ نے
کہا" اب آپ کا کیا ارادہ ہے؟"
رنبیر نے جواب دیا" میرا ارادہ ہے کہ میں قنوج کے مشرقی اور جنوبی علاقوں
میں شکنتلا کو دوبارہ تلاش کروں اور اس کے بعد بھیس بدل کر کالنجر جاؤں۔ ممکن ہے
جے کرشن نے وہاں کسی آشرم یا مندر میں پناہ لے رکھی ہو۔"

(۲)

اگلے دن رنبیر اور رام ناتھ چند نوکروں کے ساتھ قنوج کی مشرقی سرحد کی
طرف روانہ ہو گئے۔ کوئی تین ہفتوں میں انھوں نے کئی شہر اور گاؤں چھان مارے
لیکن شکنتلا کا کوئی سراغ نہ ملا۔ چوتھے ہفتے وہ جنوبی سرحد کے شہروں اور بستیوں
کا دورہ کر رہے تھے کہ رام ناتھ بیمار ہو گیا۔ رنبیر نے اسے ایک گاؤں میں ٹھہرا دیا
اور شمبھو ناتھ کو اس کی تیمار داری کے لیے چھوڑ کر خود آگے روانہ ہوا۔
پندرہ دن تک ایک وسیع علاقے میں گھومنے کے بعد رنبیر واپس آگیا۔ اب
رام ناتھ کا بخار اتر چکا تھا۔ اس نے کالنجر کے سفر میں رنبیر کا ساتھ دینے پر آمادگی
ظاہر کی لیکن رنبیر نے اُسے سمجھایا" تم ابھی بہت کمزور ہو اور میرا یہ سفر بہت دشوار
ہوگا۔ میں ایک سنیاسی کا بھیس بدل کر وہاں جا رہا ہوں۔ مجھے روزانہ کئی کئی
کوس پیدل چلنا پڑے گا۔ شمبھو ناتھ کے سوا میں کسی نوکر کو بھی ساتھ نہیں
لے جاؤں گا۔ تم باقی نوکروں کے ساتھ واپس چلے جاؤ اور چند دن میرے گھر میں
آرام کرو۔ میں واپس آتے ہی سومنات روانہ ہو جاؤں گا۔" رام ناتھ نے اس
کے ساتھ جانے پر اصرار کیا لیکن رنبیر نے اُسے مجبور کر کے باقی نوکروں کے ہمراہ
واپس بھیج دیا۔

قریباً ڈیڑھ ماہ رنبیر اور شمبوناتھ سنیاسیوں کے بھیس میں کالنجر کے
میں گھومتے رہے۔ انھوں نے کالنجر کے تمام مشہور مندر اور آشرم دیکھ ڈ
شکنتلا کا کہیں پتہ نہ چلا۔ اس کے بعد جب وہ دونوں گاؤں پہنچے تو رنبیر کو
کی زبانی معلوم ہوا کہ رام ناتھ بیس دن قبل کہیں جا چکا ہے اور اس کے
چھوڑ گیا ہے۔ رنبیر نے جلدی سے خط کھولا۔ رام ناتھ نے لکھا تھا:

"میرے دوست!

میں آپ کی اجازت کے بغیر جا رہا ہوں اور آپ کو یہ بتانے
ضرورت نہیں کہ میری منزل کہاں ہے۔ مجھے یہ گوارا نہ تھا کہ آپ
بہن کی تلاش چھوڑ کر میری خاطر وہاں جائیں۔

آپ سے التجا ہے کہ آپ میرا پیچھا نہ کریں۔ مجھے ڈر ہے کہ وہا
میری نسبت آپ کو پہچاننے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگی۔
ہے کہ اس علاقے کے کئی آدمی وہاں پہنچ چکے ہوں اور آپ
بھیس بدل کر بھی ان کی نگاہوں کو دھوکا نہ دے سکیں۔ میں ایک
آدمی ہوں اور انسانوں کی بھیڑ میں چھپ سکتا ہوں اور اگر مجھے
نے پہچان لیا تو بھی رُوپ وتی کے بغیر اب میرے لیے زندگی کی
قیمت نہیں۔ اگر میں زندہ رہا تو کبھی نہ کبھی ضرور آؤں گا۔
آپ کا دوست

(۳)

عبدالواحد قنوج کے قلعہ میں مقیم تھا۔ ایک دن وہ اپنے دفتر
کہ ایک سپاہی اندر داخل ہوا اور اس نے ادب سے سلام کرنے

"حضور! سردار رنبیر آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہتے ہیں۔"
عبدالواحد نے چونک کر جواب دیا۔ "انھیں فوراً یہاں لے آؤ۔"
تھوڑی دیر بعد رنبیر کمرے میں داخل ہوا۔ عبدالواحد نے اُٹھ کر گرمجوشی سے
مصافحہ کیا اور اپنے قریب ایک کرسی پر بٹھاتے ہوئے کہا۔ "اچھا ہوا کہ تم آگئے،
میں تمھارے گاؤں جانے کا ارادہ کر چکا تھا۔ بہن کا کچھ پتہ چلا؟"
"نہیں۔" رنبیر نے مایوسی کی حالت میں گردن جھکاتے ہوئے جواب دیا۔ "میں
نے قنوج کا کونہ کونہ چھان مارا ہے لیکن اس کا کوئی سُراغ نہیں ملا۔"
عبدالواحد نے کہا۔ "مجھے بہت افسوس ہے۔ میں بھی اپنی طرف سے ہر ممکن
کوشش کر چکا ہوں۔ اس سلسلے میں قنوج کے ہر سردار نے مجھ سے تعاون کیا
ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ قنوج میں نہیں ہے۔"
رنبیر نے کہا۔ "میں ایک سادھو کا بھیس بدل کر کالنجر گیا تھا لیکن کئی ہفتے
اِدھر اُدھر بھٹکنے کے بعد بھی کچھ پتہ نہیں چلا۔ مقامی حکومت کا تعاون حاصل کیے
بغیر میرے لیے ہر گھر کا دروازہ کھٹکھٹانا ممکن نہ تھا۔"
عبدالواحد نے کہا۔ "تمھیں مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ وہ دن دور نہیں جب
تمام ریاستوں کی حکومتیں تمھاری بہن کی تلاش اپنا اوّلین فرض سمجھیں گی۔ خدا کی
ذات پر بھروسہ رکھو۔ اگر وہ زندہ ہے تو کسی دن تمھیں ضرور مل جائے گی۔ ہاں!
تمھارا دوست رام ناتھ کہاں ہے؟"
"رام ناتھ سومنات جا چکا ہے اور میں بھی اب وہاں جانے کا ارادہ کر چکا ہوں۔
مجھے یہ خیال آتا ہے کہ شاید شکنتلا بھی وہیں چلی گئی ہو۔ کچھ عرصہ سے اس
ملک کے لوگوں نے اپنی تمام امیدیں سومنات سے وابستہ کر دی ہیں۔ جن دنوں
آپ کے حملے کا خدشہ تھا، کئی سرداروں نے اپنی نوجوان لڑکیوں کو سومنات

بھیج دیا تھا۔ ممکن ہے شکنتلا کچھ مدت اِدھر اُدھر بھٹکنے کے بعد کسی قافلے میں شامل ہو کر سومنات پہنچ گئی ہو۔ اُسے بچپن میں سومنات کا مندر دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ ہمارے پڑوس میں ایک سردار کی لڑکی اس کی سہیلی تھی اور اس کے باپ نے اُسے تعلیم حاصل کرنے کے لیے وہاں بھیج دیا تھا۔ ایک سال بعد جب وہ اپنے گھر آئی تو وہ ناچ گانے میں اپنے کمالات کے باعث تمام علاقے کی لڑکیوں کے لیے باعثِ رشک بن چکی تھی۔ پچھلے دنوں جب میں اپنی بہن کی اس سہیلی سے ملا تو اس نے بھی مجھے یہی بتایا کہ شکنتلا کو واقعی سومنات دیکھنے کا بہت شوق تھا اور پتاجی نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ جب میں قید سے رہا ہو کر واپس آؤں گا تو ہم سب سومنات کی یاترا کو جائیں گے۔ اب میں سوچتا ہوں کہ شاید میری بہن یاتریوں کے کسی قافلے کے ساتھ سومنات پہنچ گئی ہو۔"

عبدالواحد نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔ "میرے خیال میں اس کا وہاں پہنچنا ممکن نہیں۔ تم سے دوبارہ ملنے کی اُمید پر اس نے اتنی دور جانا گوارا نہیں کیا ہوگا۔"

رنبیر نے کہا۔ "میں خود بھی یہ محسوس کرتا ہوں کہ میں اپنے آپ کو فریب دے رہا ہوں لیکن اس قسم کے فریب ہی میری زندگی کا سہارا ہیں۔ میں سومنات جانے کا فیصلہ کر چکا ہوں اور اس فیصلے کی بڑی وجہ رام ناتھ ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اس نے سومنات کے ایک پجاری کو قتل کر دیا تھا۔ اس لیے میری کوشش یہ تھی کہ اس کی جگہ میں وہاں جاؤں لیکن وہ کالنجر سے میری واپسی کا انتظار کیے بغیر چلا گیا اور اب چار مہینے ہو چکے ہیں۔ مجھے اس کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں ملی۔ مجھے ڈر ہے کہ وہ کسی مصیبت میں گرفتار نہ ہو گیا ہو۔ اس لیے فوراً میرا وہاں پہنچنا ضروری ہے۔ شکنتلا کی تلاش تو دل کو تسلی دینے کا ایک بہانہ ہے۔"

عبدالواحد نے کہا۔ "رنبیر! کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ قدرت اپنا

ظاہر کیے بغیر بعض لوگوں کو کسی کام پر لگا دیتی ہے۔ سومنات تم جا نہیں رہے بلکہ تمہیں بھیجا جا رہا ہے۔ سومنات ان تاریکیوں کی آخری جائے پناہ ہے۔ جن کے خلاف ہم برسرِ پیکار ہیں۔ وہاں جا کر شاید تم یہ محسوس کرو کہ سومنات کی تسخیر اس ملک کے مستقبل کے لیے سلطان محمود کی باقی فتوحات کی نسبت زیادہ اہم ہے۔ سلطان کے دل میں سومنات کی تسخیر کا عزم بیدار کرنے کے لیے اس ملک کے برہمنوں کا یہ مشہور کر دینا کافی ہے کہ سومنات ناقابلِ تسخیر ہے۔ میں تمہیں یہ نہیں بتا سکتا کہ سلطان کب سومنات کا رُخ کرے گا لیکن اگر حالات نے اسے مہلت دی تو وہ کسی نہ کسی دن وہاں ضرور پہنچے گا۔ سرِدست وہاں کے حالات کے متعلق باخبر رہنا ہمارے لیے ضروری ہے۔ تمہیں وہاں ایسے آدمی ملیں گے جو برسوں سے سلطان کی راہ دیکھ رہے ہیں اور ان کی مدد سے تم وہاں بہت کچھ کر سکو گے۔ گجرات میں عرب کے مسلمان تاجروں کی کئی بستیاں تھیں لیکن اب سومنات کے پجاریوں کے مظالم کے باعث مسلمانوں کی اکثریت مالابار اور سندھ میں پناہ لے چکی ہے۔ اور جو مسلمان ابھی تک وہاں موجود ہیں، وہ اچھوتوں سے بدتر زندگی گزار رہے ہیں۔ سلطان ان لوگوں کی مظلومیت کی داستانیں سُن چکا ہے۔ پچھلے چند برس میں کئی وفد اس کے پاس آ چکے ہیں۔ گجرات کا ایک پر اسرار شخص ان لوگوں کی راہنمائی کر رہا ہے۔ وہ ایک سادھو کے بھیس میں شہر سے باہر ماہی گیروں کی ایک چھوٹی سی بستی میں رہتا ہے۔ اس کا اصلی نام عبداللہ ہے لیکن عوام میں وہ بھگوان داس کے نام سے مشہور ہے۔ تھانیسر کے محاصرے کے دوران میں جب وہ ایک وفد کے ساتھ سلطان کے پاس آیا تھا تو میں اس سے ملا تھا۔ اس کے ساتھیوں میں سے چند آدمی واپس جانے کی بجائے ہماری فوج میں شامل ہو گئے تھے اور ان میں سے ایک عالم کے مبلغ کی حیثیت سے یہاں رہتا ہے۔ وہ تمہیں عبداللہ کے متعلق تمام

معلومات بہم پہنچا دے گا۔ مجھے یقین ہے کہ کسی مشکل کے وقت عبداللہ تمہارا
بہترین مددگار ثابت ہوگا۔ اگر تمھیں نہیں تو شاید رام ناتھ کو کبھی اس کی ضرورت پڑے۔
اپنے قیام کے دوران میں اگر تم سومنات کی دفاعی قوت کے متعلق صحیح اعداد و شمار
فراہم کر سکو تو یہ بہت بڑی خدمت ہوگی۔ میں عبداللہ کی وساطت سے تمہارے
ساتھ رابطہ قائم رکھوں گا۔ تمھاری غیر حاضری میں تمھاری بہن کی تلاش میں میری طرف
سے کوئی کوتاہی نہیں ہوگی۔ مجھے امید ہے کہ سلطان شمال کی مہمات سے فارغ ہو کر
ہی کالنجر اور گوالیار کا رُخ کرے گا اور ان ریاستوں کی تسخیر کے بعد میں تمھاری بہن
کی تلاش کے لیے مقامی عوام اور سرداروں کا تعاون حاصل کر سکوں گا۔"

زبیر نے کہا۔ "مجھے خوشی ہے کہ آپ نے میرے سفر کا مقصد وسیع کر دیا ہے
لیکن میرے دل پر ایک بوجھ ہے اور میں جانے سے پہلے آپ سے چند باتیں
ضروری سمجھتا ہوں۔"

"کہیے!"

"مجھے یہ کہتے ہوئے تکلیف ہوتی ہے کہ سلطان کی فتوحات نے ابھی تک
نتائج پیدا نہیں کیے جن کی مجھے توقع تھی۔ اس نے ظلم کی بوسیدہ عمارتوں کو گرایا
ہے لیکن ان کی جگہ وہ عمارت ابھی تک تعمیر نہیں ہوئی جس کے اندر دائمی امن
عدل و انصاف کے متلاشی پناہ لے سکیں۔ اس نے کانٹوں کو روندا ہے لیکن
ہوئے پھولوں کی آبیاری نہیں کی۔ اُس نے فتوحات حاصل کی ہیں لیکن اس
کے عوام ان فتوحات کے انعامات سے ابھی تک محروم ہیں۔ کیا یہ صحیح نہیں
اس ملک میں جو انقلاب اس کی آمد سے پیدا ہوا ہے اس کے اثرات سطحی
ہیں۔ وہ اس سرزمین کی بھیانک تاریکیوں کے لیے ایک نئی صبح کا آفتاب نہیں
بلکہ ایک ایسا ستارہ ہے جو آسمان سے ٹوٹتا ہے اور دیکھنے والوں کی نگاہوں

کے لیے خیرہ کرنے کے بعد روپوش ہو جاتا ہے؟
آپ اس حقیقت سے انکار نہیں کریں گے کہ قنوج کے راجہ کی شکست کے باوجود
یہاں کے باشندے ایک استبدادی نظام کی گرفت سے آزاد نہیں ہوئے۔ سلطان
کے خوف نے جن سرداروں کو اس کی اطاعت پر مجبور کر دیا ہے وہ لوگوں پر اُسی
طرح مسلط ہیں اور جب سلطان کا خوف اُٹھ جائے گا تو لوگوں پر عدل و انصاف کے
جو دروازے آپ نے کھولے ہیں وہ پھر بند ہو جائیں گے اور برہمن ایک بار پھر
لوگوں کی گردن پر سوار ہو جائے گا۔ آپ اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہوں گے کہ
قنوج کے کئی سردار جن پر آپ نے اعتماد کیا تھا، پھر راجہ گنڈا سے ساز باز کر
رہے ہیں؟"

عبدالواحد نے جواب دیا۔ "مجھے سب کچھ معلوم ہے لیکن میں ان باتوں سے
پریشان نہیں، جو کام قدرت نے سلطان کو سونپا ہے وہ پورا ہو رہا ہے۔ اس نے
ایسے حالات پیدا کر دیے ہیں جو ایک نئے نظام کے لیے سازگار ہیں، ان حالات
سے فائدہ اُٹھانا میرا اور آپ کا کام ہے۔ اس نے استبداد کے قلعوں کو مسمار کیا ہے
تاکہ اس ملک کے معمار ایک نئی عمارت کی بنیاد رکھ سکیں۔ اس نے ظلم کے پرچم
سرنگوں کیے ہیں تاکہ ہم عدل و انصاف اور مساوات کے جھنڈے لہرا سکیں۔ اس
نے انسان کو پستی اور ذلت کی طرف دھکیلنے والے دیوتاؤں کی مورتیاں توڑی ہیں
تاکہ ہم انسانیت کا بول بالا کر سکیں۔ وہ ایک سیلاب کی لہر ہے جو اپنی تندی و تیزی
سے دریاؤں اور ندیوں کے لیے گزرگاہیں تیار کرتی ہے۔ تم دیکھو گے کہ ظلم
پر اس کی ضرب آخری ضرب نہیں ہوگی، اس نے جو راستے ہموار کیے
ہیں وہ کئی فاتحین کو اس ملک میں آنے کی دعوت دیتے رہیں گے۔ غزنی اور ہندوستان
اس کے پاؤں کے نشان کسی دن ایک ایسی شاہراہ کا کام دیں گے جس

پر ہماری آنے والی نسلیں نت نئے قافلے دیکھیں گی۔ ان مسافروں کے
ہاتھوں میں تلواروں کی بجائے نورِ ہدایت کی مشعلیں ہوں گی۔ یہ لوگ
کے ساتھ مل کر اس عمارت کی تکمیل کریں گے جس کی بنیادیں کھودنے
نے سلطان کے سپرد کیا ہے۔

"اس وقت بھی افغانستان کے پہاڑوں اور گنگا کے میدانوں کے
کے سینکڑوں مبلغ آزادی کے ساتھ تبلیغ کر رہے ہیں اور وہ اس ملک کے
انسانوں کے دلوں پر دائمی فتح حاصل کر چکے ہیں۔ ان کی پُرامن فتوحات
ان فتوحات کی نسبت کہیں زیادہ دور رس ہوں گے جو سلطان نے
کی ہیں۔ ہندوستان سے باہر اسلامی ممالک کے مؤرخ شاید سلطان محمود کو
ایک اولوالعزم فاتح کی حیثیت سے یاد کریں لیکن جب اس ملک کے مؤرخ
فتوحات کے قصے لکھیں گے تو وہ اس حقیقت کو کبھی فراموش نہ کر سکیں گے
ایک نئے زمانے کا نقیب اور ایک نئی روشنی کا مشعل بردار تھا۔ اس نے
میں صرف مغرور بادشاہوں کی گردنیں نہیں جھکائیں بلکہ ان بتوں کا طلسم
ہے جن کی خدائی میں انسانیت کے ابھرنے کا کوئی امکان نہ تھا۔
درست ہے کہ سلطان نے اس ملک کے مفتوحہ علاقوں پر قبضہ کر کے ان
اپنے ہاتھ میں نہیں لیا لیکن تمہیں اس کی مجبوریوں کو نظر انداز نہیں کرنا
نے اپنی زندگی کے بیشتر ایام گھوڑے کی زین پر گزارے ہیں۔ اس کی
آرام و سکون کے لیے کوئی مقام نہیں۔ اس کی منزل ہمیشہ کوئی
جہاں کشائی کے ان تھک ولولے نے اُسے جہاں بانی کا موقع ہی نہیں
مفتوحہ ممالک پر تسلط قائم رکھنے کے لیے اسے اپنی موجودہ فوج سے
کی ضرورت ہے۔ ہندوستان سے باہر اس کا تصادم ان قسمت آزماؤں

اقتدار کی مسندیں اپنے خاندانوں کی میراث سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں نے کبھی اُسے فراغت
سے بیٹھنے کا موقع نہیں دیا اور ہندوستان میں اس کا تصادم ایک ایسے سماج سے
ہے جس کا بااختیار طبقہ خدائی کا دعویٰ کرتا ہے۔ ان حالات میں سلطان کے
لیے ایک راستہ یہ تھا کہ وہ ایک محدود سے خطۂ زمین پر قابض ہو کر بیٹھ جاتا اور
اپنی زندگی اس کے انتظام میں صرف کر دیتا۔ پھر شاید اس کی نگاہ شمال اور جنوب
کے دور افتادہ ممالک کی طرف نہ اٹھتی لیکن اس نے اپنے لیے دوسرا راستہ منتخب
کیا ہے۔ یا یوں کہیے کہ قدرت نے اُسے ایک حکمران کی مسند پر بٹھانے کی بجائے
ایک سپاہی کے فرائض انجام دینے کے لیے منتخب کیا ہے۔ ایک سپاہی کی
حیثیت سے اس کی کامیابی کا راز اپنی ساری فوجی قوت کو ایک مرکز پر جمع رکھنے
میں ہے۔

"فرض کیجیے اگر وہ ابتدائی حملوں کے ساتھ ہی لمغان اور دریائے سندھ کے
درمیان وسیع علاقوں پر قبضہ جمانے کی کوشش کرتا تو اُسے اپنی فوج کی ایک
بڑی تعداد وہاں رکھنی پڑتی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ مرکز میں اس کی طاقت کمزور ہو
جاتی۔ پھر ایک طرف شمال کے ممالک میں دبے ہوئے عناصر اس کے خلاف
اٹھ کھڑے ہوتے اور دوسری طرف ہندوستان کی سلطنتوں کو اس کے خلاف
متحد ہونے کا موقع مل جاتا۔ چنانچہ ان خطرات سے بچنے کے لیے سلطان نے
اپنی قوت کو متحد رکھا۔ وہ ایک طرف قریباً ہر سال شمال کے دور افتادہ مقامات
پر فوج کشی کر کے اپنے حریفوں کو یہ تسلیم کرنے پر مجبور کرتا رہا کہ اس کی قوتِ
تسخیر میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی اور دوسری طرف ہندوستان میں وہ ہند کے
حکمران اور اس کے حلیفوں کو پے در پے ضربیں لگانے کے بعد اس نے اُن
کے حوصلے ہمیشہ کے لیے پست کر دیے۔ چنانچہ آج اس کے مٹھی بھر آدمی کسی،

بغاوت کے خطرے کے بغیر شمالی ہند کے علاقوں پر حکومت کر رہے ہیں۔ اگر تم
نے سلطان کو مہلت دی تو کسی دن یہی حالت وسطی ہندوستان کی ہو گی۔ اب جو
میں مٹھی بھر آدمیوں کے ساتھ قنوج میں ٹھہر گیا ہوں اور میرے خلاف کوئی بغاوت
نہیں ہوئی تو اس کی وجہ غزنی کے اس لشکر کا خوف ہے جو ہر سمت پوری قوت کے
کے ساتھ یلغار کرنے کے لیے تیار رہتا ہے۔

”میں ان سرداروں کے متعلق قطعاً پریشان نہیں جو سلطان کی اطاعت قبول
کرنے کے بعد پھر راجہ گنڈا سے اپنی امیدیں وابستہ کر چکے ہیں۔ راجہ گنڈا کے
اقتدار کے دن گنے جا چکے ہیں۔ اس کے اقتدار کے خاتمہ کے ساتھ ہی ان لوگوں
کی امیدیں بھی خاک میں مل جائیں گی لیکن اس کے باوجود اگر کچھ عرصہ تک سلطان
اپنے تمام مفتوحہ علاقوں پر پوری طرح قبضہ نہ جما سکا تو اس کی وجہ یہ ہو گی کہ سومنات
اس ملک کا آخری دفاعی حصار بن چکا ہے۔ سومنات کی شکست اس ملک کے
دیوتاؤں اور ان کے پجاریوں کی آخری شکست ہو گی۔ سومنات کا بت ہندوستان
کا سب سے بڑا بت ہے اور اسے توڑنے کے بعد اس ملک میں سلطان کا مقصد
پورا ہو جائے گا۔“

شکنتلا کی سرگذشت

شکنتلا اپنے بھائی کی واپسی اور گاؤں کے نئے حالات سے بے خبر کئی کوس
دور گوالیار کے ایک کسان کے ہاں اپنی زندگی کے دن گزار رہی تھی۔ جے کرشن کے
حملے کی رات اپنے محل سے فرار ہو کر اس نے تیر کر دریا عبور کیا لیکن اس کے بعد
اسے معلوم نہ تھا کہ اُسے کہاں جانا ہے۔ وہ رات بھر دریا کے کنارے کنارے چلتی
رہی۔ علی الصباح وہ تھکاوٹ سے چور ہو کر ایک جگہ بیٹھ گئی۔ طلوعِ آفتاب سے
تھوڑی دیر قبل پاس کی کسی بستی سے ایک عمر رسیدہ آدمی اور اس کی بیوی وہاں آ نکلے
اور شکنتلا سے تھوڑے فاصلے پر بیٹھ کر دوسرے کنارے سے کشتی کا انتظار کرنے
لگے۔ یہ عمر رسیدہ آدمی جس کا نام کیدار ناتھ تھا، گوالیار کا باشندہ تھا اور اپنی بیوی کے
ساتھ اپنے سالے کی لڑکی کی شادی میں یہاں آیا تھا اور اب یہ دونوں گوالیار واپس
جا رہے تھے۔ کیدار ناتھ کی بیوی نے ایک خوبصورت نوجوان لڑکی کو جس کے چہرے
پر حزن و ملال کے باوجود امارت ٹپک رہی تھی، تنہا دیکھا تو اپنے خاوند سے کہا۔
”معلوم ہوتا ہے یہ لڑکی کسی مصیبت میں ہے۔ اس کا چہرہ بتا رہا ہے کہ یہ کسی اچھے
خاندان کی ہے۔ دیکھو کتنی پیاری صورت ہے۔“

کیدار ناتھ نے جواب دیا۔ "جاؤ اس کا حال پوچھو۔"

کیدار ناتھ کی بیوی اٹھ کر شکنتلا کے پاس جا بیٹھی اور کہا۔ "بیٹی یہاں کیوں … رہی ہو؟"

"کچھ نہیں۔" شکنتلا نے جواب دیا۔

"تمھارا گھر کہاں ہے بیٹی؟"

شکنتلا نے سسکیاں لیتے ہوئے جواب دیا۔ "میرا کوئی گھر نہیں۔"

کیدار ناتھ کی بیوی نے اپنی چھوٹی سی گٹھری کھولی اور ایک چادر نکال کر … کے اوپر ڈالتے ہوئے کہا۔ "بیٹی تمھیں سردی لگ رہی ہو گی۔"

کیدار ناتھ بھی اٹھ کر قریب آ گیا اور بولا۔ "بیٹی تم کہاں جانا چاہتی ہو؟"

"مجھے معلوم نہیں۔" یہ کہتے ہوئے شکنتلا اٹھی اور ادھر ادھر دیکھنے کے بعد … طرف چل پڑی۔

"ٹھہرو بیٹی! شاید ہم تمھارے کسی کام آ سکیں۔" یہ کہتے ہوئے کیدار ناتھ نے آگے بڑھ کر شکنتلا کا ہاتھ پکڑ لیا۔

شکنتلا نے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے جانے … آپ میری مدد نہیں کر سکتیں۔ بھیڑیوں کی ایک فوج میرا پیچھا کر رہی ہے۔"

کیدار ناتھ نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "بیٹی! ایک راجپوت کا دھرم … بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ ایک کنیا کو مصیبت میں دیکھ کر منہ پھیر لے … کرو۔"

شکنتلا نے قدرے تذبذب کے بعد کہا۔ "آپ اس علاقے میں رہتے …"

"نہیں، ہم گوالیار کے رہنے والے ہیں۔ ہم اپنے ایک رشتہ دار کی … پر آئے تھے اور اب واپس جا رہے ہیں۔ اگر تمھیں اس علاقے میں کسی …

… ہے تو ہم تمھیں اپنے رشتہ داروں کے ہاں پہنچا دیتے ہیں، ان کا گاؤں یہاں سے صرف … کون پوچھے؟"

"نہیں، میں یہاں سے بہت دور جانا چاہتی ہوں۔"

دریا کے دوسرے کنارے سے ایک کشتی آ رہی تھی اور اس پر چند مردوں اور عورتوں کے علاوہ تین گھوڑے بھی لدے ہوئے تھے۔ کشتی کے قریب آتے ہی شکنتلا کو تین مسلح آدمی دکھائی دیے اور اس کے چہرے پر زردی چھا گئی۔ وہ چند ثانیے بے حس و حرکت کھڑی کیدار ناتھ اور اس کی بیوی کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر ڈوبی ہوئی آواز میں بولی۔ "یہ زمین میرے لیے تنگ ہو چکی ہے۔ شاید وہ مسلح آدمی میری تلاش میں آ رہے ہیں۔"

کیدار ناتھ نے کہا۔ "اب تمھارے لیے بھاگنے کی کوئی صورت نہیں۔ تم اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔ بھگوان تمھاری مدد کرے گا۔"

شکنتلا کچھ کہے بغیر سر جھکا کر بیٹھ گئی اور کیدار ناتھ کی بیوی نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے چادر کھینچ کر اس کے چہرے پر گھونگھٹ ڈال دیا۔

کشتی کنارے پر لگی اور مسلح آدمی نیچے اتر کر اپنے اپنے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ ایک سوار نے آگے بڑھ کر کیدار ناتھ سے سوال کیا۔ "تم کون ہو؟"

"جی میں ایک غریب کسان ہوں۔"

"کہاں سے آئے ہو اور تمھارے ساتھ کون ہیں؟"

"جی یہ میری بیٹی اور بیوی ہیں۔ ہم یہاں پاس ہی ایک گاؤں سے آئے ہیں۔ میں بیٹی کو اس کے سسرال سے اپنے گاؤں لے جا رہا ہوں۔"

"تمھارا گاؤں کہاں ہے؟"

"جی میرا گاؤں دریا کے پار کوئی دس کوس کے فاصلے پر ہوگا۔"

"تم کب سے یہاں ہو؟"

"جی ہم کافی دیر سے کشتی کا انتظار کر رہے تھے۔"

"تم نے اپنے راستے میں ایک نوجوان اور خوبصورت لڑکی کو تو نہیں دیکھا؟"

"جی نہیں۔"

مسلح آدمی ابھی کچھ اور کہنا چاہتا تھا لیکن اسے تھوڑی دور عورتوں اور... کی ایک ٹولی کشتی کی طرف آتی ہوئی دکھائی دی اور وہ گھوڑے کو ایڑ لگا کر... قریب جا پہنچا۔ وہ ان سے باتیں کر رہا تھا کہ اس کے باقی دو ساتھیوں نے بلند... میں کہا۔ "تم وقت ضائع کر رہے ہو۔ ہم نے بہت آگے نکل کر دریا عبور کیا... اس نے دریا پار کرتے ہی پڑوس کی کسی بستی میں چھپنے کی کوشش کی ہ... اب ہمیں اوپر کی طرف جانا چاہیے۔ ممکن ہے کہ پیارے لال اور اس کے س... اسے تلاش بھی کر چکے ہوں۔"

مسلح سوار دریا کے اوپر کی طرف چل پڑے اور شکنتلا، کیدار ناتھ اور اس... بیوی کے ساتھ کشتی پر سوار ہوگئی۔ دریا عبور کرنے کے بعد شکنتلا ایک بار پھ... اور پریشانی کی حالت میں کھڑی کیدار ناتھ اور اس کی بیوی کی طرف دیکھ ر...

کیدار ناتھ نے کہا۔ "چلو بیٹی! ہمارے ساتھ چلو۔"

شکنتلا نے کہا۔ "میں محسوس کرتی ہوں کہ بھگوان نے آپ کو میری مد... بھیجا ہے لیکن یاد رکھیے کہ آپ نے مجھے اپنی بیٹی کہا ہے۔"

"ہم تمہیں ہمیشہ اپنی بیٹی سمجھیں گے۔ چلو!"

شکنتلا ان کے ساتھ چل پڑی۔

(۲)

چند دن کے بعد شکنتلا کیدار ناتھ کے گھر پہنچ چکی تھی۔ کیدار ناتھ گوالیار کی...

...کے قریب ایک چھوٹی سی بستی میں رہتا تھا۔ وہ ایک معمولی حیثیت کا کسان تھا، لیکن اس کی شرافت اور تدبر کے باعث گاؤں کے لوگ اس کا احترام کرتے تھے۔ گاؤں کا ٹھاکر ایک با اثر آدمی تھا۔ آس پاس کی کئی بستیاں اس کی ملکیت تھیں۔ گوالیار کے راجہ کا وزیر اس کا رشتہ دار تھا اور علاقے کا ہر آدمی اس کے اشارے کو اپنے لیے حکم سمجھتا تھا۔ پڑوس کے سردار اس کے سامنے نوکروں کی طرح کھڑے ہوتے تھے لیکن کیدار ناتھ کا وہ بھی احترام کرتا تھا۔

شکنتلا کے آنے سے کیدار ناتھ اور اس کی بیوی خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے۔ اُن کے کوئی اولاد نہ تھی۔ وہ اپنے پڑوسیوں سے کہا کرتے تھے "صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔ بھگوان نے ہمیں بڑھاپے میں ایک ایسی لڑکی دی ہے جو چاند سے زیادہ سندر اور گنگا کے پانی سے زیادہ پوتر ہے۔ ہم بے اولاد تھے اور شکنتلا کا دنیا میں کوئی نہ تھا۔ بھگوان نے ہم پر دیا کی اور گنگا کے کنارے ہمیں ایک دوسرے سے ملا دیا۔"

چند دن میں شکنتلا کی خوبیوں کی شہرت ٹھاکر کے محل تک جا پہنچی۔ ٹھاکر کی بیوی نے کیدار ناتھ کی بیوی کو پیغام بھیج کر اُسے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ کیدار ناتھ کی بیوی شکنتلا کو بہترین لباس پہنا کر اس کے گھر لے گئی۔ اس ملاقات کے بعد ٹھاکر کی لڑکی بملا شکنتلا کی بے تکلف سہیلی بن گئی۔

شکنتلا کو یقین تھا کہ جے کرشن اُسے تلاش کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرے گا اور اگر اس نے یہ بات لوگوں پر ظاہر کر دی کہ وہ موہن چند کی بیٹی ہے تو ممکن ہے کہ کسی دن جے کرشن کے کانوں تک یہ بات پہنچ جائے۔ چنانچہ کیدار ناتھ اور اس کی بیوی کے سوا جب دوسرے لوگ اس کے ماضی کا تذکرہ چھیڑتے تو وہ انہیں صرف یہ کہہ کر ٹال دیا کرتی تھی کہ "دنیا میں میرا ایک بھائی کے سوا کوئی نہ تھا اور وہ بھی مسلمانوں کی قید میں ہے۔"

دو ماہ بعد کیدار ناتھ شکنتلا کے گاؤں کے حالات پتہ کرنے کے لیے گیا۔ اور واپس آکر رنبیر کے گرفتار اور فرار ہونے کے واقعات بتائے اور شکنتلا کو ہدایت کی کہ تمھیں آئندہ بھی کسی پر اپنا بھید ظاہر نہیں کرنا چاہیے۔ جے کرشن قنوج کے نئے راجہ کے دربار میں غیر معمولی اثر ورسوخ حاصل کر چکا ہے اور قنوج کا نیا راجہ اور گوالیار کا مہاراجہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اگر جے کرشن کو معلوم ہو جائے کہ تم یہاں ہو تو یہ گاؤں بھی تمھارے لیے محفوظ نہیں ہوگا۔ اس نے تمھارا سُراغ لگانے والے کے لیے بہت بڑا انعام مقرر کیا ہے اور علاقے کے تمام سردار اس کے طرفدار بن چکے ہیں۔ تمھارا بھائی دوبارہ اس علاقے میں پاؤں نہیں رکھ سکتا۔

اس کے بعد اپنے بھائی کے متعلق شکنتلا کی تشویش بڑھتی گئی۔ پھر ایک دن جب اس نے یہ خبر سنی کہ سلطان کی افواج قنوج اور باری کے نئے راجہ کو شکست دینے کے بعد کالنجر کا رُخ کر رہی ہیں تو اس نے کیدار ناتھ سے کہا۔ ”چچا! آپ ایک بار پھر میرے گاؤں ہو آئیں۔ کیا عجب میرا بھائی وہاں پہنچ چکا ہو۔ مجھے یقین ہے راجہ کی حمایت سے محروم ہونے کے بعد جے کرشن ہمارے گاؤں پر قابض نہیں رہ سکتا۔ میرا بھائی چین سے بیٹھنے والا نہیں۔ اس نے موقع ملتے ہی گاؤں پر حملہ کیا ہوگا۔ میرے بھائی نے دھرم کے لیے جو قربانیاں کی ہیں علاقے کے لوگ اس سے واقف ہیں۔ انھوں نے یقیناً اس کا ساتھ دیا ہوگا۔“

کیدار ناتھ نے کہا۔ ”میں خود بھی یہ محسوس کرتا ہوں کہ جے کرشن کی قماش کے لوگ قنوج کے نئے راجہ کے ساتھ ہی ملک چھوڑ کر بھاگ گئے ہوں گے۔ قنوج کے باشندے اپنے ان سرداروں کے سخت خلاف تھے جنھوں نے ترلوچن کو اپنے باپ کے خلاف بغاوت پر اکسایا تھا۔ میں وہاں ضرور جاؤں گا۔“

کیدار ناتھ اگلے دن ہی اپنے گاؤں سے روانہ ہو گیا۔ چند دن بعد قنوج کی حد میں پاؤں رکھتے ہی اس نے رنبیر کے گاؤں کے تازہ حالات سنے تو اسے بیحد تعجب ہوا وہ یہ ماننے کے لیے تیار نہ تھا کہ شکنتلا کا بھائی مسلمانوں کے ساتھ مل چکا ہے، اور ان کی اعانت کے لیے علاقے سے ایک فوج جمع کر کے کالنجر روانہ ہو چکا ہے لیکن راستے کی ہر بستی کے لوگوں نے اس بات کی تصدیق کی۔ اب اس کے سامنے سب سے اہم سوال یہ تھا کہ شکنتلا کو ان واقعات سے کس طرح آگاہ کرے۔ وہ بار بار اپنے آپ سے پوچھتا۔ کیا میں واپس جا کر شکنتلا کو یہ بتا سکوں گا کہ تمھارا بھائی اپنے دھرم اور وطن کا دشمن بن چکا ہے؟

رنبیر کے گاؤں پہنچ کر کیدار ناتھ نے کالنجر کے راجہ کی شکست کی خبر سنی تو اسے بہت صدمہ ہوا۔ رنبیر کے خلاف اُس کے دل میں پہلے ہی نفرت پیدا ہو چکی تھی۔ اب اس میں اور اضافہ ہو گیا۔ وہ گاؤں کے کسی آدمی کے ساتھ رنبیر کی بہن کا ذکر کیے بغیر دریا عبور کر کے اپنی بیوی کے رشتہ داروں کے ہاں چلا گیا۔ وہاں چند دن وہ ایک ذہنی کرب میں مبتلا رہا۔ کبھی اُسے یہ خیال آتا کہ وہ رنبیر کی آمد کا انتظار کیے بغیر لوٹ جائے اور کبھی اس کے ضمیر کی آواز اس ارادے کی مخالفت کرتی۔

چار دن بعد اُسے رنبیر کے گھر واپس آنے کی خبر ملی۔ اس کے ساتھ ہی جب اسے یہ معلوم ہوا کہ سلطان محمود نے رنبیر کو کالنجر کی جنگ میں مدد دینے کے صلہ میں علاقے کے تمام سرداروں کا سربراہ بنا دیا ہے تو اس کے دل میں نفرت کی جو آگ کسی حد تک دب چکی تھی پھر بھڑک اٹھی۔ اب اس کا آخری فیصلہ یہ تھا کہ میں دوبارہ رنبیر کے گاؤں نہیں جاؤں گا۔ میں اس سے نہیں ملوں گا۔ وہ ہمارے دھرم کے دشمنوں کے ساتھ ناطہ جوڑنے کے بعد شکنتلا جیسی دیوی کا بھائی کہلانے کا حقدار نہیں۔ شکنتلا کو اب یہی سمجھ لینا چاہیے کہ اس کا بھائی مر چکا ہے۔

کیدار ناتھ کی بیوی اپنے مکان کے صحن میں بیٹھی چرخہ کات رہی تھی۔ باہر
کے بچوں کا شور سنائی دیا۔ "چچا آگیا! چچا آگیا!" تھوڑی دیر بعد کیدار ناتھ صحن
ہوا اور اس نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ "شکنتلا کہاں ہے؟"

بیوی نے جواب دیا۔ "وہ ٹھاکر کی لڑکی کے پاس گئی ہے۔ آپ نے بہت
لگا دیے۔ اس کے بھائی کا پتہ چلا؟"

کیدار ناتھ نے جواب دینے کی بجائے سرکنڈے کا موڑھا گھسیٹ کر
کے قریب بیٹھ گیا۔ بیوی نے اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار دیکھ کر اپنا سوال
دہرانا مناسب نہ سمجھا اور چرخہ چھوڑ کر اٹھتے ہوئے بولی۔ "میں ابھی کھانا تیار کر
ہوں۔"

"نہیں، میں نے راستے میں ایک گاؤں سے کھانا کھا لیا تھا۔ صرف ٹھنڈا پانی
آؤ۔"

"دودھ لاؤں؟"

"نہیں، صرف پانی۔"

کیدار ناتھ کی بیوی پانی کا ایک کٹورا لے آئی اور اس کے قریب دوسرے
مونڈھے پر بیٹھ گئی۔ کیدار ناتھ نے پانی پینے کے بعد اس کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔
"مجھے ڈر ہے کہ اگر میں نے شکنتلا سے سچی بات کہہ دی تو اسے بہت صدمہ ہوگا۔"

"کیا ہوا؟" بیوی نے بدحواس ہو کر پوچھا۔

کیدار ناتھ نے جواب دیا۔ "اس کے بھائی نے اپنے گاؤں پر قبضہ کر لیا ہے
لیکن وہ مسلمانوں کے ساتھ مل چکا ہے قنوج پر مسلمانوں کا حملہ اسی کی غداری کا
نتیجہ تھا۔ کالنجر کی جنگ میں بھی اُس نے مسلمانوں کا ساتھ دیا ہے۔ اس کی کوشش

سے آس پاس کے تمام سردار مسلمانوں کی اطاعت قبول کر چکے ہیں اور انھوں نے
کالنجر کی جنگ میں مسلمانوں کا ساتھ دیا ہے۔"

بیوی نے کہا۔ "مجھے یقین نہیں آتا کہ شکنتلا کا بھائی ایسا ہو سکتا ہے۔ وہ تو اُسے
انسان کی بجائے دیوتا سمجھتی ہے۔ بھگوان کے لیے یہ باتیں شکنتلا سے نہ کہیں۔ وہ مر جائے
گی۔ لوگوں کے طعنے اس کے لیے ناقابلِ برداشت ہوں گے۔"

"لیکن اسے دھوکے میں رکھنا بھی تو ٹھیک نہیں۔"

بیوی نے جواب دیا۔ "اگر وہ ملیچھ ہو چکا ہے تو شکنتلا کے ساتھ اس کے تمام
رشتے ٹوٹ چکے ہیں۔ جیتے جی اس کے پاس جانا تو درکنار وہ مر کر بھی یہ گوارا نہ کرے
گی کہ ایسا بھائی اس کی لاش کو ہاتھ لگائے۔ بھگوان کے لیے آپ شکنتلا کو کچھ نہ بتائیں۔
صرف اتنا کہہ دیں کہ رنبیر ابھی گاؤں نہیں آیا۔ اس کے لیے یہ سوچنا زیادہ آسان ہوگا
کہ وہ مر چکا ہے۔ اگر یہ بات چھپی رہی تو ہم شکنتلا کو کسی اچھی جگہ بیاہ سکیں گے۔ ٹھاکر
کی بیوی کچھ عرصہ سے شکنتلا پر بہت مہربان ہے۔ ممکن ہے وہ اُسے اپنے لڑکے کے
لیے پسند کر لیں لیکن اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو گیا کہ وہ رنبیر جیسے بھائی کی بہن ہے تو پھر
اس کے لیے کوئی ٹھکانا نہ ہوگا۔"

کیدار ناتھ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ شکنتلا صحن میں داخل ہوئی اور آگے بڑھ کر جواب
طلب نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ کیدار ناتھ نے اُٹھ کر شفقت سے اُس کے
سر پر ہاتھ پھیرا اور مغموم لہجے میں کہا۔ "بیٹی! مجھے افسوس ہے کہ میں تمھارے لیے
کوئی خوشخبری لے کر نہیں آیا۔ تمھارے بھائی کا کوئی پتہ نہیں چلا۔"

شکنتلا نے گھٹی ہوئی آواز میں سوال کیا۔ "کیا آپ ہمارے گاؤں گئے تھے؟"

"ہاں! لیکن تمھارے بھائی کے متعلق مجھے کوئی اطلاع نہیں ملی۔"

"کیا ہمارے محل پر ابھی تک جے کرشن کا قبضہ ہے؟"

ایک ثانیہ کے لیے کیدار ناتھ کی ہمت جواب دے گئی لیکن بیوی کا اصرار
اس نے مرجھائی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "ہاں!"

شکنتلا کی آنکھوں میں آنسو چھلکنے لگے۔ کیدار ناتھ نے قدرے توقف کے کہا۔ "بیٹی! پہلی بار جب میں وہاں گیا تو مجھے معلوم ہوا کہ رات کے وقت تمھارے کو جے کرشن کے سپاہیوں سے چھڑانے والے مسلمان تھے۔ میں نے یہ بات تم اس لیے نہ بتائی کہ تمھیں دُکھ ہوگا۔ اس مرتبہ میں یہ سوچ کر وہاں گیا تھا کہ شاید سچ ہو اور مسلمانوں نے قنوج کی فتح کے بعد گاؤں پر قبضہ کرنے میں اُسے مدد ہو۔"

شکنتلا نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔ "میرے بھائی کے متعلق آپ کو ایک لمحہ کے لیے بھی یہ نہیں سوچنا چاہیے تھا۔ دنیا بدل سکتی ہے لیکن وہ نہیں بدل سکتا۔ اگر رنبیر مسلمانوں کی مدد سے بادشاہ بن جائے تو میں اس کے عالیشان محلات کی بھیک مانگ کر پیٹ پالنے کو ترجیح دوں گی۔"

(۴)

گاؤں کے ٹھاکر کی لڑکی بھاگونتی شکنتلا کی بے تکلف سہیلی بن چکی تھی۔ وہ دوسرے تیسرے دن شکنتلا کو اپنے گھر بلا لیا کرتی۔ قنوج سے کیدار ناتھ کی واپسی کے بعد شکنتلا چند دن بے حد مغموم رہی۔ بھاگونتی کی نوکرانی اسے دوبارہ بلانے کے لیے لیکن شکنتلا نے دونوں بار اُسے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں۔

ایک دن بھاگونتی خود اُس کے پاس آئی اور شکنتلا کو مجبور کر کے ساتھ لے بھاگونتی کے مکان میں داخل ہوتے ہی شکنتلا کو ایک نوجوان دکھائی دیا جو باہر کے دروازے کی طرف آ رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ لنگڑا کر چل رہا تھا۔

"کہاں جا رہے ہو بھیا؟" بھاگونتی نے قریب پہنچ کر سوال کیا۔
"ذرا باہر جا رہا ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

شکنتلا نے بھاگونتی کے بھائی کو دو بار پہلے بھی دیکھا تھا لیکن اُسے معلوم نہ تھا کہ وہ لنگڑا ہے۔ وہ اسے پہلی بار چلتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ چند قدم آگے جا کر اس نے بھاگونتی سے اس کے لنگڑا کر چلنے کی وجہ پوچھی۔ اس نے بتایا۔ "میرا بھائی جنگ میں زخمی ہو گیا تھا۔"

"کون سی جنگ میں؟" شکنتلا نے سوال کیا۔

"سرسوا کی جنگ میں گوالیار سے ایک فوج سرسوا کے راجہ کی مدد کے لیے گئی تھی۔ بھیا بھی اس فوج میں تھے۔ جنگ میں گھوڑے سے گر کر ان کی ٹانگ ٹوٹ گئی اور وہ قید ہو گئے۔ واپسی پر مسلمانوں نے بہت سے قیدیوں کو چھوڑ دیا لیکن میرے بھائی کو اپنے ساتھ لے گئے۔ نندنہ سے چند قیدی رہا ہو کر آئے اور انھوں نے ہمیں بتایا کہ بھیا نندنہ کے قلعے میں قید ہیں۔ پتا جی خود وہاں گئے اور فدیہ ادا کر کے بھیا کو قید سے چھڑا لائے۔"

"آپ کے بھائی نندنہ میں قید تھے؟" شکنتلا نے سوال کیا۔
"ہاں!"

"میرا بھائی بھی وہیں تھا۔ شاید اُس کے متعلق کچھ جانتے ہوں۔ ذرا اپنے بھائی صاحب کو بلائیے۔"

بھاگونتی نے فوراً بھائی کو بلانے کے لیے نوکرانی کو بھیجا اور خود شکنتلا کو لے کر ایک کمرے میں چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد بھاگونتی کا بھائی گلاب چند بھی وہاں شکنتلا نے اُسے دیکھتے ہی کسی تمہید کے بغیر سوال کیا۔ "میرا بھائی نندنہ کے قلعہ میں قید تھا۔ شاید آپ اُسے جانتے ہوں۔ اُس کا نام رنبیر تھا۔"

"رنبیر! وہ آپ کا بھائی تھا؟" گلاب چند نے شکنتلا کی طرف دیکھتے ہوئے
"تو کیا آپ اُسے جانتے ہیں؟"

گلاب چند نے جواب دیا۔ "ہاں! میں اُسے جانتا ہوں۔ قلعے کے تمام لوگ
جانتے تھے۔"

"آپ کو معلوم ہے کہ اب وہ کہاں ہے؟ بھگوان کے لیے مجھے بتائیے!"

گلاب چند نے جواب دیا۔ "اسے مجھ سے ایک ہفتہ پہلے رہا کر دیا گیا تھا۔ میں
حیران ہوں کہ وہ آپ کے پاس کیوں نہیں آیا۔"

شکنتلا نے کہا۔ "مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ رہا ہونے کے بعد گھر آیا تھا
لیکن ہمارے گاؤں پر ہمارے ایک دشمن کا قبضہ ہو چکا تھا۔ وہ دشمن کے ہاتھوں
گرفتار ہو گیا۔ لیکن بعد میں جان بچا کر کہیں بھاگ گیا۔ بھگوان جانے اب وہ کہاں
ہے؟"

گلاب چند کے استفسار پر شکنتلا نے قدرے تفصیل سے اپنی سرگزشت بیان کر
دی۔ گلاب چند کچھ دیر سوچتا رہا پھر شکنتلا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "آپ کا بھائی
ایسے ذلیل دشمن سے ہار ماننے والا نہیں۔ اگر وہ زندہ ہے تو ضرور دوبارہ نندنہ گیا
ہوگا۔ نندنہ کے قلعے کا حاکم اس پر بہت مہربان تھا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ ہر طرح
اس کی مدد کرے گا۔"

شکنتلا کا چہرہ اچانک غصّے سے تمتما اٹھا اور اس نے کہا۔ "میرا بھائی ایسا نہیں۔
وہ مسلمانوں کی مدد سے زندہ رہنے پر موت کو ترجیح دے گا۔"

گلاب چند نے اطمینان سے جواب دیا۔ "میں آپ کے بھائی کی توہین نہیں کر
رہا۔ اگر میں اس کی جگہ ہوتا تو ان حالات میں یہی کرتا۔ نندنہ کے قلعے کا حاکم ان لوگوں
میں سے تھا جنھیں ہر شخص اپنا دوست خیال کرتا ہے۔ آپ اگر نندنہ کے کسی

آدمی سے بات کریں تو وہ یہی کہے گا کہ وہ انسان نہیں دیوتا تھا۔ آپ کا بھائی بیمار تھا اور وہ
اس کی تیمارداری کے لیے آیا کرتا تھا۔ آپ کا بھائی زندگی سے مایوس ہو چکا تھا اور
انھوں نے اس کے دل میں زندہ رہنے کی تمنا پیدا کی تھی۔ پھر ایسے حالات میں جو آپ نے
بیان کیے ہیں، اس کا وہاں جانا تعجب کی بات نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ جن لوگوں نے
اسے دیکھا ہے ان میں سے اکثر دوبارہ مسلمانوں کے خلاف تلوار نہیں اُٹھا سکیں گے۔"

شکنتلا نے کہا۔ "اگر وہ نندنہ گیا ہوتا اور نندنہ کے حاکم نے اس کی مدد کی ہوتی تو
اب تک اُسے اپنے گاؤں پر قابض ہو جانا چاہیے تھا لیکن چچا کیدار ناتھ حال ہی
میں وہاں گیا تھا۔ اُسے بھیّا کا کوئی پتہ نہیں چلا۔"

گلاب چند نے کہا۔ "میں نے یہ نہیں کہا کہ وہ ضرور وہیں گیا ہے۔ ممکن ہے وہ
کسی دوست کے پاس چلا گیا ہو اور اپنا گاؤں دشمن کے قبضے سے چھڑانے کے لیے
وقت کا انتظار کر رہا ہو۔ بہرحال اگر وہ زندہ ہے تو کبھی نہ کبھی اپنے گاؤں ضرور آئے
گا۔ اگر ضرورت پڑی تو میں خود اس کی تلاش کے لیے جاؤں گا۔"

(۵)

کالنجر کے حکمران کو شکست دینے کے بعد سلطان کو اپنی وسیع سلطنت کے
[illegible] کے حالات نے جنوب کی طرف پیش قدمی جاری رکھنے کی اجازت نہ
دی اور اُسے اچانک واپس جانا پڑا۔ میدان سے فرار ہونے کے باوجود راجہ گنڈا کے
[illegible] نقصانات ایسے نہ تھے کہ وہ ہمت ہار کر بیٹھ جاتا۔ کالنجر کے قلعے کو وہ اب
تک ناقابلِ تسخیر خیال کرتا تھا۔ چنانچہ سلطان کی واپسی کے بعد اس نے ایک بار پھر
[illegible] کے ساتھ فیصلہ کن جنگ لڑنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

عبدالواحد قنوج میں تھا اور اس کی حیثیت ایک گورنر یا حاکم سے زیادہ ایک

مبلغ کی سی تھی۔ اس کا مقصد اہلِ قنوج کے دلوں پر سلطان کی سطوت اور طاقت کا رعب بٹھانے کی بجائے ان کا ایک ایسا ذہنی انقلاب پیدا کرنا تھا، جس کے بغیر اس کے نزدیک اہلِ ہند کی نجات ممکن نہ تھی۔

شاہی گھرانے کے اقتدار کے خاتمے کے بعد قنوج کے بیشتر سردار سلطان کی اطاعت قبول کر چکے تھے۔ بعض ایسے بھی تھے جنھوں نے کالنجر کے حکمران کے ساتھ اپنا مستقبل وابستہ کر رکھا تھا لیکن راجہ گنڈا کی پسپائی کے بعد وہ بھی یکے بعد دیگرے عبدالواحد کے پاس پہنچ کر سلطان کی اطاعت قبول کرنے لگے۔ انھیں یقین تھا کہ سلطان راجہ گنڈا اور اس کے حلیفوں پر آخری ضرب لگانے کے لیے پھر آئے گا۔

عبدالواحد ہر بااثر آدمی کو یہ تلقین کیا کرتا تھا کہ سلطان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے صرف زبانی اظہارِ اطاعت کافی نہیں۔ بلکہ عوام کی خوشنودی حاصل کرنا ضروری ہے۔ اس کے بغیر آپ اقتدار کی مسندوں پر قابض نہیں رہ سکتے۔ سلطان کے دربار میں اعلیٰ و ادنیٰ کی تمیز نہیں کی جائے گی۔ وہ جس ضابطۂ اخلاق پر ایمان رکھتا ہے وہ انسانوں کو بھیڑیوں اور بھیڑوں کی ٹولیوں میں تقسیم کرنے والے سماج کا جواز تسلیم نہیں کرتا۔

قنوج کے سردار عوام سے زیادہ عبدالواحد اور اس کی وساطت سے سلطان کو خوش کرنے کے لیے اپنی اپنی رعیت کی دوستی حاصل کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے تھے۔ عبدالواحد قنوج کے ہر گوشے میں جاتا۔ عوام کی شکایات سنتا اور سرداروں کو ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلاتا۔ اسلام کے مبلغین جن میں بعض ہندی نومسلم تھے۔ قنوج کے شہروں اور بستیوں میں توحید کا پیغام پہنچا رہے تھے۔ عبدالواحد کی طرح یہ لوگ بھی ناقابلِ اصلاح سرداروں کے خلاف عوام کی دادرسی کرتے تھے۔ ان حالات میں نیچ ذات کے لوگ صدیوں کے بعد

محسوس کر رہے تھے کہ اُن کے لیے عدل و انصاف کے دروازے کھل رہے ہیں، اونچی ذات کے نخوت کے قلعے مسمار ہو رہے تھے اور جھونپڑیوں میں بسنے والوں کے دلوں میں انسانی اخوت و مساوات کا شعور ابھر رہا تھا۔ دیوتاؤں کی سرزمین میں پہلی بار اچھوت کو یہ محسوس ہو رہا تھا کہ میں بھی ایک انسان ہوں۔

لیکن چند ماہ بعد اس بیداری کے خلاف ردِ عمل شروع ہو چکا تھا۔ وہ لوگ جنھوں نے صرف اقتدار کی مسندوں پر قابض رہنے کے لیے سلطان کی اطاعت قبول کی تھی اب آہستہ آہستہ محسوس کر رہے تھے کہ یہ نیا شعور ان کی نسلی برتری کے خلاف ایک کھلی بغاوت کا پیش خیمہ ہے۔ وہ ان انسانوں کو ابھرنے اور پنپنے کا موقع دے رہے ہیں جو کسی دن منو جی کے سماج کے دیوتاؤں کا مذاق اڑائیں گے۔ برہمن جس کی برتری کا راز اچھوت کی تذلیل میں تھا۔ راجپوت سرداروں سے کہیں زیادہ دوراندیش تھے اور بہت پہلے ہوا کا رخ دیکھ چکے تھے۔ وہ سرداروں کے پاس جاتے اور انھیں سمجھاتے کہ تمھارے اقتدار کے دن گنے جا چکے ہیں۔ اگر تم نے اس ملک میں مسلمانوں کے مذہب کو پھیلنے کا موقع دیا تو تمھیں کسی دن اونچے ایوانوں سے گھسیٹ کر اچھوت کے برابر کھڑا کر دیا جائے گا۔ اب بھی وقت ہے کہ سنبھل جاؤ اور اپنے دھرم کے دشمنوں کو بڑھنے اور پھولنے کا موقع نہ دو۔ راجہ کالنجر مسلمانوں کو اس ملک سے نکالنے کے لیے ایک ایسی فوج جمع کر رہا ہے جو سلطان محمود کے لشکر کو تنکوں کی طرح بہا لے جائے گی۔ تم فیصلہ کن جنگ میں اس کا ساتھ دینے کے لیے تیار رہو۔

برہمنوں کی ان سرگرمیوں کے باعث قنوج کے کئی سردار ایک بار پھر راجہ گنڈا کے ساتھ اپنا مستقبل وابستہ کر چکے تھے۔

صبحِ مسرّت

"وہ آرہے ہیں۔ وہ گوالیار کی سرحد عبور کر چکے ہیں۔ انھوں نے گوالیار کے قلعے [illegible] محاصرہ کر لیا ہے۔" لوگوں نے یکے بعد دیگرے یہ اطلاعات سنیں اور بیشتر اس کے [illegible] اپنی بدحواسی پر قابو پاتے، گوالیار کے طول و عرض میں یہ خبر مشہور ہو چکی تھی کہ [illegible] ارجن نے ہتھیار ڈال دیے ہیں۔

ٹھاکر کالرڈ کا گلاب چند اپنے علاقے سے آٹھ سو سپاہی لے کر راجہ کی مدد [illegible] لیے گیا ہوا تھا۔ گاؤں کے لوگ جنگ کی تفصیلات معلوم کرنے کے لیے اس کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔ بھاگونتی اپنے بھائی کے متعلق بہت پریشان تھی [illegible] کیدارناتھ نے اس کی دلجوئی کے لیے شکنتلا کو چند دن اس کے گھر رہنے کی اجازت دے دی تھی۔ ایک روز دوپہر کے وقت شکنتلا محل کے ایک کمرے میں بھاگونتی اور اس کی ماں سے باتیں کر رہی تھی کہ محل سے باہر گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دی۔ تینوں جلدی سے اُٹھ کر برآمدے میں آگئیں۔ اتنے میں ایک نوکر بھاگتا ہوا اندر آیا اور بلند آواز میں چلایا۔ "چھوٹے ٹھاکر آگئے۔"

تھوڑی دیر بعد گلاب چند اپنے باپ سے بغلگیر ہو رہا تھا۔ کچھ دیر دونوں [illegible]

[illegible] ہوتی رہیں پھر گلاب چند لنگڑاتا ہوا برآمدے کی طرف چل دیا۔

گاؤں کے لوگ گلاب چند کے ان ساتھیوں کے گرد جمع ہو رہے تھے جو محل سے باہر کھڑے تھے۔ بڑا ٹھاکر بھی انھیں دیکھنے کے لیے باہر نکل گیا۔ شکنتلا اس بات پر حیران تھی کہ شکست کے باوجود گلاب چند کے چہرے پر رنج و ملال کے کوئی [illegible] نہ تھے۔ اس نے اطمینان سے ماں کے پاؤں چھونے کے بعد شکنتلا کی طرف دیکھا [illegible] پھر بھاگونتی سے مخاطب ہو کر کہا۔ "میں تمھاری سہیلی کے لیے ایک اچھی خبر لایا ہوں۔"

"کیسی خبر؟" بھاگونتی نے سوال کیا۔

گلاب چند نے بھاگونتی کی بجائے شکنتلا کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔ "آپ کا بھائی زندہ ہے۔"

ایک ثانیہ کے لیے شکنتلا کی تمام حسیات سمٹ کر اس کی آنکھوں میں آگئیں [illegible] اس نے مسرّت اور اضطراب کے ملے جلے جذبات سے مغلوب ہو کر کہا۔ "وہ کہاں ہے؟ آپ کو اس کے متعلق کس نے بتایا؟"

گلاب چند نے اطمینان سے جواب دیا۔ "میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ وہ زندہ ہے۔ جس شخص نے مجھے اس کے متعلق یہ اطلاع دی تھی اس نے یہ بتانے سے انکار [illegible] وہ کہاں ہے۔ بہرحال وہ شاید کل تک خود ہی یہاں پہنچ جائے اور آپ کی پریشانی دور ہو جائے۔"

"وہ کون ہے؟"

"عبدالواحد جس نے آپ کے بھائی کو قید سے آزاد کیا تھا۔ وہ سلطان محمود [illegible] سے صلح کی شرائط لے کر راجہ کے پاس آیا تھا۔ جب وہ راجہ کے دربار سے [illegible] ہم نے ایک دوسرے کو دیکھتے ہی پہچان لیا۔ اس کے ساتھ مسلمانوں کی

فوج کے چند اور افسر تھے اور راجہ کا وزیر اور سیناپتی انھیں قلعے کے دروازے تک
چھوڑنے جارہے تھے۔ وزیر اور سیناپتی کی موجودگی میں میرے لیے اس سے بات کرنا
مشکل تھا لیکن اس نے مجھے دیکھتے ہی آگے بڑھ کر مصافحہ کیا۔ چند رسمی باتوں کے بعد
میں نے اس سے دریافت کیا "آپ کو رنبیر کے متعلق کچھ معلوم ہے؟"

اس نے جواب دیا "مجھے اس کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہے۔"

میں نے کہا "اس کی بہن ہمارے گاؤں میں پریشانی کے دن گزار رہی ہے۔ میں
اسے تلاش کرنا چاہتا ہوں۔"

اس نے حیران ہو کر میری طرف دیکھا اور میرا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا "میرے
ساتھ آؤ۔ ہم باہر نکل کر اطمینان سے باتیں کریں گے۔"

میں اس کے ساتھ باہر چل دیا۔ قلعے سے نکل کر اس نے آپ کے متعلق کئی
سوال پوچھے۔ میں نے اسے آپ کی سرگزشت سنادی۔ پھر اس نے کہا "رنبیر
کی بہن نے اپنے گاؤں سے اس کا پتہ کیوں نہ لگایا۔" میں نے اس کے جواب میں اسے
بتایا کہ کیدار ناتھ وہاں گیا تھا لیکن اس نے واپس آکر یہ اطلاع دی تھی کہ ابھی تک
گاؤں پر جے کرشن کا قبضہ ہے اور رنبیر کا کوئی پتہ نہیں۔ اس نے کہا "اگر کیدار ناتھ
وہاں گیا ہوتا تو کبھی ایسا نہ کہتا۔" میں نے اصرار کیا کہ کیدار ناتھ جھوٹ نہیں کہہ سکتا۔

اس کے بعد وہ کہنے لگا "میں ایک نہایت اہم خدمت تمھارے سپرد کرنا
چاہتا ہوں۔ تم فوراً اپنے گاؤں جاؤ اور جب تک میں وہاں نہیں پہنچتا، رنبیر کی
بہن کو اپنی حفاظت میں رکھو۔ اگر مجھے اجازت مل گئی تو میں کل تمھارے گاؤں پہنچ
جاؤں گا۔ ورنہ ایک اور مہم سے فارغ ہونے کے بعد وہاں آؤں گا۔ کیدار ناتھ کو
ہماری اس ملاقات کا علم نہ ہو تو بہتر ہے۔" میں نے اس سے بار بار یہ پوچھنے کی
کوشش کی کہ رنبیر کہاں ہے؟ لیکن اُس نے ہر بار یہ کہہ کر ٹال دیا کہ رنبیر

یہ لیکن میں اس کے متعلق ابھی یہ نہیں بتاؤں گا کہ وہ کہاں ہے۔ تم رنبیر کی بہن سے
صرف اتنا کہہ دو کہ میں ان کے بھائی کا دوست ہوں اور جب ملوں گا تو ان کی تمام
پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔ میں عبدالواحد کو گاؤں کا راستہ دکھانے کے لیے
اپنا ایک آدمی اس کے پاس چھوڑ آیا ہوں۔ ممکن ہے وہ کل صبح ہی یہاں پہنچ جائے
لیکن وہ چند گھڑیوں سے زیادہ نہیں ٹھہر سکے گا۔ اس لیے آپ کیدار ناتھ کے
ہاں جانے کی بجائے یہیں قیام کریں تو بہتر ہوگا۔"

گلاب چند کی باتوں سے اس کی ماں اور بہن کو یہ محسوس ہو رہا تھا کہ راجہ کی
شکست اور گوالیار کے مستقبل سے اُسے کوئی دلچسپی نہیں۔ وہ جس قدر اطمینان سے
کھلکھلا کے باتیں کر رہا تھا اس قدر بے چینی سے اس کی ماں اور بہن ایک دوسرے
کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ بالآخر ماں نے کہا "بیٹا! اب گوالیار کا کیا بنے گا؟"

گلاب چند نے اطمینان سے جواب دیا "ماتا! آپ گوالیار کے متعلق پریشان
نہ ہوں۔ گوالیار کا مستقبل اب بھی اس ملک کے راجہ اور اس کے درباریوں کے
ہاتھ میں ہے۔ اگر انھوں نے صلح کی شرائط کو پورا کیا تو گوالیار کو کوئی خطرہ نہیں۔
لیکن اگر انھوں نے پھر کوئی غلطی کی تو مسلمانوں کی ضرب بہت سخت ہوگی۔ گوالیار
کی بھلائی اسی میں ہے کہ وہ آئندہ مسلمانوں کے خلاف کسی لڑائی میں حصہ نہ لے۔"

بہن نے کہا "کیسی غلطی؟ کیا آپ کا یہ خیال ہے کہ گوالیار کے لوگوں کو
شکست کے بعد دوبارہ سر اُٹھانے کا خیال دل سے نکال دینا چاہیے۔"

گلاب چند نے جواب دیا "مجھے معلوم ہے کہ گوالیار کے عوام کچھ عرصہ بعد
مسلمانوں کو اپنا دشمن خیال نہیں کریں گے۔"

ماں نے مضطرب ہو کر کہا "بیٹا! کیا تمھارا خیال ہے کہ وہ اس شکست کی
ذلت بھول جائیں گے؟"

"ماتا! یہ گوالیار کے عوام کی شکست نہیں بلکہ اس سماج کی شکست ہے جو
چھوت اور اچھوت کی تفریق پر قائم ہے۔ یہ اس راجہ کی شکست ہے جس نے
اپنی رعایا کو رکھوالوں کی بجائے بھیڑیوں کے حوالے کر رکھا ہے۔ یہ [illegible]
کے ان برہمنوں کی شکست ہے جو اپنے سوا کسی کو انسان نہیں سمجھتے۔ اس شکست
کے اثرات صرف ان اونچے ایوانوں میں محسوس کیے جائیں گے جن کی بنیاد
عوام کی ہڈیوں پر رکھی گئی ہے۔ یہ ان دیوتاؤں کی شکست ہے جنھوں نے انسان
کے درمیان نفرت و حقارت کی دیواریں کھڑی کی ہیں۔ ایک برہمن یا کھشتری کو اس
بات کا افسوس ہو سکتا ہے کیونکہ وہ ایک نیچ ذات کے برابر کھڑا ہونے کے لیے
تیار نہیں لیکن ایک نیچ ذات اس شکست کو اپنی فتح خیال کرے گا۔"

شکنتلا نے کہا۔ "آپ راجپوت ہو کر ایسی باتیں کہہ رہے ہیں؟"

گلاب چند نے جواب دیا۔ "ہاں! ایک راجپوت کی حیثیت سے مجھے یہ
باتیں نہیں کہنی چاہییں کیونکہ مجھے اس نام کی بدولت عزت، دولت اور حکومت
ملتی ہے لیکن اب وہ زمانہ گزر چکا ہے۔ میں راجپوت ہوتے ہوئے بھی اپنی شکست
کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوں۔ اب ہمارا مقابلہ اپنے سماج کے اچھوتوں کے
ساتھ نہیں جنھیں ہم اپنی تلواروں اور اپنے دیوتاؤں کی قوت سے مرعوب کر سکتے
بلکہ ہمارا مقابلہ ایسے لوگوں سے ہے جو ہر لحاظ سے ہم پر فوقیت رکھتے ہیں۔"

شکنتلا نے کہا۔ "لیکن آپ تو ان سے جنگ کرنے گئے تھے؟"

"میں نے پتا جی کے حکم کی تعمیل کی تھی لیکن جانے سے پہلے مجھے اس بات کا یقین
تھا کہ راجہ معمولی مقابلے کے بعد ہتھیار ڈال دے گا۔"

گلاب چند کی ماں نے کہا۔ "بیٹا! بھگوان کے لیے اپنے پتا جی کے سامنے
ایسی باتیں نہ کرنا۔ وہ آ رہے ہیں۔"

"ماتا جی آپ پریشان نہ ہوں۔ پتا جی مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔"

ٹھاکر کے ساتھ گاؤں کے دو عمر رسیدہ آدمی تھے۔ اس نے برآمدے کی
طرف آنے کی بجائے دور سے گلاب چند کو اشارے سے بلایا اور پھر دیوان خانے
کی طرف چلا گیا۔ گلاب چند برآمدے کی سیڑھیاں اتر کر اس کے پیچھے ہو لیا۔

(۲)

بھاگونتی بھاگتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے کہا۔ "شکنتلا! وہ
آ رہے ہیں، وہ اس طرف آ رہے ہیں۔"

شکنتلا جو بھاگونتی کی ماں کے قریب بیٹھی ہوئی تھی۔ اضطراری حالت میں اٹھ
کر کھڑی ہو گئی۔ بھاگونتی اور اس کی ماں قدرے توقف کے بعد برابر کے کمرے میں
چلی گئیں اور شکنتلا کمرے میں تنہا کھڑی ہر لحظہ بڑھتے ہوئے اشتیاق سے دروازے
کی طرف دیکھنے لگی۔ دروازے سے باہر کسی کے پاؤں کی آہٹ سن کر اس کے دل
کی دھڑکن تیز ہو رہی تھی۔ گلاب چند نے دروازے کے سامنے آ کر اندر جھانکا اور
پھر باہر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تشریف لائیے!"

[illegible] بعد [illegible] بڑے ٹھاکر کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے شکنتلا کی طرف
دیکھا اور آنکھیں جھکا لیں لیکن اس کے ساتھ ہی ایک موہوم سا خیال اس
کے دل کی گہرائیوں تک جا پہنچا۔ اس نے جھجکتے ہوئے دوبارہ شکنتلا کی طرف
دیکھا اور چند لمحات کے لیے اس کی نگاہیں شکنتلا کے چہرے پر مرکوز ہو کر رہ گئیں۔
[illegible] ملتی جلتی ایک اور صورت اس کے دل کی گہرائیوں سے نکل کر شعور کی
سطح پر ابھر آئی۔ "آشا!" اس کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

گلاب چند نے پریشان ہو کر کہا۔ "یہ رنبیر کی بہن ہیں اور ان کا نام شکنتلا ہے۔"

عبدالواحد نے چونک کر اپنے پیچھے ٹھاکر اور گلاب چند کی طرف دیکھا [illegible]
سا ہو کر شکنتلا سے کہنے لگا۔ "معاف کیجیے! میں کسی خیال میں کھو گیا تھا۔ مجھے [illegible]
آسکتا کہ دو صورتوں میں اس قدر مشابہت ہو سکتی ہے۔ میری نگاہیں تھوڑی [illegible]
لیے دھوکا کھا گئیں تھیں۔"

بڑے ٹھاکر نے کہا۔ "آپ تشریف رکھیں، میں آپ کے ساتھیوں کو [illegible]
کمرے سے باہر نکلتے ہوئے اس نے گلاب چند کو اشارہ کیا اور وہ بھی [illegible]
کے پیچھے ہو لیا۔

"تشریف رکھیے۔" عبدالواحد نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ شکنتلا [illegible]
اس کے سامنے دوسری کرسی پر بیٹھ گئی۔

عبدالواحد نے کسی تمہید کے بغیر کہا۔ "میں نے سنا ہے کہ آپ جس شخص [illegible]
پناہ میں ہیں وہ برا آدمی نہیں لیکن میں حیران ہوں کہ اس نے آپ کو غلط فہمی [illegible]
رکھنے کی کوشش کیوں کی۔ اگر وہ آپ کے گاؤں گیا ہوتا تو یقیناً آپ کے بارے [illegible]
لے کر آتا کہ قنوج کے کونے کونے میں آپ کو تلاش کیا جا رہا ہے۔ قنوج کے
حکمران کی شکست سے چند دن قبل ہی رنبیر اپنے گاؤں پر قابض ہو گیا تھا [illegible]
اس کی زندگی کا مقصد صرف آپ کو تلاش کرنا ہے۔"

شکنتلا نے کہا۔ "لیکن بھگوان کے لیے مجھے یہ بتائیے کہ اب وہ کہاں [illegible]

"ان دنوں وہ اپنے گاؤں میں نہیں لیکن آپ تسلی رکھیں، وہ عنقریب [illegible]
جائے گا۔"

"آپ کو معلوم ہے کہ وہ کہاں ہے؟"

"ہاں!"

"پھر آپ مجھے کیوں نہیں بتاتے۔ میں اس کی بہن ہوں۔"

عبدالواحد کو شکنتلا کے الفاظ سے زیادہ اس کی ملتجی نگاہوں نے متاثر کیا۔ اس
نے کہا۔ "کیا آپ اپنے بھائی کی جان خطرے میں ڈالنا گوارا کریں گی؟"

"نہیں!"

"تو پھر آپ ابھی یہ نہ پوچھیے کہ وہ کہاں ہے۔ اس وقت آپ کے لیے صرف
یہ جاننا کافی ہے کہ اُسے آپ کے متعلق اطلاع مل جائے گی۔"

"اُسے کوئی خطرہ تو نہیں؟"

"نہیں، مجھے کوئی ڈیڑھ ماہ قبل اس کا پیغام ملا تھا۔ اسے پہلے اگر کوئی خطرہ تھا
تو اب وہ ٹل چکا ہے۔"

"کیا میرا اس کے پاس پہنچنا ممکن نہیں؟"

"نہیں۔ ابھی آپ اس کے پاس نہیں جا سکتیں، اس وقت آپ کا اپنے گھر پہنچنا
ضروری ہوگا۔ گلاب چند کا باپ آپ کو وہاں پہنچانے کا انتظام کر دے گا۔ میں اس
[illegible] کے لیے اپنے چند آدمی بھی چھوڑ جاؤں گا۔ میں خود بھی آپ کے ساتھ چلتا لیکن
میری فوج کل تک گوالیار سے روانہ ہو جائے گی اور میرے لیے آج ہی واپس جانا
ضروری ہے۔ اپنے گاؤں میں آپ کو رنبیر کی غیر حاضری میں بھی کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔
[illegible] جیسے لوگ اس علاقے میں دوبارہ پاؤں نہیں رکھ سکتے۔"

"[illegible] کہاں ہے؟"

"وہ گاؤں پر ہمارے حملے سے پہلے ہی کہیں روپوش ہو گیا تھا۔"

"گاؤں پر قبضہ کرنے میں آپ نے میرے بھائی کی مدد کی تھی؟"

[illegible]

شکنتلا گہری سوچ میں پڑ گئی۔ ایک طرف کیدارناتھ کے متعلق اس کا دل یہ
[illegible] تیار نہ تھا کہ اس نے جان بوجھ کر اسے دھوکے میں رکھنے کی کوشش

کی ہے اور دوسری طرف وہ عبدالواحد کے متعلق یہ شک کرنے کے لیے تیار…
کہ وہ جھوٹ کہہ رہا ہے۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو ایک ہی نگاہ میں دوسروں…
صداقت اور خلوص کا معترف بنا لیتے ہیں۔ چند لمحات کے اندر اندر اس…
چہرے سے اجنبیت کا نقاب اتر چکا تھا اور شکنتلا ایک عورت کی ذکاوت سے…
سے اس کے دل کی گہرائیوں میں جھانک چکی تھی۔

عبدالواحد نے کہا۔ "اگر آپ کو میری باتوں پر یقین نہیں آتا تو آپ کی تسلی کے
لیے میں گلاب چند کو وہاں بھیجنے کے لیے تیار ہوں۔"

"نہیں میں گلاب چند سے آپ کے متعلق بہت کچھ سن چکی ہوں لیکن اگر آپ
میرے لیے بالکل اجنبی ہوتے تو بھی شاید میں آپ کی کسی بات پر شک نہ…
میں صرف یہ سوچ رہی تھی کہ کیدار ناتھ نے مجھے تاریکی میں رکھنے کی کوشش کیوں…

"اگر آپ چاہیں تو میں اُسے یہاں بلا لیتا ہوں۔"

"نہیں اس کی ضرورت نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کیدار ناتھ کو میرے بھائی کی…
کے ساتھ دوستی پسند نہ آئی ہو اور اس نے اس خیال سے یہ بات مجھ سے…
رکھی ہو کہ مجھے اس سے دکھ ہوگا۔"

"تو اب آپ کا اپنے بھائی کے متعلق کیا خیال ہے؟"

شکنتلا نے جواب دیا۔ "میرا بھائی ایک دیوتا ہے اور میں ہمیشہ اس کی…
کرتی رہوں گی؟"

"آپ نے اپنے گھر جانے کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے؟"

شکنتلا کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور اس نے کہا۔ "یہ بھی کوئی سوچنے کی…
میں فوراً وہاں پہنچنا چاہتی ہوں۔"

عبدالواحد نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "تو یہاں میرا کام ختم ہو…

…یہاں سے روانہ ہو جائیں۔"

شکنتلا نے کہا۔ "میں آپ سے ایک سوال پوچھنا چاہتی ہوں۔"

"پوچھیے!"

"گلاب چند نے مجھے بتایا تھا کہ آپ میرے بھائی پر بہت مہربان تھے۔ میں یہ
جاننا چاہتی ہوں کہ آپ کی اس ہمدردی کی وجہ کیا تھی؟"

عبدالواحد نے جواب دیا۔ "آپ کی تسلی کے لیے میں صرف یہ کہہ دینا کافی سمجھتا
ہوں کہ اس نے ہماری ہمدردی حاصل کرنے کے لیے اپنی غیرت کا سودا نہیں
کیا تھا۔"

شکنتلا اس قدر غیر مبہم الفاظ میں اپنے سوال کا جواب سننے کے لیے تیار نہ تھی۔
اس نے پریشان سی ہو کر کہا۔ "آپ نے مجھے غلط سمجھا۔ میں اپنے بھائی کے متعلق یہ
سوچ بھی نہیں سکتی کہ اس نے اپنی آن پر دھبہ آنے دیا ہوگا۔ میں صرف یہ جاننا چاہتی
ہوں کہ قید سے رہا ہونے کے بعد اگر جے کرشن کی دشمنی اس کی زندگی کا راستہ نہ
روک دیتی تو وہ آپ کے متعلق اور آپ اس کے متعلق کیا سوچتے۔ کیا وہ آپ کی مدد
سے اپنے گاؤں پر قبضہ کرنے اور اس کے بعد کہیں روپوش ہونے کی بجائے اپنے
…حفاظت کے لیے قنوج، کالنجر اور گوالیار کی جنگوں میں حصہ نہ لیتا؟"

عبدالواحد نے دوبارہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔ "اگر آپ ایسے سوالات
…نہ کرتیں تو اچھا ہوتا۔ میرا جواب سن کر آپ کو پریشانی ہو گی لیکن وہ
…جب آپ ان باتوں میں اپنے بھائی کی ہم خیال ہوں گی۔ اگر جے کرشن
…گاؤں پر تسلط نہ ہوتا اور آپ اور آپ کے پتا ہبیر کے استقبال کے لیے
…تو بھی وہ ہمارے خلاف کسی جنگ میں حصہ نہ لیتا۔ اس کی تلوار ہمارے
…اسی وقت تک بے نیام ہو سکتی تھی جب تک اس کی آنکھوں پر پردہ

تھا۔ یہ پردہ اٹھ جانے کے بعد اس کے لیے ہمیں دشمن کی حیثیت سے دیکھنا

ہو چکا ہے۔ اب ہمارا راستہ اس کا راستہ اور ہماری منزل اس کی منزل بن چکی

ممکن تھا کہ گھر آکر وہ اس منزل کی طرف قدم اٹھانے کا ارادہ بدل دیتا لیکن

ممکن نہ تھا کہ وہ ہمارے راستے میں کھڑا ہو جاتا۔ وہ اگر ہمارا ساتھ نہ دے

تو بھی اس کی دعائیں ہمارے ساتھ ہوں گی۔ جے کرشن کی دشمنی کا صرف یہ نتیجہ

ہے کہ وہ زیادہ دیر تذبذب کی حالت میں نہیں رہ سکا۔ یہ ایک تازیانہ تھا جس کی

ضرب نے اسے پوری رفتار سے ہمارے ساتھ دوڑنے پر مجبور کر دیا ہے۔"

شکنتلا نے بے چین سی ہو کر کہا۔ "یہ باتیں میری سمجھ میں نہیں آسکتیں۔ میں

آپ سے صرف ایک بات اور پوچھنا چاہتی ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ مجھے

تسلی نہیں دیں گے۔ ان واقعات کے بعد آپ نے میرے بھائی کے متعلق کیا

قائم کی ہے؟"

عبدالواحد نے جواب دیا۔ "میں رنبیر کا دوست ہونے پر فخر کرتا ہوں۔"

شکنتلا نے اچانک اپنے دل میں مسرت کی دھڑکنیں محسوس کیں اور تشکر

جذبات سے مغلوب ہو کر کہا۔ "آپ بہت رحم دل ہیں۔ اچھا یہ بتائیے آپ کی

میں اس کے دن کیسے گزرے۔ رہائی کے وقت اس کی صحت کیسی تھی اور

بار جب آپ نے اسے دیکھا تھا تو وہ کیسا تھا؟"

عبدالواحد نے ان سوالات کے جواب میں مختصر طور پر رنبیر سے اپنی

سے لے کر آخری ملاقات تک کے واقعات بیان کر دیے لیکن انتقام

نے سومنات کا ذکر کرنے کی بجائے شکنتلا کو صرف یہ بتا دینا کافی سمجھا کہ

اس دنیا کے ہر جے کرشن کے خلاف جنگ کا اعلان کر چکا ہے اور اب

ایسی جگہ کے حالات معلوم کرنے جا چکا ہے جہاں ہزاروں جے کرشن

نوچ رہے ہیں۔

گفتگو کے دوران میں عبدالواحد کی نگاہیں کبھی کبھی غیر شعوری طور پر شکنتلا کے

چہرے کی طرف اٹھ جاتیں اور اسے ایسا محسوس ہوتا کہ آشا ایک نئے روپ میں

اس کے سامنے آگئی ہے لیکن جب شکنتلا اس کی طرف دیکھتی تو اس کی نگاہیں خود بخود

جھک جاتیں۔

جب عبدالواحد اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا تو شکنتلا کے دل میں اچانک

کوئی خیال آیا اور اس نے کہا۔ "ٹھہریئے! جانے سے پہلے مجھے یہ بتاتے جائیے

رنبیر کے متعلق مجھے کب اور کیسے اطلاع ملے گی؟"

عبدالواحد نے مڑ کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ میری ذمہ داری ہے۔ اس مہم

سے فارغ ہو کر میں قنوج واپس آ رہا ہوں اور آپ کو اپنے بھائی کے متعلق باقاعدہ

اطلاع ملتی رہے گی۔"

تھوڑی دیر بعد محل سے باہر ٹھاکر اور اس کا بیٹا عبدالواحد کو الوداع کہہ رہے

تھے۔ گاؤں کے بہت سے آدمی وہاں جمع تھے۔ عبدالواحد کے ساتھ جو بیس سوار

آئے تھے ان میں سے دس شکنتلا کے ہمراہ جانے کے لیے ٹھہر گئے اور باقی اس

کے ساتھ واپس چلے گئے۔

(۳)

عبدالواحد کے رخصت ہوتے ہی شکنتلا نے کیدار ناتھ کے گھر جانے کا ارادہ

بھی اس کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ کیدار ناتھ اور اس کی بیوی

اس بات کا علم نہ تھا کہ سلطان محمود کی فوج کا ایک بڑا افسر صرف

وہاں آیا تھا۔

کیدارناتھ کی بیوی شکنتلا کو دیکھتے ہی اُٹھ کر آگے بڑھی اور اسے گلے لگا
ہوئے بولی۔ "بیٹی! میں ابھی تمھارے پاس آنے کا ارادہ کر رہی تھی۔ تمھا
یہ گھر سونا پڑا تھا۔"

صحن میں ایک کھاٹ اور سرکنڈے کے دو مونڈھے پڑے رہتے تھے۔ کیدا
اندر جاکر ایک اور مونڈھا اُٹھا لایا۔ شکنتلا اور بھاگونتی کیدارناتھ کی بیوی کے
مونڈھوں پر بیٹھ گئیں اور کیدارناتھ ان سے تھوڑی دور کھاٹ پر جا بیٹھا۔

تھوڑی دیر چاروں خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر
شکنتلا نے کیدارناتھ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "چچا! میں کل جا رہی ہوں۔"

"کہاں؟" کیدارناتھ نے چونک کر سوال کیا۔

"اپنے گاؤں!"

کیدارناتھ اور اس کی بیوی کے چہروں پر اچانک اُداسی چھا گئی۔

شکنتلا نے قدرے توقف کے بعد کہا۔ "چچا! میں مرتے دم تک آپ
احسانات کا بدلہ نہیں دے سکوں گی لیکن آپ کو مجھے اندھیرے میں نہیں رکھنا
تھا۔"

کیدارناتھ نے ندامت سے سر جھکاتے ہوئے کہا۔ "بیٹی! مجھے صرف
کا خیال تھا کہ میں سچ بول کر تمھارے دکھوں میں اضافہ کر دوں گا۔ تم اپنے بھائی کو
دیوتا سمجھتی تھیں اور مجھے ڈر تھا کہ جب تمھیں اس کے متعلق وہ باتیں معلوم ہوں
کا مجھے پتہ چلا ہے تو تمھاری زندگی اور تلخ ہو جائے گی۔ میں تمھیں یقین دلاتا ہوں
ہم کسی وقت اطمینان سے بیٹھ کر باتیں کریں گے تو تم میری نیت پر شک
کرو گی۔"

شکنتلا نے کہا۔ "میں سب کچھ سن چکی ہوں۔ آپ گاؤں گئے تو آپ
ہو کہ میرا بھائی مسلمانوں کے ساتھ مل چکا ہے اور انھوں نے گاؤں پر قبضہ کرنے
میں اسے مدد دی ہے۔ اس بات سے آپ کو میرے بھائی سے نفرت ہو گئی لیکن
کاش آپ یہ سوچتے کہ میرے بھائی نے صرف میری خاطر یہ سب کچھ کیا تھا۔ اگر یہ
پاپ تھا تو اس کا باعث میں تھی۔ پھر وہ ان حالات میں کر بھی کیا سکتا تھا۔ اس نے
دشمن کو اپنے وطن کی سرحد سے سینکڑوں کوس دور روکنے کے لیے اپنی جان کی
بازی لگائی۔ اس نے اپنی جوانی کے بہترین دن قید میں گزارے اور جب وہ رہا ہو
کر واپس آیا تو اس کے گھر پر اس کے باپ کا قاتل قبضہ کر چکا تھا اور اسے اپنی بہن
کے متعلق اتنا بھی علم نہ تھا کہ وہ زندہ ہے یا مر گئی ہے۔ جے کرشن نے اسے بھی قتل
کرنے کی کوشش کی لیکن قدرت نے اسے بچا لیا۔ اس کے بعد آپ ہی بتائیے
وہ کیا کرتا۔ کیا وہ اس راجہ کے پاس جاتا جو جے کرشن کا سرپرست تھا۔ کیا وہ
ان پروہتوں کے پاس جاتا جو اب ہمارے پتا جی کی بجائے اس کے قاتل سے دان
لیتے تھے۔ کیا وہ اس سماج سے بھیک مانگتا جو صرف چڑھتے سورج کی پوجا
کرتا ہے؟ اس نے قنوج کو اپنا خون پیش کیا تھا لیکن قنوج نے اُسے کیا دیا؟ ذلت،
رسوائی اور بے بسی۔ اس نے مسلمانوں کے خلاف آخری دم تک لڑنے کا عہد کیا
تھا لیکن جب وہ ان کی قید میں زندگی سے مایوس ہو گیا تو انھوں نے اس کے دل میں
زندہ رہنے کی تمنا پیدا کی۔ پھر جب وہ رہا ہونے کے بعد دنیا کا مظلوم ترین انسان
بن کر ان کے پاس پہنچا تو انھوں نے اس کے دشمنوں کے خلاف اس کی مدد کی۔ کیا
آپ ان واقعات کے بعد اس سے یہ توقع رکھتے تھے کہ وہ تنہا مسلمانوں کے لشکر
کے سامنے کھڑا ہو جاتا کہ جے کرشن جیسے لوگ ہمیشہ کے لیے اس دنیا پر مسلط
رہیں؟ آپ کو یہ خیال آیا ہو گا کہ مسلمانوں کا ساتھی بننے کے بعد وہ میرا بھائی
نہیں رہا۔ لیکن آج گوالیار کا راجہ بھی مسلمانوں کا ساتھی بن چکا ہے۔"

کیدارناتھ نے مرجھائی ہوئی آواز میں کہا۔ "بیٹی! میرے پاس تمہارے
کا جواب نہیں لیکن تھوڑی دیر کے لیے یہی فرض کر لو کہ میرے پاس تمہاری
تھی اور اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے کے لیے میں نے اس بات کا سہارا لیا تھا
حالات میں اپنے بھائی کے پاس جانا گوارا نہیں کرو گی۔ تمہیں معلوم ہے جب
تم سے کہا تھا کہ تمہارے گاؤں کے بعض لوگ کہتے ہیں کہ تمہارے بھائی کو
کی قید سے چھڑانے والے مسلمان تھے اور شاید وہ اُسے گاؤں پر دوبارہ قابض
میں مدد دیں تو تم نے کہا تھا کہ اگر رنبیر مسلمانوں کی مدد سے بادشاہ بن جائے تو
کے عالیشان محلوں میں رہنے کی بجائے بھیک مانگ کر پیٹ پالنے کو ترجیح دو
گی۔"

"میں اب بھی یہ کہتی ہوں کہ میرے بھائی نے مسلمانوں سے اپنے ضمیر
سودا نہیں کیا۔ اُسے صرف حالات نے اُن کی گود میں ڈال دیا ہے اور ایسے حالات
دنیا کے ہر انسان میں تبدیلی پیدا کر سکتے ہیں۔ قنوج اور گوالیار کا کوئی راجپوت اُسے
بزدلی یا پست ہمتی کا طعنہ نہیں دے سکتا۔ جن سورماؤں نے غزنی تک مسلمانوں
تعاقب کرنے کا عہد کیا تھا وہ آج اپنے شہروں اور بستیوں میں ان کا سواگت کرتے
ہیں۔ آپ کہتے تھے کہ اگر مسلمانوں نے گوالیار کا رُخ کیا تو یہاں کا بچہ بچہ اپنی جان
کھیل جائے گا لیکن جان پر کھیلنے والے آج اس بات پر خوشیاں منا رہے ہیں
نے ہتھیار ڈال کر ملک کو تباہی سے بچا لیا ہے۔ اس دھرتی پر صرف طاقت
کی جاتی ہے۔ ایک دن وہ تھا جب ہمارے علاقے کے سردار میرے پتا
اشاروں پر چلتے تھے۔ پھر جے کرشن کی باری آئی اور یہ لوگ اس کے ساتھ ہو
مسلمانوں کا طوطی بول رہا ہے تو یہ ان کے ساتھ مل گئے۔ لیکن مجھے اس بات پر
میرا بھائی ان سب سے مختلف ہے۔ اگر وہ طاقت کی پوجا کرنے والوں میں

مسلمانوں کی قید میں نہ رہتا۔ وہ شاید اس وقت بھی قید سے باہر نہ نکلتا جب
کے مغرور راجے اور مہاراجے چاروں طرف سے ناامید ہو کر مسلمانوں کی اطاعت
قبول کر چکے تھے لیکن ایک بہن کی التجاؤں نے اُسے مجبور کر دیا۔ میں نے اسے پیغام
بھیجا تھا۔ پھر قید سے نکلنے کے بعد جو کچھ اس نے کیا وہ سب میری خاطر تھا۔ کاش
آپ اس کے متعلق کوئی رائے قائم کرنے سے پہلے مجھ سے پوچھ لیتے۔ میری نگاہوں
میں ہمیشہ کی طرح اب بھی وہ ایک دیوتا ہے۔ اُسے بزدلی کا طعنہ دینے والے کون ہیں؟
راجے یہ سردار اور یہ برہمن، جن پر محمود کا نام سن کر لرزہ طاری ہو جاتا ہے؟"
شکنتلا کیدارناتھ کو قائل کرنے سے زیادہ اپنے آپ کو تسلی دینے کی کوشش کر
رہی تھی۔ کیدارناتھ نے انتہائی کرب انگیز آواز میں کہا۔ "بیٹی! اب شاید تم میری کسی
بات پر بھی یقین نہ کرو لیکن بھگوان جانتا ہے کہ میں جھوٹ نہیں کہتا۔ مجھے ہمیشہ اس
بات پر ندامت رہی کہ میں نے تم سے جھوٹ بولا ہے۔ کئی بار میرے دل میں آیا کہ تم
سے سچی بات کہہ دوں لیکن ہر بار میری ہمت جواب دے جاتی۔ مجھے محسوس ہوتا کہ
جب تم چلی جاؤ گی تو یہ بستی ہمارے لیے ویران ہو جائے گی۔ پھر اپنے ضمیر کو دھوکا دینے
کے لیے ان باتوں کا سہارا لیتا کہ شاید تم اس کے پاس جانا گوارا نہ کرو لیکن گوالیار کی
شکست اور راجہ کی بزدلی کی خبر نے میرے دل پر بہت اثر کیا۔ خاص طور پر جب میں
نے سنا کہ گوالیار کے کئی سردار کالنجر پر چڑھائی کے لیے محمود کا ساتھ دینے کو تیار ہیں
تو میں نے محسوس کیا کہ ہم سب ایک ہی کشتی میں سوار ہیں۔ پہلے میں یہ فیصلہ کر
چکا تھا کہ ایک بار پھر تمہارے گاؤں جاؤں گا۔ اگر تمہارا بھائی وہاں ہوا تو
اُسے اپنے ساتھ لے آؤں گا اور پھر تم دونوں کے سامنے ہاتھ باندھ کر کہوں گا کہ بھگوان
کے لیے میری غلطی کو ایک بوڑھے باپ کی کمزوری سمجھ کر معاف کر دو لیکن اب شاید
تم اس بات پر یقین نہ کرو کہ اگر تم میرے گھر میں بھی جنم لیتیں تو بھی مجھے اس سے زیادہ

عزیز نہیں ہو سکتی تھیں۔"

شکنتلا کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے اور اس نے کہا۔ "مجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں۔ میں آپ کو ہمیشہ اپنا پتا سمجھتی رہوں گی۔ آپ دونوں میرے ساتھ چلیں یہ زمیندار تک گاؤں واپس نہیں آیا۔"

کیدارناتھ نے قدرے مطمئن ہو کر پوچھا۔ "تمہیں اپنے گاؤں کا کوئی آدمی ملا"

"نہیں"۔ شکنتلا نے جواب دیا۔

"تو پھر تمہیں یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا؟"

شکنتلا نے اس کے جواب میں عبدالواحد کے ساتھ اپنی ملاقات کا تمام حال بیان دیا۔ کیدارناتھ نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔ "بیٹی! تم جا رہی ہو، میں بھگوان سے پرارتھنا کرتا ہوں کہ وہ تمہیں خوش رکھے لیکن ہمیں بھول نہ جانا۔"

"آپ میرے ساتھ نہیں جائیں گے؟"

"نہیں، ابھی نہیں لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ ہم کسی دن ضرور آئیں گے۔"

بھاگونتی جو انتہائی پریشانی کی حالت میں ان کی گفتگو سن رہی تھی۔ اچانک بولی۔ "چچا! آپ پریشان نہ ہوں۔ شکنتلا زیادہ دیر ہم سے دور نہیں رہ سکتی۔ ہم سب کسی دن اس کے گاؤں جائیں گے اور اسے وہاں سے چھین لائیں گے۔"

اگلے دن شکنتلا اپنے گاؤں کا رخ کر رہی تھی۔ ٹھاکر نے اس کے سفر کے لیے انتظامات کیے تھے وہ ایک عالی نسب شہزادی کی شان کے شایاں تھے۔ وہ چاندی کے خوبصورت رتھ پر سوار تھی۔ گاؤں کی دو عورتیں اس کی خدمت کے لیے ساتھ تھیں۔ عبدالواحد کے دس سواروں کے علاوہ ٹھاکر کے تیس سوار بھی اس کے ہمراہ تھے۔

(۴)

کالنجر کا قلعہ ایک وسیع اور بلند چٹان پر تعمیر کیا گیا تھا اور اسے برسوں سے ناقابل تسخیر سمجھا جاتا تھا۔ قلعے کی وسعت کا یہ عالم تھا کہ اس کے اندر پانچ لاکھ انسان، بیس ہزار گھوڑے اور پانچ سو ہاتھی باآسانی رہ سکتے تھے۔ سپاہیوں کے لیے رسد اور جانوروں کے لیے چارے کے اس قدر ذخائر جمع کیے گئے تھے کہ راجہ کی فوج مہینوں قلعہ بند ہو کر حملہ آوروں کا مقابلہ کر سکتی تھی۔ یہ عظیم الشان قلعہ وسطی اور مشرقی راجاؤں کی آخری امید تھا اور اس کی تسخیر کے بعد گنگا اور گوداوری کے دہانوں تک سلطان محمود کی فتوحات کے راستے کھل جاتے تھے۔

ملک کے طول و عرض میں جب یہ خبر مشہور ہوئی کہ غزنی کی افواج کالنجر کا رخ کر رہی ہیں، تو مندروں میں راجہ گنڈا کی فتح کے لیے دعائیں کی جانے لگیں۔ جنوب اور مشرق کے راجے گنڈا کے حکمران کو اس قسم کے پیغامات بھیج رہے تھے کہ آپ دشمن کے مقابلے میں ڈٹ جائیں۔ کالنجر کے قلعے کی دیواریں بڑے سے بڑے طوفان کا رخ پھیر سکتی ہیں۔ ہم آپ کی مدد کیلیے آ رہے ہیں۔ اگر آپ نے ہمت ہار دی تو اس طوفان کو کوئی نہیں روک سکے گا۔ ملک کے برہمن لوگوں کو اس قسم کی تسلیاں دے رہے تھے۔ دشمن نے اب اس سمت کا رخ کیا ہے جہاں اسے تباہی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ وہ ایک پہاڑ سے ٹکرانے جا رہا ہے۔ راجہ گنڈا کی سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ دشمن کسی طرح قلعے کی دیواروں تک پہنچ جائے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ گزشتہ لڑائی میں پیچھے ہٹ گیا تھا۔ اب بھگوان سے دعا کرو کہ دشمن اپنا ارادہ تبدیل نہ کرے۔ فلاں مندر کے فلاں پجاری اور فلاں پروہت کو دیوتاؤں نے خواب میں یہ خوشخبری سنائی ہے کہ محمود کی فوج غزنی تک پسپا ہو گی اور اس کے ہندوستان کے سورما غزنی کی دیواروں تک اس کا تعاقب کریں گے۔"

پھر ایک دن ملک کے طول و عرض میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ غزنی کی فوج
کے قلعے کا محاصرہ کر چکی ہے اور چند دن کے بعد لوگ کلیجہ تھام کر یہ خبر سن رہے
تھے کہ کالنجر کے راجہ نے خراج ادا کرنے کی شرط پر صلح کر لی۔ صرف یہی نہیں بلکہ
کی ہمسایہ سلطنتوں کے کئی راجے سلطان کی اطاعت قبول کر چکے تھے ہیں۔ اب
اگر مسلمانوں نے پیش قدمی کی تو وہ ملک کی آخری سرحد تک پہنچ جائیں گے لیکن
سلطان آگے نہیں بڑھے گا۔ وہ واپس جا رہا ہے۔ دور شمال میں کسی اور ملک
کے حالات اسے بلا رہے ہیں۔ مندروں کے پجاری لوگوں سے کہہ رہے تھے۔
"بھگوان سے دعا کرو، سلطان دوبارہ اس طرف نہ آئے، اب خلیج بنگال تک اس
کا راستہ روکنے والا کوئی نہیں۔"

دوسری طرف سومنات کے پجاری پہلے سے زیادہ جوش و خروش کے
ساتھ لوگوں کو یہ سمجھا رہے تھے کہ جب تک تمام دیوتاؤں کے پجاری سومنات کے
دیوتا کی برتری کا اعتراف نہیں کرتے۔ وہ ہر میدان میں مسلمانوں کے ہاتھوں شکست
کھائیں گے۔ اگر تم غزنی کے سیلاب کا رُخ پھیرنا چاہتے ہو تو سومنات کے
پروہت کے جھنڈے تلے جمع ہو جاؤ۔ مہادیو فتح کا سہرا صرف ان راجوں اور
کے سر باندھیں گے جو مسلمانوں کے حملے کے دن سومنات کے دروازوں پر
دے رہے ہوں گے۔ چنانچہ چند مہینوں میں ہندوستان کے ایک سرے سے
دوسرے سرے تک "سومنات چلو" کی پکار سنائی دینے لگی۔

(۵)

کالنجر سے سلطان کی واپسی کے دو ہفتے بعد شکنتلا کو معلوم ہوا کہ عبدالواحد
پھر قنوج کا حاکم بن کر آ گیا ہے۔ اسے اس بات سے بے حد خوشی ہوئی کہ

عبدالواحد کی بدولت اُسے اپنے بھائی کے متعلق اطلاع ملتی رہے گی لیکن ڈیڑھ مہینہ
گزر جانے پر بھی عبدالواحد کی طرف سے رنبیر کے بارے میں کوئی اطلاع نہ ملی۔

ایک شام شکنتلا تنہا اپنے محل کی چھت پر ٹہل رہی تھی۔ آسمان پر بادل چھائے
ہوئے تھے۔ اچانک موٹی موٹی بوندیں گرنے لگیں اور شکنتلا وسیع چھت کے درمیان
ایک چھوٹی سی بارہ دری میں جا کھڑی ہوئی۔ تھوڑی دیر کے لیے وہ بچپن کے ان دنوں
کے تصور میں کھو گئی، جب وہ اور رنبیر اس جگہ کھڑے ہو کر برسات کا منظر دیکھا
کرتے تھے۔

شمبوناتھ ہانپتا ہوا اوپر پہنچا اور بارہ دری میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔ "بیٹی!
قنوج کا حاکم اس علاقے کا دورہ کر رہا ہے۔ مجھے ابھی معلوم ہوا ہے کہ وہ دریا کے پار
سنت نگر کے سردار کے ہاں قیام کرے گا۔"

"اس نے کوئی پیغام نہیں بھیجا؟" شکنتلا نے پُر امید ہو کر سوال کیا۔

"نہیں، اگر تم چاہو تو میں ابھی اس کے پاس جا کر رنبیر کا پتہ پوچھتا ہوں۔"

"نہیں اب شام ہونے والی ہے۔ اگر رنبیر کے متعلق کوئی اطلاع ہوئی تو وہ
خود یہاں آ جائے گا۔"

شمبوناتھ نے کہا۔ "اگر رنبیر یہاں ہوتا تو قنوج کا حاکم اس علاقے میں کسی اور
جگہ بھی نہ ٹھہرتا۔"

شکنتلا نے کہا۔ "تمہیں یقین ہے کہ وہ وہاں پہنچ چکا ہے؟"

شمبوناتھ نے جواب دیا۔ "پار سے جو آدمی آیا ہے اس نے بتایا ہے کہ شام
سے پہلے سنت نگر پہنچ جائے گا۔"

"تو پھر تمہیں یہ اُمید رکھنی چاہیے کہ وہ کل ضرور یہاں آئے گا۔ تم نوکروں سے کہو
[illegible]نے کی صفائی کریں۔"

"ہاں مہمان خانے کی حالت بہت خراب ہے۔ میں ابھی جاتا ہوں۔"

بارش قدرے تیز ہو چکی تھی۔ شمبوناتھ بھاگتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کے بعد شکنتلا ایک مونڈھے پر بیٹھ گئی۔ اس کے دل کی دھڑکنیں کہہ رہی تھیں وہ ضرور آئے گا۔ وہ ضرور آئے گا۔ اسے ضرور آنا چاہیے۔ کیدارناتھ کے گھر سے اپنے گاؤں پہنچنے کے بعد وہ اکثر اُسے یاد کیا کرتی تھی۔ اس نے ایسے سماج کے آغوش میں آنکھ کھولی تھی جس کی بنیاد غیروں سے نفرت پر رکھی گئی تھی لیکن عبدالواحد کا تصور اسے ہر بار تشکر اور احسان مندی کے جذبات سے مغلوب کر دیا کرتا تھا۔ گھر پہنچنے کے بعد شمبوناتھ کی زبانی اُسے کئی اور باتوں کا علم ہوا۔ عبدالواحد نے رنبیر کی قید اور رہائی کے واقعات بیان کرتے ہوئے ان زیورات کا ذکر نہیں کیا تھا جو اس نے اپنے بھائی کا فدیہ ادا کرنے کے لیے بھیجے تھے لیکن جب اس نے شمبوناتھ کی زبانی تمام واقعات سنے تو اس کے دل پر گہرا اثر ہوا۔

گزشتہ ملاقات کے دوران میں شکنتلا کو دیکھتے ہی عبدالواحد کے منہ سے غیر شعوری طور پر "آشا" کا لفظ نکل گیا تھا۔ اب وہ اکثر یہ سوچا کرتی تھی۔ "آشا کون ہے؟ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ یہ انسان جو دلوں کے قلعے مسخر کرنے کے لیے پیدا ہوا ہے خود کسی کی نگاہوں کا شکار ہو چکا ہو۔" وہ ایک عورت کی ذکاوت حس سے اس کی مسکراہٹوں میں آنسوؤں اور آہوں کے رُکے ہوئے طوفان دیکھ چکی تھی۔ شمبوناتھ نے اس کے سوالات کے جواب میں صرف یہ بتایا کہ وہ ایک نومسلم ہے اور ننگر کوٹ کے ایک بڑے گھرانے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس سے زیادہ شمبوناتھ کو کچھ معلوم نہ تھا۔ لیکن شکنتلا کی ذہنی الجھنوں میں اضافہ کرنے کے لیے یہی کافی تھا۔ اس کا دماغ ہر روز عبدالواحد اور آشا کے متعلق ایک نیا افسانہ تراشا کرتا تھا۔ کبھی وہ یہ سوچتی کہ آشا شاید اس کی بہن ہے۔ جسے کسی جے کرشن جیسے سنگدل آدمی نے چھین لیا ہے۔

کبھی یہ سوچا کرتی کہ آشا کوئی ایسی لڑکی ہوگی کہ جو اس کی محبت کو ٹھکرا کر کسی اور کی ہو گئی ہے۔ یا شاید کسی الم ناک حادثے کے باعث وہ اس سے ہمیشہ کے لیے جدا ہو چکی ہے۔ کبھی کبھی اسے آشا پر رشک آنے لگتا لیکن پھر ضمیر کی ملامت سے اس کا دل پکارتا۔ "وہ ایک ملیچھ ہے۔ میرے بھائی کا دوست اور میرا محسن ہونے کے باوجود وہ ایک ملیچھ ہے۔ اس کی مردانہ وجاہت، اس کی حیا اور شرافت، نفرت کے پہاڑ کو اپنی جگہ سے نہیں ہٹا سکتے جو ہمارے درمیان حائل ہے۔"

بارش تیز ہو چکی تھی اور فضا میں رات کی تاریکی چھا رہی تھی۔ شکنتلا نیچے جانے کا ارادہ کر رہی تھی کہ شمبوناتھ نے سیڑھیوں میں کھڑے ہو کر بلند آواز سے کہا۔ "بیٹی شکنتلا نیچے آؤ۔"

"کیا ہے چچا؟"

شمبوناتھ جلدی سے اوپر آیا اور بولا۔ "بیٹی وہ آ گئے ہیں۔"

"کون، عبدالواحد؟"

"ہاں! میں نے انھیں مہمان خانے میں بٹھا دیا ہے۔ میں نے کوشش کی تھی کہ وہ اپنے بھیگے ہوئے کپڑے بدل لیں لیکن وہ نہیں مانتے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم بارش تھمتے ہی سنت نگر واپس چلے جائیں گے۔"

شکنتلا نے کہا۔ "بارش شاید آج رات نہ تھمے۔ ہمیں ان کے کھانے کی فکر کرنی چاہیے۔ چلو!"

شمبوناتھ نے کہا۔ "کھانے کے متعلق میں پوچھ چکا ہوں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے تھوڑا دیر سے کھایا تھا اس لیے ابھی بھوک نہیں۔ ان کے ساتھی بھی یہی کہتے ہیں۔"

سیڑھیوں سے اترتے ہوئے شکنتلا نے سوال کیا۔ "ان کے ساتھ کتنے آدمی

ہیں۔"

"صرف تین نوکر ہیں۔ انھیں میں نے باہر کے مہمان خانے میں ٹھہرا [illegible]
دوسری منزل کے برآمدے میں پہنچ کر شکنتلا نے کہا۔ "چچا شمبو! [illegible]
جاتی تم انھیں اوپر لے آؤ۔"
شمبوناتھ نیچے چلا گیا اور شکنتلا نوکرانی کو ایک کمرے کی کرسیاں صاف [illegible]
کا حکم دے کر بے قراری سے اِدھر اُدھر ٹہلنے لگی۔ دوسری نوکرانی [illegible]
کا فانوس روشن کر دیا۔

(۶)

تھوڑی دیر بعد عبدالواحد اور شمبوناتھ برآمدے میں آئے۔ شکنتلا دروا[illegible]
سے ہٹ کر کمرے میں آ گئی۔ شمبوناتھ عبدالواحد کو کمرے کے دروازے تک
پہنچا کر واپس چلا گیا اور عبدالواحد ایک ثانیہ توقف کے بعد اندر داخل ہوا۔
"میں آپ کو رنبیر کے متعلق کچھ بتانے آیا ہوں۔" اس نے کسی تمہید کے
[illegible] کہا۔

شکنتلا خوف زدہ ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔
وہ بولا۔ "پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں۔ رنبیر خیریت سے ہے۔ [illegible]
ہوئے مجھے اس کا پیغام ملا تھا۔ مجھے بے حد افسوس ہے کہ آپ سے رخصت [illegible]
کے بعد میں جلد اس کے پاس اپنا ایلچی نہ بھیج سکا۔ وہ آدمی جو اس کام کے [illegible]
موزوں تھا، قنوج میں تھا۔ کالنجر کی مہم سے فارغ ہونے کے بعد میں قنوج [illegible]
تو وہ بیمار پڑا تھا۔ تقریباً ایک ہفتے کے بعد وہ ٹھیک ہوا اور میں نے [illegible]
کے پاس روانہ کر دیا۔ اس کی روانگی سے کوئی دس دن بعد میرے پاس [illegible]

[illegible] ایلچی پہنچ گیا۔ اس نے پیغام بھیجا ہے کہ اسے شاید وہاں کچھ اور مدت لگ
[illegible] ایلچی نے وہ تمام حالات بھی بیان کیے ہیں جن کے باعث اس کا وہاں ٹھہرنا
ضروری ہے۔"
شکنتلا نے کہا۔ "اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے ابھی تک میرے یہاں پہنچنے
[illegible] اطلاع نہیں ملی۔"
"آپ کا بھائی یہاں سے کافی دور ہے لیکن مجھے اُمید ہے کہ اب تک میرا ایلچی
[illegible] کے پاس پہنچ چکا ہوگا۔"
شکنتلا نے آبدیدہ ہو کر کہا۔ "بھگوان کے لیے بتائیے وہ کہاں ہے؟"
عبدالواحد نے جواب دیا۔ "میں نے آپ کو اسی دن بتا دیا ہوتا لیکن ساتھ
[illegible]لے کمرے سے کوئی عورت جھانک رہی تھی اور میں یہ بات صرف آپ تک محدود
[illegible] چاہتا تھا۔"
"وہ گلاب چند کی بہن ہو گی۔ تشریف رکھیے میں ابھی آتی ہوں۔" شکنتلا یہ کہہ کر
[illegible] گئی اور عبدالواحد ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد شکنتلا واپس آئی اور
[illegible] نے عبدالواحد کے سامنے دوسری کرسی پر بیٹھتے ہوئے۔ "اب آپ اطمینان سے
[illegible] سکتے ہیں۔ میں نے نوکرانیوں کو دوسری طرف بھیج دیا ہے۔"
عبدالواحد نے کہا۔ "آپ نے صرف ایک بے کرش دیکھا ہے لیکن اس ملک
[illegible] وقت ہزاروں بے کرشن موجود ہیں اور اب اس ملک کی زمین ان کے لیے
[illegible] ہے۔ چنانچہ وہ چاروں اطراف سے سمٹ کر یہاں سے سینکڑوں میل
[illegible] مقام پر جمع ہو رہے ہیں۔ اس اُمید پر کہ ان کی متحدہ قوت زمانے کے
[illegible] پھیر سکے گی اور وہ اس ملک میں عدل و مساوات کا جھنڈا بلند
[illegible] شکست دینے کے بعد انسانوں کی بستیوں کو ایک بار پھر بھیڑیوں

کی شکارگاہیں بنا سکیں گے۔ آپ اس مقام کا نام سُن کر پریشان ضرور ہوں گی لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر آپ خود بھی رنبیر کی جگہ ہوتیں تو یہی کرتیں۔ جس دن جے کرشن کے آدمی رنبیر کا تعاقب کر رہے تھے۔ ایک نوجوان نے اس کی جان بچائی تھی۔ آپ نے رام ناتھ کی سرگزشت سُنی ہوگی۔"

شکنتلا نے کہا۔ "مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ اس نے بھائی کی جان بچائی تھی۔ وہ اس محل میں بھائی کے ساتھ قیام کے دوران بے حد مغموم رہا کرتا تھا۔ پھر ایک دن اچانک کہیں چلا گیا اور اس کے بعد اس کا پتہ نہیں چلا۔"

"میں آپ کو اس کی سرگزشت سناتا ہوں۔ اس کے بعد آپ یہ فیصلہ کریں گی کہ آپ کے بھائی کو اس کی مدد کے لیے جانا کس قدر ضروری تھا۔"

"سُنائیے!"

عبدالواحد نے مختصر طور پر رام ناتھ کی زندگی کے حالات سنا دیے۔ شکنتلا دیر سر جھکائے سوچتی رہی۔ پھر اس نے کہا۔ "آپ کو یقین ہے کہ وہاں میرے بھائی کو کوئی خطرہ نہیں؟"

"ایک سپاہی کا کوئی کام خطرے سے خالی نہیں ہوتا لیکن آپ پریشان نہ ہوں۔ اگر رنبیر کو کوئی خطرہ پیش آیا تو وہاں اس کے بہت سے مددگار موجود ہیں۔"

شکنتلا نے کہا۔ "اگر اس پر سومنات کے دیوتا کا عتاب نازل ہوا تو دنیا کی کوئی طاقت اُسے پناہ نہیں دے سکے گی۔ وہ دیوتاؤں کا دیوتا ہے۔ آپ کو اس کی طاقت کا اندازہ نہیں۔ اس کا غصہ پہاڑوں کو بھسم کر سکتا ہے۔ سمندروں کو ریگستان بنا سکتا ہے۔ بھگوان کے لیے اسے واپس بلا لیجیے۔"

عبدالواحد نے اطمینان سے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "سومنات کے مندر میں ان بھاری پتھروں کے سوا کچھ نہیں، جنھیں سنگ تراشوں کی

ہنرمندی نے عجیب و غریب شکلوں میں بدل دیا ہے۔ کبھی یہ پتھر پہاڑوں میں بکھرے ہوئے تھے اور سنگ تراشوں کی کرامت نے انھیں مندروں کی زینت بنا دیا ہے۔ ایک پتھر دریا کے کنارے پڑا ہوا ہے۔ دوسرا آپ کے محل کی دیوار میں لگا ہوا ہے۔ تیسرا پتھر آپ کے دیوتا کی مورتی بن گیا ہے۔ اگر دریا کے کنارے پڑے ہوئے پتھر کو تراش کر مندر میں رکھ دیا جائے اور مندر کے بت کو اٹھا کر آپ کے محل کی دیوار میں لگا دیا جائے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ذرا اطمینان سے سوچیے کہ سومنات کے مندر کی سیڑھی اور سومنات کے مندر کی مورتی کے پتھر میں کیا فرق ہے۔ کیا یہ ممکن نہ تھا کہ اگر کسی سنگ تراش کی مرضی ہوتی تو سیڑھی کے پتھر کو تراش کر مندر کی مورتی بنا دیتا اور دوسرے پتھر کو سیڑھی میں لگا دیتا۔ اگر آپ ان دو پتھروں کو توڑ کر ان کے ٹکڑے غور سے دیکھیں تو آپ کو کوئی فرق نظر نہیں آئے گا۔"

شکنتلا اپنے تصورات کی دنیا میں ایک خوفناک زلزلے کے جھٹکے محسوس کر رہی تھی۔ اس کی حالت اس پرندے کی سی تھی جو آندھی میں اپنے نشیمن کے بکھرتے ہوئے تنکوں کے ساتھ چمٹنے کی کوشش کر رہا ہو۔ اس نے سراپا التجا بن کر کہا۔ "نہیں نہیں، یوں نہ کہیے۔ آپ میرے محسن ہیں لیکن سومنات ہمارا دیوتا ہے۔"

عبدالواحد نے کہا۔ "ہر انسان اپنے توہمات کی دنیا سے باہر نکلتے ہوئے یہی محسوس کرتا ہے۔ کبھی میں بھی آپ کی طرح تھا۔ مجھے بھی ان مورتیوں سے پیار تھا لیکن مجھے معلوم ہوا کہ پتھر کے ان تراشے ہوئے ٹکڑوں کی آڑ میں ہوشیار لوگوں کا ایک گروہ ہمیشہ سادہ دل، کمزور اور بے بس انسانوں کا شکار کھیلتا رہا ہے۔ اونچی ذات کے لوگ ان مورتیوں کی عظمت اور ہیبت کا ڈھنڈورا اس لیے پیٹتے ہیں کہ ایسا کرنے سے انھیں نیچ ذات انسانوں پر برتری حاصل ہوتی ہے ... ہے اس لیے اس کا فرض ہے کہ وہ سماج کی تراشی ہوئی مورتیوں

کے سامنے آنسو، خون اور پسینہ پیش کرتا رہے۔ برہمن پوتر ہے اس لیے اس
کہ وہ ان پتھروں کے نام پر ملک کی تمام دولت سمیٹ کر اپنے مندروں
لے۔ ان بتوں نے انسان اور انسان کے درمیان نفرت اور حقارت کے
کھڑے کیے ہوئے ہیں۔ ان کا ٹوٹنا ضروری ہے۔ ان پر سونے کے غلاف
انھیں ہیروں اور موتیوں سے سجانے اور ان کے لیے عظیم الشان مندر تعمیر
کے باوجود اونچی ذات کے انسانوں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ نیچ ذات کے
کو قدرت کے ہر انعام سے محروم کر دیں۔ کیا یہ مذاق نہیں کہ بھگوان نے
اونچی ذات کے انسانوں کو بنایا۔ پھر اچھوتوں کو پیدا کیا اور پھر ان پتھروں کو
تاکہ وہ انھیں تراش کر مورتیاں بنائیں اور بھگوان کو خوش کرنے کے لیے ان
کے سامنے اچھوت کا بلیدان پیش کریں۔ کیا ان بتوں کا ٹوٹنا ضروری نہیں
کے بھجن سن کر خوش ہوتے ہیں لیکن شودر کی شاہ رگ سے خون کی دھار ان
دھونے کے بعد بھی انھیں متاثر نہیں کر سکتی۔ کیا ان بتوں میں اس خالق کا تصور
سکتا ہے جس کے حکم سے چاند، سورج اور ستارے گردش کرتے ہیں، جو مٹی
پھول پیدا کرتا ہے، جس نے چھوت اور اچھوت کو ایک سا جسم، ایک
آنکھیں اور ایک سا دل و دماغ عطا کیا ہے۔ کیا اس کے سورج کی
کے گھر تک نہیں پہنچتی؟ اس کے بادل شودر کی کھیتی پر نہیں برستے؟ کیا
کے ہاتھوں زمین میں بویا جاتا ہے وہ درخت نہیں بنتا؟ پھر اس سماج میں صرف
ہی مظلوم نہیں۔ یہاں ہر طاقت ور مظلوم کا گلا گھونٹتا ہے۔ جو دیوتا ایک
یا کھشتری کو شودر پر ظلم کرنے کی اجازت دیتے ہیں، وہ انھیں ایک دو
گلا کاٹنے سے منع نہیں کر سکتے۔

جب انسانوں کے تراشے ہوئے بت ٹوٹ جائیں گے اور انسان

کے سامنے سر جھکا دے گا تو اس ملک کے برہمن، کھشتری، ویش اور
ایک ہی سطح پر نظر آئیں گے۔ اچھائی اور برائی کی تمیز خون سے نہیں بلکہ
کی جائے گی۔ نحیف اور لاغر انسانوں پر اپنا بوجھ لادنے والے نہیں
کا بوجھ اٹھانے والے قابلِ عزت سمجھے جائیں گے۔ اب ان دیوتاؤں کا زمانہ
ہو گیا ہے۔ جن کی بدولت اس ملک میں صرف ظلم کا بول بالا ہوتا تھا۔ اب قانون
کا پلڑا صرف برہمن کی طرف نہیں جھکے گا۔ اب جے کرشن جیسے لوگ مجرموں
کے کٹہرے میں نظر آئیں گے۔"

شکنتلا نے عاجز سی ہو کر کہا "میں آپ سے بحث نہیں کر سکتی لیکن
مجھے اپنے دیوتاؤں سے بدظن کرنے پر کیوں مُصر ہیں؟"

"اس لیے کہ آپ زبیر کی بہن ہیں اور میں نہیں چاہتا کہ زندگی میں آپ
راستے ایک دوسرے سے مختلف ہوں۔"

شکنتلا کے جسم پر اچانک کپکپی طاری ہو گئی اور اس نے سہمی ہوئی آواز میں کہا
"کیا وہ مسلمان ہو چکا ہے؟"

اس نے ابھی مسلمان ہونے کا اعلان نہیں کیا لیکن میں اس کے دل کا
اس کا دل اسلام کی صداقت پر ایمان لا چکا ہے لیکن ابھی تک وہ اس
کرنے کی جرأت نہیں کر سکا۔ اس کی سب سے بڑی کمزوری ایک
بہن ہے۔ اسے اس بات کا اندیشہ تھا کہ مسلمان ہو جانے کے بعد آپ
ملنے کے امکانات کہیں ہمیشہ کے لیے ختم نہ ہو جائیں۔ وہ اس نئی
رکھنے سے پہلے آپ کو اپنے ساتھ دیکھنا چاہتا ہے۔ آپ میری
پریشان نہ ہوں۔ کم از کم آپ کو اپنے بھائی کے متعلق یہ یقین ضرور ہونا
لالچ یا خوف کے باعث اپنا دھرم چھوڑنے کے لیے تیار نہیں

ہو گا۔"

شکنتلا نے کہا۔" میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔ میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ
بھائی جو راستہ اختیار کرے گا مجھے اس پر چلنا پڑے گا۔ میں اس کے پیچھے
کودنے سے بھی دریغ نہیں کروں گی۔"

عبدالواحد نے کہا۔" اسلام اندھی تقلید نہیں سکھاتا۔ یہ زندگی کا ایک نظام
جس پر ایمان لانے سے پہلے اسے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اگر آپ چاہیں تو
کو سمجھا سکتا ہوں۔ پھر شاید آپ کو یہ محسوس ہو کہ آپ مجبوری کی حالت میں
بلکہ خوشی سے اپنے بھائی کا ساتھ دے رہی ہیں لیکن اب مجھے دیر ہو رہی ہے
پھر آؤں گا۔ آپ بھی شاید میری باتوں سے اکتا گئی ہوں۔"

شکنتلا نے "نہیں، میں سننا چاہتی ہوں۔ ابھی بارش نہیں تھمی۔ آپ
چلے جائیں۔"

عبدالواحد نے مختصراً اسلام کے ابتدائی اصول، پیغمبر اسلام کی زندگی
حالات اور کفر و اسلام کی جنگوں کے واقعات بیان کیے۔ اس کی تقریر
دوران میں شکنتلا یہ محسوس کر رہی تھی کہ اس کے دل کا بوجھ آہستہ آہستہ
ہے۔ عبدالواحد کے اختتام پر اس نے سوال کیا۔" کیا سلطان خود بھی اس
کے مسلمانوں کے نقش قدم پر چل رہا ہے؟"

عبدالواحد نے جواب دیا۔" وہ لوگ انسانیت کا بہترین نمونہ تھے اور
کو ان کے ساتھ کوئی نسبت نہیں دی جا سکتی لیکن مجھے یقین ہے کہ اس
اسلام کے ان مبلغوں کے لیے راستہ صاف کر دیں گی۔ جن میں ہم اس زمانے
کی جھلک دیکھ سکیں گے۔ سلطان نے قلعوں کو فتح کیا ہے لیکن یہ لوگ
دلوں کو مسخر کریں گے۔ شمال کے علاقوں میں وہ درویش خصلت انسان پہنچ

جن کی نگاہوں کی قوتِ تسخیر محمود کی تلوار سے کہیں زیادہ ہے۔"

کچھ دیر دونوں خاموش رہے۔ پھر عبدالواحد نے کہا۔" مجھے اب اجازت دیجیے
میں علی الصباح یہاں سے چلا جاؤں گا۔ میں دو ہفتوں کے اندر اندر اپنا دورہ ختم
کر کے غزنی جا رہا ہوں۔ وہاں شاید مجھے کچھ مدّت ٹھہرنا پڑے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ
وہاں سے مجھے کسی اور طرف بھیج دیا جائے لیکن میری غیر حاضری میں آپ کو اپنے
بھائی کے متعلق پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ قنوج میں میرا قائم مقام آپ کو
رنبیر کا پتہ دیتا رہے گا۔ جب رنبیر آئے گا تو اسے میرا سلام کہہ دیں۔"

شکنتلا کے چہرے پر اچانک اداسی چھا گئی۔ اس نے مغموم آواز میں کہا۔" اگر
آپ کو غزنی سے کسی اور جگہ بھیج دیا گیا تو بھی آپ بھائی سے ملنے کے لیے تشریف
لایا کریں گے نا؟"

"اگر موقع ملا تو میں ضرور آؤں گا۔ اب آپ آرام کریں۔" عبدالواحد یہ کہہ کر
کھڑا ہو گیا۔

شکنتلا نے اٹھتے ہوئے کہا۔" اگر آپ بُرا نہ مانیں تو میں ایک سوال پوچھنا
چاہتی ہوں۔"

"پوچھیے!"

شکنتلا نے جھجکتے ہوئے کہا۔" آشا کون ہے؟"

عبدالواحد مبہوت سا ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

شکنتلا نے دوبارہ کہا۔" معاف کیجیے۔ شاید یہ گستاخی کی بات ہو لیکن اُس دن
جب آپ نے مجھے دیکھا تھا تو آپ کے منہ سے "آشا" کا لفظ نکل گیا تھا۔"

عبدالواحد نے گردن جھکاتے ہوئے مغموم آواز میں کہا۔" ابھی آپ مجھ سے
یہ نہ پوچھیں۔ جب آپ کا بھائی آئے گا تو وہ آپ کو آشا کے متعلق بہت

کچھ بتا سکے گا۔ اب مجھے اجازت دیجیے۔"

شکنتلا عبدالواحد کو سیڑھیوں تک پہنچانے کے لیے باہر نکلی۔ شمبوناتھ
اضطراب کی حالت میں برآمدے میں ٹہل رہا تھا۔ انھیں رخصت کرنے کے
شکنتلا اپنے سونے کے کمرے میں چلی گئی۔ "آشا کون ہے؟ اس نے میرے
کا جواب کیوں نہیں دیا؟" وہ بستر پر لیٹ کر دیر تک سوچتی رہی۔ بالآخر اُسے
آ گئی۔ گہری اور میٹھی نیند اور پھر جب وہ بیدار ہوئی تو صبح ہو چکی تھی۔ وہ بھاگ کر
کمرے سے باہر نکلی۔ ایک نوکرانی برآمدے میں صفائی کر رہی تھی۔

شکنتلا نے کہا۔ "کیا مہمان جا چکے ہیں؟"

"وہ تو پچھلے پہر ہی روانہ ہو گئے تھے۔" نوکرانی نے جواب دیا۔ یہ سن کر شکنتلا
کا دل بیٹھ گیا۔

رام ناتھ کا سفر

رنبیر کے گاؤں سے رخصت ہونے کے بعد رام ناتھ کی منزل مقصود سومنات
تھی۔ چند دن کے سفر کے بعد وہ ایک شام دریائے چمبل کے کنارے ایک چھوٹی سی
بستی میں داخل ہوا۔ گاؤں کے چوپال میں چند آدمی اسے دیکھتے ہی ہاتھ باندھ کر کھڑے
ہو گئے۔ ایک نوعمر لڑکے نے آگے بڑھ کر اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔ رام ناتھ
نے گھوڑے سے اتر کر گاؤں کے چودھری کے متعلق پوچھا۔ نوعمر لڑکے نے جواب
دیا۔ "مہاراج! وہ سردار کا حکم ملتے ہی آدمیوں کو لے کر روانہ ہو گئے تھے۔ گاؤں
میں صرف پندرہ بیس آدمی رہ گئے ہیں اور ان میں سے کوئی شکار میں حصہ لینے
کے قابل نہیں۔"

رام ناتھ نے کہا۔ "میں تمھارا مطلب نہیں سمجھا۔ میں ایک مسافر ہوں اور
اس گاؤں میں رات گزارنا چاہتا ہوں۔"

لڑکے نے کہا۔ "آپ کی سیوا ہمارا فرض ہے۔ میں چودھری کا لڑکا ہوں
تشریف رکھیے۔"

رام ناتھ ایک کھاٹ پر بیٹھ گیا۔ چودھری کا لڑکا گھوڑے کو ایک آدمی

کے سپرد کر کے اس کے سامنے آ بیٹھا۔ باتوں باتوں میں رام ناتھ کو معلوم ہوا کہ انہل واڑہ کا مہاراجہ مقامی راجہ کی دعوت پر شیر کے شکار کے لیے آیا ہوا ہے اور علاقے کے سردار اسے شکار میں مدد دینے کے لیے یہاں سے تھوڑی دور جنگل میں اپنے اپنے آدمی جمع کر رہے ہیں۔

رام ناتھ علی الصباح اس گاؤں سے روانہ ہو گیا۔ کوئی تیس کوس ایک گھنے جنگل میں چلنے کے بعد اُسے چند ہاتھی نظر آئے جو تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کھڑے تھے۔ شکاری ان ہاتھیوں پر سوار تھے اور ان کے پیچھے پیادہ آدمی نیزے بھالے سنبھالے کھڑے تھے۔ ایک نوجوان نے رام ناتھ کو اشارے سے روکا اور آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ ”آپ انہل واڑہ کے مہاراج کے آدمی ہیں؟“

”نہیں۔“ رام ناتھ نے جواب دیا۔ ”میں ایک مسافر ہوں۔“

”تو یہیں ٹھہرو! اس طرف سے کسی کو آگے جانے کی اجازت نہیں۔“

”تو میں دوسری طرف سے نکل جاتا ہوں۔“

نوجوان نے برہم ہو کر کہا۔ ”میں کہتا ہوں کہ تم آگے نہیں جا سکتے۔ دائیں، بائیں اور سامنے کی سمتوں سے ہمارے آدمی شکار کو گھیر کر اس طرف لا رہے ہیں۔ میں تمہارے ہی فائدے کی بات کرتا ہوں۔ فوراً واپس چلے جاؤ۔ گھوڑے کو یہاں کھڑا کرنے کی اجازت نہیں۔“

دور سے آدمیوں کی چیخ پکار سنائی دے رہی تھی۔ رام ناتھ کے دل میں تھوڑی دیر کے لیے شکار دیکھنے کی خواہش غالب آ گئی اور اس نے گھوڑے سے اتر کر نوجوان سے کہا۔ ”مجھے شکار دیکھنے کا شوق ہے اگر اجازت ہو تو آپ کے پاس کھڑا ہو جاؤں۔“

نوجوان نے مسکرا کر کہا۔ ”تم پیچھے کسی درخت پر چڑھ کر تماشا دیکھو۔“

رام ناتھ کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھا لیکن اس نے ضبط سے کام لیتے ہوئے کہا۔ ”وقت آنے پر آپ مجھے بزدلی کا طعنہ نہیں دے سکیں گے۔“

نوجوان نے کہا۔ ”اگر میری بات سے تمہیں رنج پہنچا ہے تو میں معافی چاہتا ہوں میرا مطلب صرف یہ تھا کہ نیزے اور ڈھال کے بغیر تمہارا یہاں کھڑا ہونا درست نہیں لیکن اس کے باوجود اگر تم بہادری دکھانا چاہتے ہو تو میں منع نہیں کرتا۔ گھوڑے کو ذرا پیچھے کسی درخت کے ساتھ باندھ آؤ۔“

”آپ اطمینان رکھیے میری تلوار لکڑی کی نہیں۔“ یہ کہہ کر رام ناتھ اپنا گھوڑا پیچھے لے گیا اور اُسے کچھ فاصلے پر ایک درخت کے ساتھ باندھ کر شکاریوں کے ساتھ شامل ہو گیا۔

(۲)

شکار کو گھیر کر لانے والے آدمیوں کی چیخ پکار زیادہ قریب سنائی دے رہی تھی۔ شکاری خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ گیدڑ، خرگوش اور بھیڑیے بدحواسی کی حالت میں ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔

رام ناتھ سے آگے تھوڑی دور انہل واڑہ کا مہاراجہ بھیم دیو ایک ہاتھی کے اوپری ہودج میں کھڑا اِدھر اُدھر جھانک رہا تھا۔ ایک تجربہ کار شکاری اس کے ساتھ کھڑا تھا۔ مہاراجہ ایک خوش وضع اور قوی ہیکل آدمی تھا۔ اس کے ہاتھی کے ماتھے پر موتیوں کی جھالر اور گلے میں سونے کی زنجیر لٹک رہی تھی۔ پاؤں میں سونے کے بھاری کڑے چمک رہے تھے۔

اچانک دو چیتے نمودار ہوئے اور شکاریوں نے انہیں دونوں طرف سے گھیر کر راجہ کے سامنے لانے کی کوشش کی لیکن ایک چیتے نے اچانک

جست لگائی اور ایک شکاری کے جسم پر اپنے پنجوں کے نشان چھوڑ کر آگے نکل گیا۔ دوسرے چیتے کو راجہ بھیم دیو نے بھالا مارا۔ چیتے نے زخمی ہو کر ایک پلٹا کھایا پھر غضبناک ہو کر جست لگائی اور راجہ کے فیلبان کے سینے میں پنجے گاڑ دیے۔ ہاتھی نے اپنی سونڈ گھمائی اور فیلبان اور چیتا دونوں اس کی پیٹ میں آ کر نیچے گر پڑے۔ مہاراجہ کے ساتھی نے چیتے کو بھالا مار کر فیلبان کی جان بچانے کی کوشش کی لیکن بدحواس ہاتھی چند قدم آگے نکل گیا۔ اتنی دیر میں دوسرے شکاریوں کے سامنے چند اور شیر اور چیتے آ گئے اور وہ فیلبان کا خیال کرنے کی بجائے اپنی اپنی جان بچانے کی فکر کرنے لگے۔ رام ناتھ نے بھاگ کر چیتے پر حملہ کیا۔ اس کی تلوار پوری قوت سے چیتے کی کھوپڑی پر لگی اور وہ دو تین پلٹیاں کھا کر بے حس و حرکت لیٹ گیا۔ لیکن فیلبان بھی اس کے ساتھ ہی اپنا سفرِ حیات ختم کر چکا تھا۔ اتنی دیر میں دوسرے شکاری دو شیر مار چکے تھے۔ چند درندے شکاریوں کی صفیں چیر کر آگے نکل گئے اور باقی جنگل میں چھپ گئے۔ راجہ بھیم دیو کا ہاتھی کوئی چالیس پچاس قدم دور جا کر رکا۔ اس کے محافظ بھاگ کر اس کے گرد جمع ہو گئے۔ ایک سردار کا فیلبان اپنے ہاتھی سے اتر کر راجہ کے ہاتھی کو قابو میں کرنے کے لیے بڑھا لیکن ابھی کچھ دور ہی تھا کہ تین شیر بیک وقت جنگل سے نمودار ہوئے۔ دو شیروں نے راجہ کے پیادہ محافظوں پر حملہ کر دیا اور آن کی آن میں دو آدمیوں کو چیر پھاڑ ڈالا۔ تیسرے شیر نے جست لگائی اور راجہ کے ہاتھی کی گردن پر سوار ہو گیا۔ راجہ نے برچھا مار کر شیر کو نیچے گرا دیا لیکن ہاتھی جو پہلے ہی بدحواس تھا، چنگھارتا ہوا ایک طرف بھاگ گیا۔ رام ناتھ نے یہ دیکھ کر ایک گرے ہوئے شکاری کا نیزہ اور ڈھال اٹھالی اور تیزی سے راجہ کے ہاتھی کے پیچھے دوڑنے لگا۔ جب بدحواس ہاتھی ایک درخت کے نیچے سے گزرنے لگا تو راجہ نے ایک جھکی ہوئی شاخ کے ساتھ لٹک کر اپنی جان

بچا لی۔ لیکن اس کا ساتھی خبردار ہونے سے قبل درخت کے ایک مضبوط تنے کی زد میں آ گیا اور ہودج تنے سے ٹکرا کر شکاری سمیت زمین پر گر پڑا۔ ہاتھی آگے نکل گیا۔ شکاری کا سر ایک پتھر سے ٹکرایا اور اُسے دوبارہ گردن اٹھانے کی ہمّت نہ ہوئی۔ راجہ ابھی تک بے بسی کی حالت میں درخت پہ ہی لٹک رہا تھا کہ اچانک ایک چیتا جو کسی شکاری کے ہاتھوں زخمی ہو کر پاس کی جھاڑیوں میں چھپا بیٹھا تھا، ایکدم جست لگا کر اس درخت کے اس تنے پر پہنچ گیا جہاں سے وہ راجہ پر آسانی سے حملہ کر سکتا تھا لیکن ارد گرد آدمیوں کی چیخ اور پکار نے اُسے بدحواس کر دیا اور وہ راجہ کی بجائے نیچے دیکھنے لگا۔ راجہ نے درخت سے اترنا زیادہ خطرناک سمجھ کر اپنی ٹانگیں اوپر کر لیں اور شاخ پر جم کر بیٹھتے ہوئے نیام سے تلوار نکال لی۔ اچانک چیتے نے گردن اٹھائی۔ راجہ اُسے حملے کے لیے تیار دیکھ کر سراسیمہ ہو گیا اور چیخ چیخ کر اپنے آدمیوں کو مدد کے لیے بلانے لگا۔

رام ناتھ جھاڑیوں میں سے بھاگتا ہوا درخت کی طرف بڑھا۔ تین اور شکاری چند قدم کے فاصلے پر تھے۔ اتنے میں راجہ بلند آواز میں چلایا ”ہوشیار! اوپر سے چیتا حملہ کرنے والا ہے۔“

رام ناتھ نے فوراً اوپر دیکھا تو چیتا اس پر حملے کے لیے تیار تھا۔ اس نے ڈھال پھینک دی اور دونوں ہاتھوں میں نیزہ سنبھال کر چیتے کی زد میں کھڑا ہو گیا۔ چیتے نے ایک خوفناک گرج کے ساتھ نیچے چھلانگ لگا دی۔ رام ناتھ نے گھٹنوں کے بل ہو کر نیزہ زمین سے لگا دیا اور نوک چیتے کے سامنے کر دی۔ خوش قسمتی سے چیتا سیدھا نیزے پر گرا۔ اس کی نوک چیتے کی گردن اور سینے کو چیرتی ہوئی کمر کے قریب جا نکلی۔ چیتے کے بوجھ کے باعث نیزہ درمیان سے ٹوٹ گیا۔ لیکن رام ناتھ کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔ اس نے چند قدم پیچھے ہٹ کر اپنی تلوار

نکال لی اور اتنی دیر میں دوسرے شکاری بھی وہاں پہنچ گئے۔

چیتا زمین پر اچھل اچھل کر پلٹنیاں کھا رہا تھا۔ شکاریوں نے آن کی آن میں اسے اپنے نیزوں سے چھلنی کر دیا۔ تھوڑی دیر میں مقامی راجہ اور کئی سردار وہاں جمع ہو چکے تھے۔

(۳)

مہاراجہ بھیم دیو درخت سے اُترا۔ لوگوں نے بلند آواز سے "مہاراج کی جے ہو" کا نعرا بلند کیا لیکن بھیم دیو کسی اور کی طرف توجہ دینے کی بجائے اپنی آستین سے چہرے کا پسینہ پونچھتا ہوا سیدھا رام ناتھ کی طرف بڑھا اور کچھ کہے بغیر اپنے گلے سے موتیوں کی بیش قیمت مالا اتار کر اس کے گلے میں ڈال دی۔ چند آدمیوں نے مل کر ہودج کے نیچے دبے ہوئے شکاری کو نکالا لیکن وہ زندگی کی دلچسپیوں کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ چکا تھا۔ بھیم دیو نے آگے بڑھ کر اس کی نبض ٹٹولتے ہوئے اپنے میزبان کی طرف دیکھا اور کہا۔ "میرا بہترین شکاری مارا جا چکا ہے اور میں اس کے عوض آپ کا بہترین شکاری اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔"

میزبان نے جواب دیا۔ "مہاراج کا حکم سر آنکھوں پر لیکن میں سمجھتا تھا کہ یہ نوجوان آپ کے ساتھ آیا ہے۔"

بھیم دیو نے کہا۔ "اگر یہ میرے ساتھ ہوتا تو آپ اسے میرے بہترین ہاتھی پر سوار دیکھتے۔"

"تو پھر شاید یہ اجنبی کے مہاراج کے ساتھ آیا ہو۔"

رام ناتھ نے آگے بڑھ کر کہا۔ "نہیں مہاراج! میں کسی کے ساتھ نہیں۔ میں ایک مسافر ہوں اور یہ محض اتفاق تھا کہ میں اس طرف آ نکلا۔"

بھیم دیو نے سوال کیا۔ "تم کہاں سے آئے ہو؟"

"قنوج سے مہاراج!"

"اور کہاں جا رہے تھے؟"

"مہاراج! میں سومنات کی یاترا کے لیے جا رہا ہوں، وہاں میں نے ایک منت مانی تھی۔"

"آج تم ہمارے مہمان ہو۔"

"مہاراج کی خواہش میری خوشی ہے۔"

بھیم دیو شکار ختم کرنے کا حکم دے کر اپنے پڑاؤ کی طرف لوٹ آیا۔ اگلے دن رام ناتھ رخصت لینے کے لیے حاضر ہوا تو مہاراجہ نے اُسے یاترا کے بعد انہل واڑہ آنے کی دعوت دی اور کہا۔ "اگر تم ہماری فوج کی ملازمت پسند کرو تو ہمیں بہت خوشی ہوگی۔"

رام ناتھ نے جواب دیا۔ "میں وعدہ نہیں کرتا لیکن شاید میرے حالات مجھے کسی دن آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے مجبور کر دیں۔"

"ہم تمہارا انتظار کریں گے اور ہم نے تمہیں سومنات پہنچانے کا انتظام بھی کر دیا ہے۔"

"نہیں مہاراج! مجھے وہاں جانے کے لیے کسی خاص انتظام کی ضرورت نہیں۔"

"ہماری خواہش ہے کہ تم ہمارے ایک دوست کی حیثیت سے ہاتھی پر سوار ہو کر جاؤ۔ ایک فیلبان کے علاوہ میرے چار نوکر تمہارے ساتھ جائیں گے اور وہاں پہنچ کر تمہیں یہ کہنے کی اجازت ہوگی کہ میں انہل واڑہ کے بہترین سرداروں میں سے ایک ہوں۔ ہم تمہیں وہاں ایک بہت بڑی

جاگیر دینے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ یہ انعام نہیں بلکہ تمھاری بہادری کا خراج ہے۔
رام ناتھ جیسے خواب کی حالت میں یہ الفاظ سُن رہا تھا۔ تشکر اور ا...
کے اظہار کے لیے اس کے پاس الفاظ نہ تھے۔

تھوڑی دیر بعد وہ ہاتھی پر سوار ہو کر اپنی منزل مقصود کا رُخ کر رہا تھا۔ ...
سوار اس کے ہمراہ تھے۔ یہ اس کے پُرانے خوابوں کی تعبیر تھی۔ وہ دل ہی دل ...
محسوس کر رہا تھا کہ زندگی میں میرے اور رنبیر کے راستے مختلف ہیں۔ روپ ...
کو پا لینے کے بعد میری زندگی میں کوئی خلا باقی نہ رہے گا۔ مجھے ہندو سماج اور مح...
غزنوی کے حملوں سے کوئی سروکار نہیں ہوگا۔ مجھے اس بات سے کوئی دلچسپ...
نہیں ہوگی کہ پتھر کی مورتیاں ٹوٹتی ہیں یا سلامت رہتی ہیں۔ روپ وتی کو حاصل
کرنے کے بعد مجھے ایک جائے پناہ کی ضرورت تھی اور وہ مجھے مل گئی ہے۔ اب
ایک بے خانماں مسافر کی حیثیت سے نہیں بلکہ انہل واڑہ کے ایک با اثر سردار
کی حیثیت سے وہاں جاؤں گا۔ سومنات کے پروہت کو یہ ہاتھی دان کرنے
کے بعد مجھے آزادی کے ساتھ مندر میں گھومنے پھرنے کی اجازت مل جائے گی۔
پھر موتیوں کی یہ بیش قیمت مالا پروہت کی نذر کرنے میں روپ وتی کو آزاد کر...
سکوں گا۔ اگر یہ ممکن نہ ہوا تو میں کسی اور طریقے سے اُسے مندر سے نکالنے کی
کوشش کروں گا۔ انہل واڑہ میں اسے جاننے والا کوئی نہیں ہوگا۔ روپ وتی
حاصل کرنے کے بعد میری زندگی کی تمام خواہشات پوری ہو جائیں گی۔

(۴)

سومنات بیک وقت ایک قلعہ، ایک مندر اور ایک مکتب تھ...
کاٹھیاواڑ کے ساحل پر دریائے سرسوتی سے کوئی تین میل دُور ایک ...

...بنی تھی اور اس فصیل کے اندر سومنات کے محافظ سپاہیوں کی قیام گاہیں تھیں۔
...سے آگے سمندر کی طرف یاتریوں کے لیے مہمان خانے اور نوکروں اور
...چھوٹے بڑوں کی رہائش کے کمرے تھے۔ ان کے بعد ان عالی شان محلات کا ایک
...سلسلہ شروع ہوتا تھا جو ہندوستان کے راجوں اور مہاراجوں نے یاترا کے دوران
...اپنی رہائش کے لیے بنوائے تھے۔ مندر کے پجاریوں اور برہمنوں کے مکانات
...ان سے ملحق تھے۔ پھر ایک کشادہ گزرگاہ دکھائی دیتی تھی۔ جو پانی کی سطح سے چند
...بلند تھی۔ اس گزرگاہ کے دائیں بائیں اونچے درجے کے پجاریوں کے محلات تھے۔
...شان و شوکت کے لحاظ سے ان محلات سے کم نہ تھے۔ جو ملک کے بڑے
...راجاؤں نے اپنے لیے تعمیر کیے تھے۔ یہ گزرگاہ دائیں ہاتھ سومنات کے
...پروہت کے رفیع الشان محل کے ساتھ ساتھ گزرتی ہوئی سومنات کے مندر
...کے ...نی دروازے پر ختم ہوتی تھی۔

مندر کی تیرہ منزلہ عمارت مخروطی شکل میں گہرے پانی میں کھڑی تھی اور اس کی
...پر چودہ سنہری کلس دور دور تک دکھائی دیتے تھے۔ قلعے کی طرف سے دو
...دروازے مندر کے شمالی اور جنوبی دروازوں تک پہنچتی تھیں۔ مغرب کی جانب
...ایک چبوترہ تھا جس کے آگے پتھر کی سیڑھیاں پانی میں غائب ہو جاتی تھیں۔
...کمرہ چھپن ستونوں پر کھڑا تھا اور اس وسیع کمرے کے درمیان
...چبوترے پر وہ بت نصب تھا جس کی قوت اور ہیبت کی داستانیں اطرافِ
...میں مشہور تھیں۔ یہ بت چبوترے سے پانچ ہاتھ اونچا اور دو ہاتھ چبوترے

...کی ایک روایت کے مطابق چاند کے دیوتا سے کوئی جرم سرزد ہوا تھا اور
...کے لیے اُسے مہادیو کے لنگ کی یہ مورتی بنانی پڑی۔ ہندی زبان میں سوم کے

کے اندر تھا۔ اس کی سطح بیش قیمت جواہرات سے ڈھکی ہوئی تھی۔ چھت
میں سونے کی زنجیر کے ساتھ مورتی کے اوپر ایک تاج لٹکایا گیا تھا جو ہیرے
موتیوں سے مرصع تھا۔ چھت اور دیواریں اور ستون بھی رنگا رنگ کے جواہر
مزین تھے۔ روشنی کے لیے چھت کے ساتھ بیش قیمت ہیروں کے فانوس
ہوئے تھے اور کمرے کے دروازوں کے پردوں میں بھی موتی ہیرے لال اور یاقوت
ہوئے تھے۔ سومنات کے بت کے ارد گرد سونے اور چاندی کی کئی ...
نصب تھیں جو یہ ظاہر کرتی تھیں کہ باقی تمام دیوتا اس دیوتا کے خدمت گزار ...

معنی چاند اور ناتھ کے معنی آقا ہیں۔ چنانچہ سومنات کا مطلب "چاند کا آقا" ہے۔ ...
کے عقیدت مندوں کے اعتقاد کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ چاند کے طلوع و غروب کے ...
میں مدوجزر پیدا ہوتا تھا جب سمندر کی لہر کنارے کی طرف بڑھتی تھی تو سومنات کا بت
غائب ہو جاتا تھا۔ اس کے بعد سمندر اپنی اصلی حالت پر آ جاتا تو یہ بت پانی کی آغوش سے ...
ہو جاتا تھا۔ سومنات کے پجاری اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتے تھے کہ چاند سومنات کے بت کی خدمت ...

بعض مسلمانوں کے نزدیک سومنات وہی بت تھا، جسے منات کے نام ...
کفار نے کعبہ میں نصب کر رکھا تھا۔ ظہورِ اسلام کے ساتھ جب اس بت کے پجاریوں ...
خطرہ محسوس کیا تو انھوں نے اسے کعبہ سے اٹھا کر کاٹھیاواڑ پہنچا دیا۔ اور ...
کے قریب نصب کر کے مشہور کر دیا کہ یہ سمندر سے نمودار ہوا ہے اور اس ...
بجائے سومنات رکھ دیا۔ لیکن اس خیال آرائی کی وجہ سومنات اور منات کی لفظی ...
کے سوا کچھ نہیں۔ تاریخ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ظہورِ اسلام سے قبل عرب ...
کی پوجا کیا کرتے تھے وہ انسان کی شکل پر بنائے گئے تھے۔ زمانۂ جاہلیت کے شعر ...
سے بھی اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ عربوں میں لنگ کی پوجا کا رواج تھا۔

... جو اس بت کی پوجا کے اوقات میں بجائی جاتی تھی۔ سونے کی دو سو من وزنی
زنجیر کے ساتھ لٹکائی گئی تھی۔

ہندوؤں کے نزدیک سومنات کا بت زندگی اور موت پر قادر تھا۔ یہ انسانوں
کو خوشی اور غم عطا کرتا تھا۔ موت کے بعد انسانوں کی روحیں اس بت کے گرد جمع
ہوتی تھیں اور وہ انھیں نئے جنم دیتا تھا۔

اس مندر میں یاتریوں کا اس قدر ہجوم رہتا تھا کہ قریباً ایک ہزار برہمن انھیں
پوجا پاٹھ کے طریقے سمجھانے پر مقرر تھے۔ سینکڑوں آدمی یاتریوں کی خدمت پر
مامور تھے۔ سینکڑوں رقاص اور گویے ہر وقت مندر کے دروازوں پر موجود رہتے
تھے۔ ملک کے طول و عرض سے عالی نسب لڑکیاں یہاں رقص اور موسیقی سیکھنے کے
لیے آتی تھیں۔ ان میں سے صرف بہترین ناچنے اور گانے والی دوشیزاؤں[۱] کو سومنات
کے بت کے سامنے اپنے کمالات دکھانے کا موقع دیا جاتا تھا۔ ایسی لڑکیوں کو
ملک کے ہر حصے میں نہایت عزت و احترام سے دیکھا جاتا تھا اور امرأ کے لڑکے
انھیں اپنی دلہن بنانے کے خواہش مند رہتے تھے۔ اس کے علاوہ سینکڑوں لڑکیاں
ایسی تھیں جو سومنات کی داسیاں کہلاتی تھیں۔ ان میں سے اکثر وہ تھیں جن کے والدین
ان کی پیدائش سے پہلے ہی سومنات کی بھینٹ کر چھوڑتے تھے اور بعض ایسی یتیم
... ہوتی تھیں جنھیں بااثر لوگ سومنات کے مندر پہنچا دیتے تھے۔ یہ لڑکیاں
... پجاریوں اور برہمنوں کی سیوا کرتی تھیں اور پروہت کی مرضی کے بغیر
... مندر کی چار دیواری سے باہر نکلنے کی اجازت نہ تھی۔ رقص اور موسیقی کی

---

[۱] بعض روایات کے مطابق سومنات کے مندر میں رقص کرنے والی لڑکیوں کی ...

تربیت دینے کے بعد انھیں مندر کے ان اسرار و رموز سے آگاہ کیا جاتا تھا
برہمنوں کے سوا کسی کو علم نہ تھا۔

سومنات کی مورتی کو غسل دینے کے لیے ہزاروں آدمی ہر روز گنگا
کرنے پر متعین تھے۔ اسی طرح لڑکروں کی ایک جماعت سینکڑوں کوس دور
وادیوں سے سومنات کے دیوتا کے لیے پھولوں کے ہار مہیا کرتی تھی۔ مندر
بڑا تھا کہ اس کے ان گنت کمروں اور کوٹھڑیوں میں اس کا بے شمار عملہ آسانی
سکتا تھا۔ مندر سے ایک طرف سمندر کے کنارے کے ساتھ ساتھ ان تارک
سادھوؤں، بھگتوں اور سنیاسیوں کی کوٹھڑیاں تھیں جو اولاد کے خواہشمندوں کی
روائی پر مامور تھے۔ یہ لوگ لباس پہننے کی بجائے اپنے جسم پر صرف راکھ مل لینا
کافی سمجھتے تھے۔

سومنات کی دولت و ثروت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ
کے طول و عرض میں دس ہزار دیہات اس کی جاگیر تھے۔ ہندوستان کے راجے
اور مہاراجے یا ان کے سفیر ہر سال اس مندر کی اہم رسومات میں حصہ لینے کے لیے
آتے اور ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر نذرانے پیش کرتے۔ اس کے
اولاد کے خواہشمند بھی ہر سال لاکھوں کی تعداد میں بڑے بڑے نذرانے
آتے تھے۔

سومنات کی شہرت صرف ہندوستان تک ہی محدود نہ تھی۔ مشرق و مغرب
کے کئی ممالک کے تجارتی جہاز پانی اور رسد حاصل کرنے کے لیے سومنات
بندرگاہ پر کھڑے ہوتے تھے۔ ان جہازوں کے توہم پرست ملاحوں نے
کی شہرت دور دور تک پہنچا دی تھی۔ وہ سومنات کو سمندر کا دیوتا سمجھتے تھے
ہر سفر کی کامیابی کے صلے میں یہاں نذرانے پیش کرتے تھے۔ ہندوستان

ے تھی پاس اگر کوئی جہاز غرق ہو جاتا تو یہ مشہور ہو جاتا کہ سومنات کا دیوتا اس کے
ملاحوں سے ناراض ہو گیا تھا اور اگر کوئی سفینہ بخیریت اپنی منزل مقصود تک پہنچ جاتا
تو یہ جاتا کہ ملاحوں سے دیوتا خوش تھا۔

سومنات کے قلعے اور مندر سے باہر دریائے سرسوتی کے کنارے ایک
بڑا شہر آباد تھا اور ایک اہم تجارتی مرکز ہونے کے باعث یہاں کے
باشندے کافی متمول تھے۔

نرملا اور رُوپ وتی

گوالیار میں جے کرشن کی بیوی کا بڑا بھائی سردار شیام لال ایک راست گو اور غیور
راجپوت تھا۔ اسے جے کرشن کی خود پسندی، ریاکاری اور ابن الوقتی سے نفرت تھی اور
کئی موقعوں پر وہ بے جھجک اس کا اظہار بھی کر چکا تھا۔ اس لیے جے کرشن عام طور
پر اس سے دور رہنا پسند کرتا تھا لیکن اپنے گاؤں پر حملے کی اطلاع پا کر اسے مجبوراً
گوالیار کا رُخ کرنا پڑا۔ راستے میں یہ خیال اُسے بری طرح پریشان کر رہا تھا کہ جب
شیام لال کو یہ معلوم ہوگا کہ میں اس کی بہن اور بھانجی کو دشمن کے رحم و کرم پر چھوڑ
آیا ہوں تو وہ کیا کہے گا۔ پہلے اس نے یہ سوچا کہ مجھے جاتے ہی اپنے گاؤں پر حملے
کا ذکر نہیں کرنا چاہیے لیکن پھر اُسے خیال آیا کہ شیام لال سے وقتی طور پر جان چھڑانے
کے لیے بھی یہ بہانہ کافی نہیں۔ وہ کہے گا۔ جب مسلمان قنوج اور باری کی طرف بڑھ
رہے ہیں تو تم یہاں کیوں آئے ہو۔ چنانچہ سرحد عبور کرنے سے پہلے اس نے
فیصلہ کیا کہ مجھے واپس جا کر راجہ کی فوج میں شامل ہو جانا چاہیے۔ اگر راجہ کو فتح
ہوئی تو مجھے شیام لال کے پاس جانے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی اور اگر
اُسے شکست ہوئی تو میں گوالیار پہنچ کر شیام لال سے کہہ سکوں گا کہ گاؤں پر حملہ

میری غیر حاضری میں ہوا ہے اور راجہ کی شکست کے بعد اپنی بیوی اور
بچی کو دشمن کی قید سے چھڑانا میرے بس کی بات نہیں۔ اتفاق سے راستے میں اُس
کی ملاقات سرحد کے چند ایسے سرداروں سے ہوگئی جو پانچ ہزار سپاہیوں کے
ساتھ راجہ کی مدد کے لیے باری جا رہے تھے۔ جے کرشن بھی ان کے ساتھ شامل ہو
گیا۔ اس کے نوکروں میں سے صرف پیارے لال اس کے ہمراہ تھا۔

قنوج اور باری میں سلطان محمود کی فتوحات کے بعد جے کرشن کو اپنی جان
بچانے کے لیے شکست خوردہ فوج کے ان دستوں کا ساتھ دینا پڑا جو راجہ گنڈا
کو اپنا آخری سہارا سمجھ کر کالنجر کا رُخ کر رہے تھے۔ کالنجر کی سرحد میں داخل
ہوتے ہی جے کرشن نے اطمینان کا سانس لیا اور جنگ میں حصّہ لینے کی بجائے
گوالیار چل دیا۔ راستے میں اُسے پڑوس کے کئی راجوں اور سرداروں کی افواج
دکھائی دیں جو راجہ گنڈا کی مدد کے لیے جا رہی تھیں۔ راجہ گنڈا کی دفاعی تیاریوں
کے متعلق اس نے جو کچھ سنا وہ بہت حوصلہ افزا تھا۔ چنانچہ وہ پھر ایک بار
تذبذب میں پڑ گیا۔

ایک شام اُسے گوالیار کی سرحد سے چند منازل دور ایک لشکر کا پڑاؤ نظر آیا
دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ گوالیار کی فوج ہے جو وہاں کے حکمران کی قیادت
میں راجہ گنڈا کی مدد کے لیے جا رہی ہے۔ جے کرشن کو راہِ فرار نظر نہ آئی اور
وہ مجبوراً اس لشکر میں شامل ہوگیا۔ سردار شیام لال اور اس کے خاندان کے کئی
نوجوان بھی اس فوج کے ساتھ تھے۔ جے کرشن نے انھیں اپنے گاؤں کے حالات
بتانے کی ضرورت محسوس نہ کی۔

جب کالنجر کا راجہ میدان چھوڑ کر بھاگا تو جے کرشن شیام لال کے ساتھ
گوالیار پہنچ گیا۔ چند دن کے بعد شیام لال نے اپنے ایک وفادار نوکر کو نرملا کی

ماں کا پتہ لگانے کے لیے بھیجا۔ وہ یہ خبر لے کر آیا کہ نرملا کی ماں مرچکی ہے اور
ابھی تک رنبیر کے گھر میں ہے۔ شیام لال نے بذاتِ خود رنبیر کے پاس جانے کا
فیصلہ کیا لیکن اس کی روانگی سے قبل رنبیر کا نوکر شمبوناتھ نرملا کو لے کر پہنچ گیا۔
نرملا کی آمد کے بعد جے کرشن کو اپنے مستقبل کی فکر ہوئی۔ [illegible]
کی طرح وہ بھی پرلے درجے کا دوراندیش تھا۔ وہ جانتا تھا کہ گاؤں میں ایک
کی حیثیت سے واپس جانے کے امکانات ختم ہو چکے ہیں۔ اگر وہ گوالیار کو [illegible]
سمجھتا تو اپنی بیٹی کی خاطر کسمپرسی کی حالت میں بھی وہاں رہنا گوارا کر لیتا لیکن
جانتا تھا کہ راجہ گنڈا کی شکست کے بعد وسطی ہند کی قوتِ مدافعت ختم ہو چکی
ہے اور سلطان محمود جب دوبارہ اس طرف آئے گا تو گوالیار کی فوج اس کا راستہ
نہیں روک سکے گی۔ پھر رنبیر ہر قیمت پر اسے تلاش کرنے کی کوشش کرے گا
اور اس صورت میں گوالیار کے سردار اور شاید گوالیار کا راجہ بھی مسلمانوں کی خوشنودی
حاصل کرنے کے لیے اسے گرفتار کر کے رنبیر کے حوالے کر دے۔ رنبیر کے
انتقام کا خوف اسے سوتے جاگتے پریشان رکھتا تھا۔ اسے کسی ایسی جگہ کی تلاش
تھی جو رنبیر اور مسلمانوں کی دسترس سے دور ہو۔ کئی دن کے غور و فکر کے بعد [illegible]
اس کی جائے پناہ تھی۔ وہاں جنوب اور مغرب کے ان گنت راجے اپنی افواج
جمع کر رہے تھے اور بہت فوجی تجربہ رکھنے والوں کو بڑی بڑی تنخواہوں پر
ملازم رکھ رہے تھے۔ جے کرشن نے سوچا سومنات کے پجاریوں کی خوشنودی حاصل کرنے
کے بعد میرے لیے پڑوس کے کسی راجہ کا مصاحب بن جانا مشکل نہ ہوگا۔ اس
کے علاوہ نرملا سومنات کے مندر میں نسوانی کمالات حاصل کر سکے گی جن کی
بدولت معمولی لڑکیاں بھی شاہی محلات میں پہنچ جاتی ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ
تھی کہ سومنات مسلمانوں کے حملوں کی زد سے بہت دور تھا اور وہاں رنبیر کے

کے پہنچنے کی توقع نہ تھی۔
شیام لال کا گوالیار کے دربار میں کافی اثرورسوخ تھا اور اس کی یہ کوشش
تھی کہ جے کرشن کو راجہ کی فوج میں کوئی موزوں عہدہ مل جائے۔ جے کرشن چند
دن شیام لال پر اپنا ارادہ ظاہر کرنے سے ہچکچاتا رہا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں وہ نرملا
کو اس کے ساتھ بھیجنے سے انکار نہ کر دے۔ چنانچہ اس نے ایک بہانہ تلاش کیا
اور شیام لال سے کہا، "میں نے شیوجی سے منت مانی تھی کہ اگر نرملا مجھے دوبارہ
مل گئی تو میں اس کے ساتھ سومنات کے مندر کی یاترا کے لیے جاؤں گا۔" نرملا
نے بھی سومنات کی یاترا کے لیے اپنے باپ کا ساتھ دینے کی خواہش ظاہر کی
چنانچہ شیام لال نے کوئی اعتراض نہ کیا۔
اتفاق سے گوالیار کے چند یاتری سومنات جا رہے تھے۔ جے کرشن اور
نرملا تنہا سفر کرنے کی بجائے ان لوگوں کے ساتھ شامل ہو گئے۔

(۲)

یاتریوں کے مختصر سے قافلے کے ساتھ کئی دن سفر کرنے کے بعد جے کرشن
اور نرملا ایک دن تیسرے پہر ایک چھوٹے سے شہر میں داخل ہوئے۔ شہر کے
لوگوں سے دھرم شالہ کا راستہ پوچھنے کے بعد یہ قافلہ ایک کشادہ بازار میں سے
گزرتا ہوا اس طرف چل دیا۔ جے کرشن اور نرملا سب سے آگے تھے۔ ایک چوک
کے قریب پہنچ کر انھیں لوگوں کی چیخ پکار سنائی دی۔ جے کرشن نے ہاتھ
کے اشارے سے اپنے ساتھیوں کو روکا اور خود گھوڑے کو ایڑ لگا کر آگے بڑھا۔ لوگ
سراسیمگی کی حالت میں شور مچاتے ہوئے اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ جے کرشن
نے چند آدمیوں کو روک کر ان کی بدحواسی کی وجہ معلوم کرنے کی کوشش کی لیکن

وہ سب "دوڑو، بھاگو، آگیا، آگیا" کہتے ہوئے اِدھر اُدھر نکل گئے۔ چوراہے
تک پہنچتے پہنچتے جے کرشن بذاتِ خود اس قدر بدحواس ہو چکا تھا کہ اس میں آگے
بڑھنے کی ہمت نہ تھی۔ اس نے گھوڑے سے جھک کر ایک آدمی کا بازو پکڑ لیا اور
چلا کر پوچھا۔ "کیا ہوا، کون آگیا، تم بھاگ کیوں رہے ہو؟" بدحواس آدمی نے جھٹکے
سے اپنا بازو چھڑا کر جے کرشن کے دائیں ہاتھ ایک تنگ گلی کی طرف اشارہ کیا
اور وہاں سے رفوچکر ہو گیا۔ گلی کی طرف دیکھتے ہی ایک ثانیہ کے لیے جے کرشن سہم
گیا۔ ایک مست ہاتھی سونڈ اٹھائے تیزی سے بھاگا چلا آرہا تھا۔ آن کی آن میں وہ
جے کرشن کے سر پر آگیا۔ جے کرشن نے یک لخت گھوڑے کی باگ موڑ لی اور بائیں
ہاتھ کی گلی میں داخل ہو گیا۔ ہاتھی جے کرشن کا پیچھا کرنے کی بجائے کشادہ بازار کی
طرف مڑ گیا۔ قافلے کے آدمی اس صورت حال سے بے خبر چوک سے کچھ دور کھڑے
تھے۔ نرملا بھی چند ثانیے وہاں کھڑی رہی۔ پھر جلدی سے گھوڑا دوڑا کر چوک میں پہنچ
گئی تاکہ کسی فوری خطرے میں اپنے باپ کا ساتھ دے سکے۔ ہاتھی پر اس کی نگاہ اس
وقت پڑی جب وہ تنگ گلی سے نکل کر کشادہ بازار میں اس کے سامنے آچکا تھا۔
جے کرشن نے چلانے کی کوشش کی لیکن آواز گلے میں اٹک کر رہ گئی۔ نرملا نے
کترا کر اپنے باپ کے پاس گلی میں گھسنے کی کوشش کی لیکن گھوڑا خوفزدہ ہو کر
اچھلا اور نرملا نیچے گر پڑی۔ ہاتھی چنگھاڑتا ہوا آگے بڑھا۔ نرملا میں اُٹھ کر اپنے
آپ کو بچانے کی ہمت نہ تھی لیکن خوش قسمتی سے قافلے کی چیخ پکار نے ہاتھی کو
نرملا کی طرف متوجہ ہونے کا موقع نہ دیا اور وہ سیدھا آگے نکل گیا۔ چند آدمی جو
گھوڑوں پر سوار تھے، اِدھر اُدھر بھاگ گئے اور باقی آس پاس کی تنگ گلیوں میں
چھپ گئے۔

تھوڑی دیر بعد نرملا کے گرد کئی آدمی جمع ہو چکے تھے۔ اس کی پیشانی سے خون بہہ

رہا تھا۔ اتنی دیر جے کرشن گھوڑے سے اتر کر اُسے ہوش میں لانے کی کوشش کر رہا تھا۔
اتنے میں سواروں کی ایک ٹولی وہاں آگئی۔ ایک معمر اور خوش پوش آدمی نے اپنے
ساتھیوں کو روکا۔ لوگ اسے دیکھتے ہی ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ خوش پوش
آدمی حادثے کی تفصیلات سننے کے بعد گھوڑے سے اتر کر تیزی سے آگے
بڑھا۔ شہر کے لوگ اس کے سامنے سے راستہ چھوڑ کر ہٹ گئے۔
نرملا ہوش میں آچکی تھی۔ جے کرشن اسے بیٹھنے کے لیے اپنے بازوؤں کا
سہارا دے رہا تھا اور شہر کا ایک آدمی اپنی پگڑی پھاڑ کر اس کے ماتھے پر پٹی
باندھ رہا تھا۔ خوش پوش آدمی نے قریب آکر پوچھا۔ "تمھیں زیادہ چوٹ تو نہیں
آئی؟"

نرملا نے کوئی جواب نہ دیا۔ پٹی باندھنے والا آدمی جلدی سے اُٹھا اور ہاتھ
جوڑ کر بولا۔ "مہاراج! بھگوان کی دیا سے ان کی جان بچ گئی ہے۔ ورنہ ہاتھی کا پاؤں ذرا
اس طرف پڑ جاتا تو ان کی خیر نہ تھی۔ ان کا گھوڑا سیخ پا ہو گیا تھا۔"
خوش پوش آدمی نے اِدھر اُدھر دیکھ کر سوال کیا۔ "ہاتھی نے کسی اور کو تو نقصان
نہیں پہنچایا؟"

ایک آدمی نے جواب دیا۔ "مہاراج! پچھلی گلی میں ایک آدمی اس کے پاؤں تلے
آگیا ہے۔"

"بڑا افسوس ہے۔ دیکھو! اگر اس کا کوئی وارث ہو تو اسے ہمارے پاس لے
آنا۔" یہ کہتے ہوئے وہ دوبارہ نرملا کی طرف متوجہ ہوا۔ "آپ کا گھر کہاں ہے؟"
نرملا کی بجائے جے کرشن نے جواب دیا۔ "ہم قنوج سے آئے ہیں اور ہمیں
معلوم نہ تھا کہ اس ملک کے ہاتھی شہروں اور جنگلوں میں تمیز نہیں کرتے۔"
نرملا نے جے کرشن کی طرف سے بے پروائی ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے اس

حادثے کا بہت افسوس ہے۔ اگر میں غلطی پر نہیں تو آپ اس دیوی کے

"میں اس کا باپ ہوں۔۔۔" جے کرشن نے جلدی سے یہ کہہ کر اس کا

پورا کر دیا۔

"آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

"سومنات۔"

"تو ہماری ایک ہی منزل ہے۔ سومنات تک آپ میرے مہمان ہیں۔"

جے کرشن اندازہ لگا چکا تھا کہ اس کا مخاطب کوئی بڑی حیثیت کا آدمی ہے

ہر موقع سے فائدہ اٹھانے کا قائل تھا۔ تاہم نرملا کی طرف دیکھ کر اس نے کہا

کا شکریہ۔ میری بیٹی شاید چند دن گھوڑے پر سواری کے قابل نہ ہو سکے۔"

"آپ تسلّی رکھیں۔ ان کے لیے گھوڑے سے زیادہ آرام دہ سواری کا انتظام

دیا جائے گا۔" یہ کہہ کر عمر رسیدہ آدمی نے اپنے ایک سپاہی کو حکم دیا۔ "تم ا

پڑاؤ میں پہنچانے کا انتظام کرو۔ ہم ہاتھی کا پتہ لگا کے آتے ہیں۔"

"یہ کون ہیں؟" جے کرشن نے عمر رسیدہ آدمی کے جاتے ہی سپاہی سے سوا

کیا۔

سپاہی نے جواب دیا۔ "یہ مہاراج رگھوناتھ ہیں۔ انہل واڑہ کے مہاراجہ کے

چچا۔"

جے کرشن نے اچانک محسوس کیا کہ اس کے لیے کامیابی اور کامرانی کے

راستے کھل گئے ہیں۔ سپاہی سے باتوں باتوں میں جے کرشن کو معلوم ہوا

انہل واڑہ کے حکمران کی حیثیت سے سالانہ خراج کے علاوہ بیس ہاتھیوں کا

لے کر سومنات جا رہا ہے۔

تھوڑی دیر بعد چار آدمی نرملا کو ایک پالکی پر ڈال کر رگھوناتھ کے پڑاؤ میں

گئے۔ جاتی دفعہ جے کرشن نے اپنے ساتھی یاتریوں کی طرف دیکھنا بھی مناسب

سمجھا چونکہ اب وہ انہل واڑہ کے مہاراجہ بھیم دیو کے چچا کا مہمان تھا۔

پڑاؤ میں اسے رات گزارنے کے لیے ایک علیحدہ خیمہ دیا گیا۔ نرملا کی حالت

خطرے سے باہر تھی۔ رگھوناتھ کے خاص طبیب نے اسے دیکھنے کے بعد جے کرشن

کو تسلی دی کہ تمہاری بیٹی کو پالکی میں سفر کرنے سے کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔

رات کے وقت جے کرشن انتہائی جوش و خروش کے عالم میں رگھوناتھ سے

کہہ رہا تھا۔ "میرا گھر بار لٹ چکا ہے۔ میرے وطن کے بڑے بڑے سردار دشمن

کی غلامی کا طوق پہن چکے ہیں لیکن میں نے یہ ذلّت گوارا نہیں کی۔ انھوں نے مجھے

بھی بڑے بڑے لالچ دیے لیکن مجھے اگر محمود کی اطاعت کے صلہ میں قنوج کا تخت

بھی مل جاتا تو بھی انکار کر دیتا۔ میرے لیے کسی غیرت مند راجپوت کے گھوڑوں

کی رکھوالی اس تاج و تخت سے زیادہ قابلِ فخر ہے۔ میری زندگی کی سب سے بڑی

آرزو یہ ہے کہ دشمن کو اپنے دیس سے نکالنے کے لیے اپنے خون کا آخری قطرہ

تک بہا دوں۔ اس وقت میں چاہتا ہوں کہ نرملا کو سومنات کی حفاظت میں چھوڑ کر

ہندوستان کے تمام راجوں اور مہاراجوں کو بیدار کروں۔" اور رگھوناتھ اسے تسلّی دے

رہا تھا۔ "ہمیں آپ جیسے آدمیوں کی بہت ضرورت ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ

ہماری بہت بڑی خدمت کر سکیں گے۔ انہل واڑہ سومنات کا دروازہ ہے

میری کوشش یہ ہوگی کہ واپسی پر آپ کو وہاں لے چلوں۔ مہاراج آپ جیسے

آدمیوں کی قدر کرتے ہیں۔"

اگلے دن جے کرشن رگھوناتھ کے ہمراہ سومنات روانہ ہو گیا۔ نرملا ایک

پالکی میں لیٹی ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ رگھوناتھ کی ہمدردی رفتہ رفتہ دلچسپی میں

تبدیل ہو رہی تھی۔ وہ ہر روز کئی بار کبھی اپنے طبیب اور کبھی جے کرشن سے اس

کے متعلق پوچھتا اور جب قافلہ کسی جگہ قیام کرتا تو وہ طبیب کے ساتھ نرملا
کے خیمے میں چلا جاتا۔ جے کرشن اس عزت افزائی پر پھولے نہیں سماتا لیکن نرملا
اس کے ساتھ عام طور پر بے توجہی سے پیش آتی۔

منزلِ مقصود تک پہنچتے پہنچتے نرملا کی حالت بہتر ہو چکی تھی۔ اس کے بازو کا
زخم مندمل ہو رہا تھا لیکن بازو کا جوڑ ہل جانے کے باعث اسے چند دن اور آرام
کی ضرورت تھی۔ سومنات کی چاردیواری میں داخل ہونے کے بعد جے کرشن اور اس
کی بیٹی رگھوناتھ کے مہمان تھے۔ ہندوستان کے کئی اور حکمرانوں کی طرح انہل واڑہ
کے راجہ نے بھی سومنات کی چاردیواری کے اندر اپنے لیے ایک خوبصورت محل
تعمیر کیا ہوا تھا۔ رگھوناتھ نے اسی محل میں قیام کیا اور اس کے چند کمرے جے کرشن
اور نرملا کو دے دیے۔ رگھوناتھ کی عنایات پر جس قدر جے کرشن خوش تھا اسی قدر
نرملا پریشان تھی اور وہ اپنے باپ کی مرضی کے خلاف اس سے دور رہنا پسند کرتی
تھی۔

رگھوناتھ نے دو ہفتے وہاں قیام کیا۔ اس عرصہ میں نرملا اور اُس کی بدولت
جے کرشن کے ساتھ اس کی دلچسپی بڑھتی گئی۔ وہ نرملا کی تیمارداری کے بہانے
صبح و شام اس کے کمرے میں چلا جاتا اور نرملا ہر بار اسے یہ یقین دلانے کی
کوشش کرتی کہ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ نرملا کو رقص اور موسیقی کی بجائے کتابیں
پڑھنے کا شوق تھا اور رگھوناتھ نے پروہت سے مل کر مندر کے ایک مشہور و معروف
پنڈت کی خدمات حاصل کر لیں۔ رگھوناتھ کی دلچسپی کے باعث نرملا ایک معمولی
لڑکی کی بجائے ان عالی نسب شہزادیوں کی ہم مرتبہ خیال کی جانے لگی جو مندر میں
تعلیم و تربیت حاصل کرنے آئی ہوئی تھیں۔

جے کرشن رگھوناتھ کی دعوت پر اس کے ساتھ انہل واڑہ جانے کو تیار ہو گیا۔ رگھوناتھ کو اپنے حال پر مہربان دیکھ کر وہ نہ صرف اپنے بلکہ نرملا کے
مستقبل کے متعلق بھی بہت پر امید تھا۔

دو ہفتوں کے بعد رخصت ہوتے وقت اس نے نرملا سے کہا "بیٹی میری
زندگی کی آخری خواہش یہ ہے کہ تم کسی سلطنت کی رانی بنو۔ اگر مجھے تمہارے
مستقبل کی فکر نہ ہوتی تو میں تمہیں یہاں چھوڑ کر رگھوناتھ کے ساتھ نہ جاتا۔"

نرملا نے آبدیدہ ہو کر جواب دیا "پتا جی مجھے رانی بننے کا شوق نہیں۔ میں
دنیا کو تیاگ کر مہا دیو کی داسی بننا چاہتی ہوں۔ میں اس جگہ خوش رہوں گی۔"

جے کرشن نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "بیٹی! تمہیں اپنے
باپ کی بے بسی پر آنسو نہیں بہانے چاہئیں۔ میں اس حالت میں بھی تمہارے
لیے خوشیوں کے محل تعمیر کر سکتا ہوں۔"

(۳)

روپ وتی انتہائی بے چینی سے غروب آفتاب کا انتظار کر رہی۔ اسے رقص
کی تعلیم دینے والے پجاریوں نے ایک طویل اور صبر آزما انتظار کے بعد یہ خوشخبری
سنائی تھی کہ آج تم دیوتا کے سامنے اپنے جوہر دکھا سکو گی۔ اس دن کے لیے وہ
روزانہ کئی گھنٹے ناچ کی مشق کیا کرتی تھی۔ رقص و موسیقی کو سومنات کی
مذہبی رسومات میں غیر معمولی اہمیت حاصل تھی۔ چنانچہ نوجوان اور حسین
لڑکیوں کو ان فنون کی تربیت دینے کے لیے بہترین استاد مقرر تھے۔
اونچے گھرانوں کی لڑکیوں کو جو اپنی مرضی سے یہاں آتی تھیں اور جن کا قیام
عارضی ہوتا تھا چند ماہ کی محنت کے بعد سومنات کی مورتی کے سامنے بھجن
گانے یا ناچنے کی اجازت مل جاتی تھی۔ ان کے والدین اس کامیابی کی خوشی

میں ان کے اُستادوں اور مندر کے پروہت کو گراں بہا نذرانے پیش کرتے تھے۔
پھر ایسی لڑکیوں سے شادی کرنے کے خواہشمند ان کے والدین کی رضامندی
حاصل کرنے کے لیے پجاریوں کی خدمات حاصل کرتے تھے اور کامیابی کی صورت
میں پجاریوں کو منہ مانگا انعام ملتا تھا۔ اس لیے پجاریوں کی یہی خواہش ہوتی تھی کہ
ایسی لڑکیوں کو جلد از جلد فارغ التحصیل کیا جائے اور نئی لڑکیوں کے لیے جگہ پیدا
کی جائے۔

لیکن لاوارث یا ایسی لڑکیوں کی حالت ان سے مختلف نہ تھی جنھیں ان کے
وارث سومنات کی بھینٹ کر جاتے۔ یہ مندر کی داسیاں کہلاتی تھیں اور تعلیم و
تربیت کے طویل اور صبر آزما مراحل سے گزرنے کے بعد ان پر مندر کے ایسے ایسے
اسرار منکشف ہوتے تھے جن کا مندر سے باہر کسی کو علم نہ تھا۔ معمولی شکل و صورت اور
ادنیٰ ذہانت کی داسیوں کو یہ مراحل عبور کرنے سے پہلے ہی مندر سے چھٹی مل جاتی تھی۔
اگر ان میں سے کوئی زیادہ خوش قسمت ہوتی تو اسے کوئی شادی کا خواہشمند مل
جاتا ورنہ یہ اپنی زندگی کے دن پورے کرنے کے لیے عام طور پر مندر سے فارغ التحصیل
ہونے والی عالی نسب لڑکیوں کی مصاحب بن کر ان کے ساتھ چلی جاتیں۔ اس
بات کا پورا اخیال رکھا جاتا تھا کہ مندر کے رازہائے سربستہ کا انھیں کوئی علم نہ ہو
اور وہ اپنے دلوں پر سومنات کی ہیبت اور عظمت کا ایک دائمی اثر لے کر جائیں۔
ان میں سے کسی کی بدقسمتی اسے ایک بار مندر کے تاریک گوشوں تک پہنچا دیتی تو مندر
کے پجاریوں کے سوا اس کی زندگی اور موت کا کسی کو علم نہیں ہوتا تھا۔

مندر کی چاردیواری میں داخل ہونے کے بعد روپ وتی کچھ عرصہ بہت اداس اور
مغموم رہی۔ رام ناتھ کا تصور اُسے بے چین رکھتا تھا۔ اس کے دلکش نغمے ہر وقت
اس کے کانوں میں گونجتے رہتے تھے لیکن یہ سب باتیں اس کے نزدیک پاپ تھیں۔

وہ سومنات کی داسی بن چکی تھی اور رات کی تنہائیوں میں رو رو کر اپنے دیوتا سے
ہمت کی دعائیں مانگا کرتی تھی۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا اس کے دل کے
زخم بھرتے گئے۔ اس کی تمام خواہشیں اور امنگیں مندر کی چاردیواری میں سمٹ کر
رہ گئیں اور زندگی کے حسین تصورات ماضی کے دھندلکوں میں ڈوب گئے۔

اس کی آواز میں بلا کی دلکشی تھی اور موسیقی کے استادوں کو اس کی غیر معمولی
صلاحیتوں کا معترف ہونے میں دیر نہ لگی۔ اس کے حسین چہرے اور جسمانی اعضاء کے
تناسب نے رقص کی تعلیم دینے والے استادوں کو بھی جلد ہی اپنی طرف متوجہ کر لیا۔
ایک دن ایک تجربہ کار استاد نے اس سے کہا۔ ”روپ وتی! تم جس طرح گا سکتی ہو
اسی طرح ناچ بھی سکو تو کسی دن مندر کی دیوی کا تاج تمھارے سر پر ہوگا۔“
اس نے جواب دیا۔ ”مندر کی دیوی کا تاج میرے تصورات سے بہت بلند
ہے مہاراج! میں صرف ایک بار اپنے دیوتا کی مورتی کے سامنے اپنی عقیدت کا
اظہار کرنا چاہتی ہوں۔ اس کے بعد میرے دل میں کوئی خواہش باقی نہ رہے گی۔“
”وہ دن دور نہیں جب تمھاری یہ خواہش پوری ہو جائے گی۔ مجھے یقین ہے
دوسری لڑکیاں جو کچھ برسوں میں سیکھتی ہیں تم مہینوں میں سیکھ جاؤ گی، صرف محنت
کی ضرورت ہے۔“

”میں محنت کروں گی۔“ روپ وتی نے پر امید ہو کر جواب دیا۔ اس کے بعد
وہ دن رات صبح و شام ناچ کی مشق کیا کرتی تھی۔ اس کے پاؤں شل ہو جاتے۔ اس کا
جسم درد کرنے لگتا لیکن وہ مشق جاری رکھتی۔ کبھی کبھی وہ نڈھال ہو کر گر پڑتی اور
استاد آرام کا مشورہ دیتے لیکن اس فن میں کمال حاصل کرنے کا ولولہ جسمانی
تکان کے احساس پر غالب آ جاتا اور وہ اُٹھ کر دوبارہ رقص میں شریک ہو جاتی
رات کو خواب میں دیکھتی کہ وہ سومنات کی مورتی کے سامنے رقص کر رہی ہے اور

مہادیو کئی دیوتاؤں کے ساتھ آکاش سے اتر کر اُسے دیکھ رہے ہیں۔ میرسا
دیوتا کہتے ہوئے وہ مہادیو کے پاؤں میں گر جاتی۔ مہادیو اُسے اُٹھاتے
اڑاتے ہوئے اس رنگین دنیا میں لے جاتے جہاں سدا بہار پھول مہکتے تھے
اور ندیاں نہ ختم ہونے والے راگ الاپتی تھیں۔ ایسے سپنوں سے بیدار ہونے
بعد وہ دیر تک حسین تصورات میں کھوئی رہتی۔ شدید جسمانی ریاضت کے با
روپ وتی کا جسم قدرے دُبلا ہو چکا تھا۔ لیکن اس کے حسن میں غایت درجہ
اور اس کی آنکھوں میں ایک بے پناہ کشش پیدا ہو چکی تھی۔

(۴)

غروب آفتاب کے بعد مندر کی گھنٹی اور ناقوس کی آواز کے ساتھ روپ
کے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔ وہ رقص کرنے والی لڑکیوں کی ایک ٹولی
اس جگہ کھڑی تھی جہاں ایک دروازہ اس وسیع کمرے میں کھلتا تھا جس کے درمیان
سومنات کا بت نصب تھا۔ رقص کرنے والی لڑکیوں کی چند اور ٹولیاں ادھر اُدھر
پردوں کے پیچھے کھڑی تھیں۔

گھنٹیوں اور ناقوس کی صدائیں بلند ہوئیں۔ برہمنوں نے بھجن گانے شروع
کیے اور اس کے بعد رقص کرنے والی لڑکیوں کی مختلف ٹولیاں باری باری اپنے
کمالات کا مظاہرہ کرنے لگیں۔ آخر میں اس ٹولی کی باری آئی جس میں روپ
رقص کے لیے بے چین کھڑی تھی۔ دیوتا کے کمرے میں داخل ہوتے ہی ایک
کے لیے روپ وتی کے حواس گم ہو گئے۔ ہیروں اور موتیوں سے سجے ہوئے
میں کافوری شمعوں کی تیز روشنی، چھت، دیواروں، ستونوں اور دروازوں
میں جڑے ہوئے رنگا رنگ جواہرات سے منعکس ہو کر نگاہوں کو خیرہ کر رہی
سومنات کا بُت جن بیش قیمت ہیروں سے مزین تھا۔ وہ ستاروں کی طرح

رہے تھے۔ برہمن دیواروں کے ساتھ کھڑے تھے اور ان سے آگے سومنات
کے بُت کے چاروں طرف ان دیوتاؤں کی سونے اور چاندی کی مورتیاں تھیں، جنھیں
سومنات دیوتا کا دربان سمجھا جاتا تھا۔
رقص شروع ہوا اور گھنگھروؤں کی چھنا چھن اور پردوں کی اوٹ سے سازوں کی
آواز نے روپ وتی کے رگ و پے میں بجلی کی لہر دوڑا دی۔ وہ ناچ رہی تھی اور باقی
تمام لڑکیوں کے مقابلے میں نومشق ہونے کے باوجود تماشائیوں کی نگاہیں اس کی
طرف مرکوز ہو رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زندگی کی تمام دھڑکنیں سمٹ کر
اس کے وجود میں آ گئی ہیں۔ ہر ٹولی کی لڑکیاں ایک ایک کر کے سومنات کے بُت
کے سامنے آتیں اور تھوڑی دیر اپنے کمال کا مظاہرہ کر کے بغل کے کمروں میں
غائب ہو جاتیں تھیں۔ جب روپ وتی کی باری آئی تو وہ اپنے گرد و پیش سے بیخبر
ہو کر کافی دیر ناچتی رہی لیکن تماشائی اس قدر محو تھے کہ انھیں وقت کا احساس نہ ہوا
ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کے جسم کا رواں رواں ناچ رہا ہے۔ اتنے میں سمندر کی
طرف کھلنے والے دروازے سے پروہت نمودار ہوا۔ چند ثانیے روپ وتی کا
رقص دیکھنے کے بعد اس نے ہاتھ بلند کیا اور یک لخت تمام ساز خاموش ہو گئے۔
روپ وتی گھبرا کر بھاگتی ہوئی پردے کے پیچھے روپوش ہو گئی۔

پروہت نے کہا "چندرما سمندر کے دیوتا کو جگا چکا ہے۔ اب صرف
سومنات کی دیوی کا ناچ ہو گا۔"

پردوں کی اوٹ سے مختلف سازوں کی صدائیں ایک بار پھر بلند ہونے
لگیں اور تمام لڑکیاں مختلف دروازوں سے نکل کر دوبارہ مورتی کے سامنے
جمع ہو گئیں اور فرش پر بیٹھ کر اپنے بازو ہوا میں لہرانے لگیں۔ ایک حسین و جمیل
عورت جس کے سر پر ہیروں کا تاج جگمگا رہا تھا، نمودار ہوئی اور ناچتی ہوئی سومنات